گفتگو

۱۴

واصف علی واصف

واصف علی واصف

گفتگو ۱۴

ڈسٹری بیوٹرز: خزینۂ علم و ادب
الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور [illegible]

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب	....	گفتگو۔ ۱۴
مصنف	....	واصف علی واصف
سال اشاعت	....	۲۰۰۴ء
قیمت	....	۲۰۰ روپے

ناشر

کاشف پبلی کیشنز

۱-۳۰۱ اے، جوہر ٹاؤن، لاہور

زاہد بشیر پرنٹرز لاہور

مجھے فطرت نے بخشی چشمِ بینا
میں رنگوں کی صدا سُنتا رہا ہوں

(واصف علی واصفؒ)

فہرست

﴿ ۱ ﴾

۱ قرآن مجید میں ہے کہ تم وسیلہ کے ذریعہ مجھے تلاش کرو اور یہ کہ صراطِ مستقیم پہ چلو۔ ۲۰

۲ یقین کیسے پختہ ہوسکتا ہے؟ ۳۶

﴿ ۲ ﴾

۱ جناب کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جو مجذوب ہوتے ہیں یہ شریعت کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں اور شریعت اُن پر لاگو نہیں ہوتی' اس بارے میں کچھ فرمائیں۔ ۴۷

۲ کیا ایسے لوگوں کی پیروی کرنا چاہیے۔ ۴۸

۳ بعض اوقات دل اللہ سے مخاطب ہوجاتا ہے' ایسے میں ہم کیا کریں۔ ۵۷

۴ لیکن راستہ ہمیں سمجھ نہیں آرہا۔ ۵۹

۵ سر یہ ہمہ حال نماز کیا ہوتی ہے؟ ۶۲

﴿ ۳ ﴾

۱ اس سال کا محرم آ رہا ہے تو شہادت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کچھ فرمائیں۔ ۷۱
۲ ہم بزرگانِ دین کے پاس جاتے ہیں تو اللہ کا خوف، خشیت پیدا ہوتی ہے لیکن میں اللہ کا ایک اور تصور ذہن میں رکھتا ہوں...... ۷۹
۳ دل میں جو زنگ لگ جاتا ہے اُس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟ ۹۱
۴ کیا مصنوعی آنسو دل کا زنگ دُور کر سکتے ہیں؟ ۹۵
۵ اللہ تعالیٰ سے ہمیں کیا مانگنا چاہیے جس سے اللہ ناراض نہ ہو۔ ۹۶
۶ انسان اپنی حقیقی ضروریات تو مانگ سکتا ہے کہ نہیں؟ ۹۷
۷ اللہ سے تو ہم مانگتے ہی رہتے ہیں چاہے وہ چیز میسر آئے یا نہ آئے۔ ۱۰۰
۸ غلطی اور تقدیر میں کیا فرق ہے؟ ۱۰۲

﴿ ۴ ﴾

۱ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ جو اللہ والے ہوتے ہیں زیادہ تر غیر معروف ہیں جب کہ مصنوعی پیر بڑے مشہور ہیں۔ ۱۰۷
۲ رمضان شریف کی فضیلت کے بارے میں کچھ بتائیں۔ ۱۱۹

٣ پہلے آدھے سال کے روزے تھے اور نمازیں سو سے کم ہو کر
پانچ رہ گئی ہیں تو کیا یہ باتیں سچ ہیں۔ ۱۲۱
۴ کہتے ہیں کہ سفر میں اگر نماز قصر نہ کریں تو یہ ناشکری ہے' اسی
طرح سفر میں روزے نہیں رکھنے چاہییں۔ ۱۲۷
۵ ایسا کیوں ہے کہ ہم دوسروں کے لیے مسئلہ کھڑا نہیں کرتے مگر
دوسرے ہمارے لیے مسائل کھڑے کرتے ہیں؟ ۱۳۱
٦ یہ کہا جاتا ہے کہ بینکوں میں جو زکوۃ کاٹی جاتی ہے یہ ٹھیک نہیں
کیونکہ اس کا استعمال ٹھیک نہیں ہوتا۔ ۱۳۵
۷ سر! یہ شب قدر جو ہے کیا یہ مخصوص وقت کا نام ہے؟ ۱۳۷

﴾ ۵ ﴿

ا ہم جو عمل کرتے ہیں اس کا کیسے پتہ چلے گا کہ وہ ہم صحیح کرتے
ہیں یا نہیں؟ ۱۴۵

﴾ ٦ ﴿

ا اللہ تعالیٰ کی تو کوئی شکل نہیں ہے مگر بیدہ الملک کے مطابق اللہ
کے ہاتھ کا کیا مطلب ہے؟ ۱۸۱

٢ اللہ جو کہے ہو جاتا ہے تو پھر اُس نے لشکر کیوں رکھے ہوئے

٣ ہیں؟ ١٨٧

آج شبِ معراج ہے اس کے حوالے سے کچھ فرمائیں ١٩٣

٤ کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ڈیوٹی پر 'ہوتے ہیں' اس کی ذرا

وضاحت فرمادیں۔ ١٩٣

٥ کہتے ہیں کہ جو لوگ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں وہ فقیر ہی ہوتے ہیں اور

وہ نظام چلاتے ہیں۔ ١٩٥

٦ جو یہ اصطلاحات ہیں جیسے ابدال ہوں یا غوث ہوں تو یہ سب

ڈیوٹی والے لوگ ہیں۔ ١٩٥

٧ جیسے ماضی میں کچھ ابدال تھے تو وہ اب بھی ہوں گے یا ہوتے

ہیں؟ ١٩٦

٨ لوگ ایک پیر کو پکڑ کر دوسرا پیر کیوں پکڑتے ہیں؟ ٢٠٤

٩ جب کسی کو ایک راستہ مل گیا تو پھر وہ کسی اور کی محفل میں تو نہ

جائے۔ ٢٠٧

١٠ اسلام کے کتنے راستے ہیں؟ ٢٠٧

٧

١ رزقِ کریم سے کیا مراد ہے؟ ٢١٣

۲	جولوگ تفکرون والے یاReasonوالے ہوتے ہیں وہ تو کچھ اور کہتے ہیں۔	۲۲۵
۳	ماضی تو مذہب ہے اور مستقبل سائنس ہے تو پھر حال کیا ہے؟	۲۳۰
۴	کچھ لوگ قرآن کا حوالہ دیتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ بشر تھے تو اس بارے میں ہم کیا جواب دیں؟	۲۳۳
۵	آج کے دور میں مادی ترقی تو بہت ہو رہی ہے مگر روحانی ترقی کیوں نہیں ہو رہی؟	۲۳۶

عرض ناشر

''گفتگو'' کے سلسلے کی چودھویں جلد آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ اس سے پہلے کی تیرہ کتابوں کو وہی پذیرائی ملی جو کہ واصف صاحبؒ کی تصانیف کا خاصہ ہے۔ ان کی ذات کی مقناطیسی کشش لوگوں کو لوہے کے ذرّوں کی طرح اپنی جانب کھینچ لیتی تھی اور وہ ان کے گرد حلقہ در حلقہ جمع ہو جاتے تھے۔ پھر جب اُن سے سوالات کیے جاتے تو علم و عرفان کا ایک ایسا دریا بہہ نکلتا جس سے پیاسے دل اور روحیں سیراب ہو جاتیں۔ اس بیان کا ریکارڈ آج جب ''گفتگو'' کے اس سلسلے کے تحت پیش کیا جاتا ہے تو پڑھنے والے پر بھی وہی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ اس طرح قاری اپنی الجھن کا حل بھی پاتا ہے اور اس پر حکمت و دانائی کے نئے در بھی کھلتے ہیں۔ یہی وہ محرک ہے جو ادارے کو ہر آن نئی جلد کی تیاری میں کوشاں رکھتا ہے اور یوں ہم ہر بار اپنی کوشش میں کامیاب اور سُرخرو ہوتے ہیں۔ توفیق کے دم سے ہی یہ سلسلہ قائم ہے۔ اُمید ہے قارئین ہمیں اپنی دعاؤں میں بھی یاد رکھیں گے اور اپنی رائے سے بھی آگاہ کرتے رہیں گے۔

۱

۱ قرآن مجید میں ہے کہ تم وسیلہ کے ذریعہ مجھے تلاش کرو اور یہ کہ صراطِ مستقیم پہ چلو۔

۲ یقین کیسے پختہ ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی الجھن ہو اور وہ بے باک انسان کو ہو تو وہ تو سوال بن جاتا ہے اور اگر کسی کمزور انسان کو ہو تو الجھن گھن کی طرح کھا جاتی ہے کیونکہ وہ بے چارہ بول نہیں سکتا۔ یہ سوچیں کہ فائدہ کیا ہے اس سارے واقعہ کا' اس ساری بات کا جو ہم کر رہے ہیں کیونکہ دین تو مکمل ہے۔ فائدہ یہ ہے کہ جو چھپی ہوئی الجھنیں ہیں جن کو انسان اس بات کے ڈر سے بیان نہیں کرتا کہ شاید کفر ہو اگر ہم اُن کو صحیح بیان کرنا شروع کر دیں تو پھر مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ جب وہ مسئلہ سوال بن کے نکلتا ہے تو پھر سمجھ آ جاتی ہے کہ یہ سوال ہے جو جواب رکھتا ہے اور یہ سوال کرنا کفر نہیں ہے۔ اللہ سے بے باک شکوہ مولوی کے لیے تو کفر ہو سکتا ہے لیکن جس کے پاس اس شکوے کا جواب ہے اُس کا شکوہ تو Performance ہے' وہ شکوہ اُس کی Achievement ہے' اس کا حاصل ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ اُس شکوے والے کا خاص مقام ہے۔

سب سے مشکل چیز یہ ہے کہ اتنے بہت تضادات میں' ایک عقیدے میں یعنی اپنے عقیدے پر پورا اپنا اعتقاد قائم رکھنا۔ کہیں نہ کہیں کوئی الجھن رہ جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کے طور پر ہمیں جو بات سمجھائی گئی ہے وہ عمل میں یا مشاہدے میں نہیں بتائی گئی۔ جو لوگ یہ بات مشاہدے میں دکھا گئے وہ بھی صرف ہمارے علم میں شامل ہے اور عمل میں نہیں۔ آپ کے سامنے عمل والا ایسا

واقعہ نہیں ہوا۔ آپ کے اردگرد مسلمانوں کا حشر ہے، عراق جل رہا ہے، ایران جل رہا ہے اور پتہ نہیں کیا ہو رہا ہے۔ یہاں جو مسلمان ہے اور وہاں جو مسلمان ہے، مسلمان ہی مسلمان کو ہتھوڑا مار رہا ہے۔ اس لیے پھر آپ کے ذہن پر بوجھ رہتا ہے۔ عقیدے کے حوالے سے آپ کو سوالوں کی دعوت صرف اس لیے دی جاتی ہے کہ اگر سوال اندر پڑا رہے تو عبادت میں الجھن ہوگی، آپ کے اندر سوالات پڑے رہیں تو آپ کے اندر یقین فروغ نہیں پائے گا اور پھر یہ حالت ہوگی کہ۔

گمانوں کا لشکر یقین کے ثبات

تو یہ گمانوں کے لشکر جو ہیں یہ ہر آدمی پر حملہ آور ہوتے ہیں۔ گمان جو ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ شک جو ہے وہ ضرور رہے گا کہ شاید ایسا ہے کہ نہیں ہے، مثلاً اللہ کا دعویٰ ہے کہ وہ رازق ہے سب کا اور ہم دیکھتے ہیں کہ کچھ لوگوں کے پاس رزق نہیں ہے۔ اللہ کا ایک دعویٰ یہ بھی ہے کہ ہم Create تخلیق کرتے ہیں مگر گمان والا، شک والا کہتا ہے کہ یہ کیا Creation ہے، کیا تخلیق ہے۔ اس لیے گمانوں کے لشکر موجود رہتے ہیں۔

آپ نے کرنا یہ ہے کہ آپ گمانوں کے لشکر میں اپنے یقین کا ثبات ڈھونڈیں۔ تو گمانوں کا لشکر تو رہے گا اور Throughout رہے گا۔ اور اگر یقین حاصل کر لیں، آپ کی کوشش اگر آپ کو گمان تک لائی ہے تو آدھا کام پھر بھی ہو گیا۔ تو اگر کوشش بھی ہو، نصیب بھی ہو اور کسی یقین والی ذات کا تعاون بھی ہو تو پھر آپ یقین کے آغاز تک پہنچتے ہیں اور یقین کا پختہ ہونا ہی آپ کی عاقبت کی یقین دہانی ہے کہ اللہ ہے کہ نہیں ہے۔ آپ یہ کہیں کہ میرا اللہ جو ہے وہ ہے کیونکہ میں مانتا ہوں یعنی کہ مجھے یہ یقین ہے کہ وہ ہے۔ اس لیے آپ نے یقین

کا ثبات ڈھونڈنا ہے۔ تو آپ گمانوں کے لشکر میں کھوئے ہوئے یقین کو ڈھونڈو۔ گمانوں کا لشکر یقین کا ثبات پوری کربلا پر تفسیر ہے، پوری کربلا پر اس طرح تفسیر ہے کہ گمانوں کا لشکر ہے اور درمیان میں امام عالی مقام رضی اللہ عنہ یقین کا ثبات ہیں۔ یہ مکمل طور پر یقین کا ثبات ہے یعنی کہ وہ یقین کتنا پختہ ہے کہ یقین کی انتہا ہے۔ اور گمانوں کا لشکر جو ہے وہ صرف لشکر ہی ہے اور ہے بھی گمانوں کا یعنی جن کو دین پر شبہات تھے وہ لشکر تو رکھتے تھے لیکن اُن کا پتہ نہیں تھا اور امام عالی مقام رضی اللہ عنہ تنہا ہیں لیکن دین کے مکمل وارث ہیں۔ تو مدعا یہ ہے کہ یقین میں دنیاوی ضرورتوں کے مطابق یا دنیاوی حاصل کے مطابق اپنے یقین کو نہیں دیکھا جاتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی بڑا نیک تھا، نمازی تھا، پھر اُس کو کمزوری ہوگئی اور وہ بیمار ہوگیا۔ اگر اُس کو تکلیف ہوگئی تو لوگ کہتے ہیں کہ اگر ایمان دار آدمی تھا تو پھر تکلیف کیوں ہوگئی؟ تو ایمان تکلیف دور کرنے کے لیے نہیں بلکہ آپ کو وابستگی دلانے کے لیے ہے۔ ایمان کا تعلق اس بات سے ہے کہ اگر تکلیف ہے تو بھی تکلیف میں ایمان قائم رہے اور آرام آئے تو بھی ایمان قائم رہے اور اگر زندگی ہو تب ایمان قائم اور اگر موت ہو تب بھی ایمان قائم رہے۔ تو ایمان کا مقصد یہ ہے! ایمان جو ہے وہ ہر حال میں قائم رہتا ہے۔ کیا آپ نے کبھی نہیں دیکھا کہ غریب آدمی کا ایمان بہت پختہ ہوتا ہے، جن کے مکان کچے ہوتے ہیں اُن کا ایمان پختہ رہتا ہے اور کبھی کبھی پکے مکانوں میں ایمان کمزور ہو جاتا ہے۔ تو مدعا یہ ہے کہ ایمان کی پختگی حالات کی پختگی سے بالکل بے نیاز ہے۔ تو اب آپ نے اتنا دریافت کرنا ہے کہ پختہ ایمان کیا ہوتا ہے، اُس کی پختگی کیا ہے اور اُس کو کیسے حاصل کرنا ہے .... اس سلسلے میں آپ کو دعوت دے رہا ہوں کہ کسی کے ذہن میں کوئی سوالات ہوں تو اُن پر غور کیا جائے تا کہ آپ لوگوں کی موجودگی

میں جواب کی کوشش کی جائے، اس پر فکر کیا جائے۔ آپ اس پہ غور کریں۔ اور سوال پوچھیں۔

سوال:

قرآن مجید میں ہے کہ تم وسیلہ کے ذریعہ مجھے تلاش کرو اور یہ کہ صراطِ مستقیم پہ چلو...... اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

وسیلہ کا لغوی معنیٰ کیا ہے؟ اس کے معنیٰ ''ذریعہ'' ہی ہے۔ زندگی کو دیکھیں، بات صرف اتنی ہے جو اللہ کریم نے بڑی واضح طور پر ارشاد فرمادی ہے، یہ پھر بنیاد یہ بات جاتی ہے کہ انسان کے ساتھ زندگی اور زندگی کی ضروریات اور اُس کی مجبوریاں اور اُس کی افادیتیں شامل ہیں اور پھر اُس کے بعد اس انسان کے ختم ہونے کا واقعہ ہے۔ تو وہ انسان کتنی کوشش کر لے گا اور کیا حاصل کر لے گا۔ مقصد یہ ہے کہ آج تک ساری کائنات کے جتنے بھی ذی جان اور ذی الارواح اشیاء یا انسان جو بھی ہیں سارے مل کر اگر اللہ کی طرف چل پڑیں اور چلتے رہیں تب انہوں نے کیا حاصل کر لینا ہے کیونکہ یہ بہت لمبے فاصلے ہیں اور دور کا سفر ہے۔ تو اگر انسان کی اللہ سے رابطے کے لیے کوشش ہو یا اُس کے لیے سفر ہو تو وہ کتنا سفر کر لے گا اور کہاں تک پہنچے گا۔ یہ غور کرنے والی بات ہے۔ جب یہ کہا گیا کہ وسیلہ اور راستہ تلاش کرو تو اللہ تعالیٰ کا راستہ صراطِ مستقیم کہلاتا ہے۔ اور لطف کی بات یہ ہے کہ یہ کوئی Marked راستہ نہیں ہے کہ نشان لگایا ہوا ہے کہ اس راستے پر چلو یعنی جیسے کوئی سڑک ہو۔ یہ اعتماد اور یقین کا راستہ ہے اور عمل کا بھی نہیں کیونکہ عمل میں بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک آدمی جس کا یقین کمزور ہو اور اُس کا عمل اگر صحیح بھی ہے تو پھر وہ عمل نامقبول ہوگا۔ ایسا اکثر ہوا کہ

ایک آدمی جو باطنی طور پر اسلام کے خلاف ہے مگر مسلمانوں کی صف میں شامل ہے' اُن جیسا عمل کرتا ہے' اُن جیسی حرکات کرتا ہے اور مسلمانوں جیسی ساری وابستگی رکھتا ہے مگر نیت کا ویسا نہیں تو اُسی کا نام ہے منافق۔ منافق وہ ہے جو اسلام کے کیمپ میں رہے اور اسلام کو دل سے پسند نہ کرے۔ منافقین اکثر مل جاتے ہیں۔ گویا کہ ہر عمل بھی وسیلہ نہیں بنتا اور عمل بھی راستہ نہیں بنتا۔ راستہ جو ہے یہ یقین ہے اور وسیلہ بھی یقین ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اگر تو نے کشتی پر سوار ہونا ہو تو ملاح پر اعتماد کر کے چلتے جاؤ' پھر پار ہو جاؤ گے۔ اس لیے اپنی بات پر' اپنی صفات پر اور اپنے ایمان پر خود یقین کرو کیونکہ آپ نے کبھی کسی فارمولے کے مطابق ثابت نہیں کر سکنا کہ یہ اللہ ہے۔ تو اللہ کی لگن جو ہے یہ اللہ کا سفر ہے۔ لہٰذا آپ اُس لگن میں رہو اور اُس خیال میں رہو۔ اس سفر میں اللہ کا ثبوت آپ کے پاس کوئی نہیں ہے۔ اس طرح اگر آپ اللہ کا سفر کریں گے تو یہ Achievement ہو گی' یہ بڑا حاصل ہو گا۔ اللہ کا ثبوت ممکن نہیں ہے' اس طرح تو جو پچھلی Achievement ہے' جو پچھلا حاصل ہے وہ بھی آپ آگے پیچھے کر بیٹھیں گے۔ تو مدعا یہ ہے کہ اللہ نے یہ فیصلہ فرما دیا کہ آپ اللہ کے راستے پر چلو' سیدھے راستے پر' اور وہ راستہ ہے اُن لوگوں کا جو سمجھتے ہیں کہ اُن پر اللہ کا انعام ہے۔ یعنی کہ رحمتیں ہیں۔ کسی انسان پر اُس وقت تک رحمت نہیں ہے جب تک وہ یہ نہ سمجھے کہ مجھ پر رحمت ہے۔ مثلاً آپ اندازہ لگائیں کہ ایک آدمی امیر ہے مگر دنیاوی طور پر اپنے تناظرِ حالات میں پریشان ہے' امیر آدمی ہے لیکن پریشان ہے۔ غریب آدمی اُسے کہتا ہے کہ تجھے کیا پریشانی ہے؟ کہتا ہے کہ وہ میرا بیٹا جو ہے وہ میرا کہنا نہیں مانتا' اس لیے میرے واقعات اچھے نہیں ہیں' میرے گھر کے حالات اچھے نہیں ہیں۔ غریب آدمی کہتا ہے یہ تو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے مگر

تمہارے پاس تو پیسے ہیں، تم پیسے کے ذریعے اپنے حالات قابو کر لو۔ وہ کہتا ہے کہ امیر لوگوں کے بچے بھی کہنا نہیں مانتے، غریبوں کے بھی کہنا نہیں مانتے تو پھر دولت نے ہمیں کیا دے دیا۔ سوال یہ ہے کہ وہ جو مسائل غریب کے ساتھ ہیں واقعاتی طور پر وہی مسائل امیر کے ساتھ ہیں۔ آپ کبھی کسی ڈاکٹر کے پاس جائیں گے تو دیکھیں گے کہ ایک غریب مریض ہے اور اُسی بیماری کا مریض ایک امیر آدمی بھی ہے۔ اور پھر وہ امیر مریض جو ہے وہ علاج کے لیے باہر بھی چلا جائے گا۔ اِس کا مطلب ہے کہ دنیا کے اندر جو زندگی ہے اُس کے غم کا بوجھ، تکلیف کا بوجھ تقریباً برابر ہے۔ باقی سارے بوجھ آپ کے اضافی ہیں۔ اب آپ پیسوں کا بوجھ اٹھا لو تو یہ آپ کا ایک الگ بوجھ ہو جائے گا، فالتو بوجھ ہو جائے گا۔ تو سب کے لیے غم برابر ہے، تکلیف کا بوجھ برابر ہے، دین کے حوالے سے بوجھ برابر ہے اور آگے محاسبہ اور گرفت بھی برابر ہے۔ تو پھر یہاں کی جو نا برابری ہے وہ صرف آپ کا اپنا ہی حسنِ خیال ہے، باقی نابرابری یہاں ہے ہی کوئی نہیں۔ تو اچھا راستہ اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر انعام ہے۔ میں کہنا یہ چاہتا ہوں کہ انعام ماننے والے پر ہوتا ہے، اس پر جو انعام کو مانے۔ آپ نے اکثر دیکھا ہو گا کہ لوگ شکایت کرتے رہتے ہیں، درد ہے، آنکھوں میں درد ہے، تکلیف ہے۔ وہ درد تکلیف تو بیان کرتے جا رہے ہیں مگر آنکھوں کی جو نعمت ہے کیا کبھی اُس کا شکریہ بھی ادا کیا؟ شکر والا کہتا ہے، بہت ساری بینائی چلی گئی ہے مگر شکر ہے کہ تھوڑا سا چاند تو نظر آتا ہے۔ اب یہ نعمت ہے۔ تو وہ چاند کو دیکھتا ہے، سورج کو دیکھتا ہے تو یہ کیا ہے؟ نعمت ہے۔ اور دوسرا جو شکر والا نہیں کہتا ہے کہ میں مشکل میں پھنسا ہوا ہوں، میں ذرا دور سے شکل نہیں پہچان سکتا۔ تو یہ اس کے لیے ایک الجھن ہے، عذاب ہے۔ گویا کہ ماننے والے کے لیے جو نعمت ہے، نہ ماننے

والے کے لیے وہی مصیبت ہے۔ تو اللہ تعالیٰ کا انعام کن لوگوں پر ہوا؟ جنہوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کو اپنے لیے انعام سمجھا۔ تو صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اپنی اس زندگی کو اللہ کی نعمت سمجھ کے قبول کرنا۔ اس کے علاوہ صراطِ مستقیم کیا ہے؟ اس کے علاوہ صراطِ مستقیم کوئی نہیں ہے۔ یہ نہیں کہ کسی کے پیچھے چل پڑو، پہاڑوں میں چلے جاؤ یا دریاؤں میں چلے جاؤ بلکہ اِس زندگی کو اللہ کی نعمت سمجھ کے بڑے یقین کے ساتھ قبول کر لینا کہ یہ میرے پہ اللہ کا انعام ہے، یہ ہے صراطِ مستقیم اور انعمت علیھم ہے، یہ تیرے اوپر بھی انعام ہے۔ اب تیرے اوپر کیا انعام ہے؟ اب تم جائزہ لیتے رہو۔ داتا صاحبؒ پر کیا انعام ہے؟ داتا صاحبؒ کی اصلی زندگی جو ہے وہ یہ تھی کہ انہوں نے اپنا وطن تو چھوڑ دیا۔ تُو تو گھر نہیں چھوڑتا۔ شادی بھی انہوں نے نہ ہی کی، بچہ بھی کوئی نہ ہوا اور وہ پردیس میں کوئی پیسے تو نہیں لے کے آئے تھے، وہاں غریب اور غریب الوطنی دونوں ہی ہیں بلکہ غریب الدیار بھی ہیں اور پھر یہ مشکلات کہ پردیس میں یہ الجھن کہ کوئی بات مانے کوئی نہ مانے، اللہ تو وہیں ان کے اپنے ملک میں بھی اللہ ہے مگر انہوں نے ایک پیر کو پیر مانا اور اُس پیر نے کیا کام کیا کہ فرمایا تو جا، یہاں غزنی سے نکلتے ہوئے لاہور جا کے ہندوؤں میں تبلیغ کر۔ گویا کہ دشمنوں کے علاقے میں بھیج دیا۔ اب اس کو آپ انعام کہتے ہیں۔ آپ نے یہ داتا صاحبؒ دیکھے ہوئے ہیں جن کا سنگِ مرمر لگا ہوا ہے، اور وہ داتا صاحبؒ جن پر اصلی انعام تھا وہ آپ نے نہیں دیکھے کہ کس مقام سے چل کر کس مقام تک پیدل آئے، گھر بار چھوڑ کے آئے، ماں باپ کو چھوڑ کے آئے، ہر چیز کو چھوڑ کے آئے، Even وہ پیر جو حکم دینے والا ہے اُس کو بھی چھوڑ کے آئے یعنی جس کے حکم کے نام پر سفر ہو رہا ہے، اُس کو بھی چھوڑنا پڑا۔ گویا کہ یہ ہے اُن پر انعام اور جب انعام ہو رہا تھا اس وقت اُن کی زندگی ویسے ہی تھی جس طرح

آپ لوگوں کی ہے۔ان پر جو انعام آج ہو رہا ہے آپ تو اسے دیکھ رہے ہیں یعنی آپ آستانے کو داتا صاحبؒ سمجھ رہے ہیں مگر وہ تو بڑی مشکلات میں سے گزرے۔ اگر آپ کو یہاں سے پیدل بھیج دیا جائے کہ پشاور تک پیدل جاؤ تو میرا خیال ہے ناممکن ہے پیدل جانا' اس زندہ زندگی میں تو مشکل ہے کہ سفر کرنا اور وہ بھی پیدل ۔ اُس زمانے کا تو رواج تھا۔ اس طرح خواجہ صاحبؒ اور دوسرے بزرگانِ دین کو دیکھیں۔گویا کہ انعمت علیھم کا مطلب یہ ہے کہ جنھوں نے زندگی کو جو اللہ نے انہیں دی ہے اس کا انعام سمجھا' اُن کے لیے یہ زندگی صراطِ مستقیم ہے اور جن لوگوں نے اللہ کی دی ہوئی زندگی کو غضب سمجھا تو پھر یہ راستہ دین کا نہیں ہے۔ ایسا شخص کہتا ہے عذاب ہی ہے زندگی' مشکل ہی ہے' کبھی خرچ بڑھ جاتا ہے' کبھی آمدن گھٹ جاتی ہے' کبھی صحت خراب ہو جاتی ہے اور بیماری آ جاتی ہے' ساری الجھنیں مجھ غریب کے اوپر ہیں۔ ہر وقت ہی گلہ ہر وقت ہی شکایت رہتی ہے۔ایسے شخص نے زندگی کو غضب کے طور پر دیکھا کہ ہر طرف سے اللہ تعالیٰ ہمیں ڈراتا ہے .... تو جس شخص نے زندگی کو غضب کے طور پر دیکھا ہے اس کے لیے زندگی جو ہے وہ کبھی دین نہیں بن سکتی۔ گویا کہ اس زندگی کے ساتھ آپ کا جو Attribute ہے' جو آپ کا رویہ ہے وہی آپ کے لیے دین ہے اور جو آپ کا نظریہ ہے وہی دین ہے۔ اگر آپ نے اس کو اللہ کی رحمت سمجھا تو یہ آپ کے لیے دین ہے اور اگر آپ نے زندگی میں الجھنیں ہی تلاش کی ہیں تو دین نہیں ملے گا۔ اگر الجھنیں دیکھنی ہیں تو پھر دیکھو کہ پیغمبر یتیم پیدا ہوتے ہیں۔ اب اس میں الجھن کیا ہے؟ مگر الجھن نکالو تو الجھن ہی الجھن ہے' اور اگر آپ اس میں انعام دیکھو تو پتہ چلے گا کہ یتیموں کو پیغمبری مل رہی ہے۔ یہ تو آپ کا اپنا حسنِ خیال ہے کہ آپ کس انداز سے دیکھتے ہیں۔اس لیے انعام

دیکھیں گے تو پھر تو انعام ہے اور نہ نظر آئے تو پھر آپ کو انعام نظر نہیں آئے گا۔ تو اُس آدمی کو زندگی انعام لگتی ہے جو اپنی زندگی کو انعام سمجھے۔ تو یہ دین کا راستہ ہے۔ وسیلہ کا مطلب یہ ہے کہ اگر آپ نے ایک وسیلہ پکڑا ہے تو دوسرا وسیلہ نہ پکڑنا، اللہ کی طرف وسائل نہیں لے جائیں گے بلکہ وسیلہ لے جائے گا۔ اور یہ یاد رکھنے والی بات ہے۔ لوگ وسائل بنا لیتے ہیں، اس لیے اصل وسیلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں اللہ کی طرف سفر کر رہا ہوں۔ دوسرا کہتا ہے کیا کرتے ہو اس سلسلے میں؟ کہتا ہے نماز میں پڑھتا ہوں۔ وہ کہتا ہے آج آپ نے نماز نہیں پڑھی؟ کہتا ہے نہیں، آج میں قوالی سن رہا ہوں۔ گویا کہ اگر ایک وسیلہ ہے تو اُس وسیلے کو دوسرے وسیلے سے نہ توڑو۔ میری بات سمجھ آئی؟ دوسرا آدمی تو وسیلہ کر رہا ہے اور وہ اپنے حساب سے کر رہا ہے، مثلاً درود شریف پڑھتا جا رہا ہے تو پڑھنے دو اس کو اور تم جو کچھ کرتے ہو کرتے جاؤ، اپنا وسیلہ جو ہے اُسے محفوظ رکھو، یہ نہ ہو کہ کسی اور سے وسیلے پوچھتے رہو۔ آپ اپنے وسیلے پر پورا اعتماد کریں۔ وسیلے کا قیام ہونا چاہیے اور آپ کا قیام جو ہے وہ دین کے اندر ہو۔ ایک آدمی نے کسی انسان کو وسیلہ بنا لیا اور پھر کہتا ہے کہ وہ انسان غلط نکل آیا۔ اگر تیری وابستگی اللہ کے لیے ہے تو تیری وابستگی غلط تو نہیں ہو سکتی۔ اور اگر تیرا عقیدہ، تیرا یقین قائم ہے تو غلط مقام پر بھی تجھے صحیح راستہ مل جائے گا اور وہ مقام بھی صحیح ہو جائے گا۔ مثلاً کبھی آپ یہ دیکھو کہ ماں باپ دین میں اولاد سے کم ہیں یعنی اولاد دینی مدارس میں پڑھ جائے اور ماں باپ نے نہ پڑھا ہو، تو ماں باپ کے پاس دینی علم کم ہو گا لیکن ماں باپ کا مرتبہ ہمیشہ بڑا ہے اور وہ ہمیشہ اولاد کے لیے دعا کریں گے۔ تو مدعا یہ ہے کہ ماں باپ کا ایک ایسا مقام ہے جن کے پاس دینی علم کم ہونے کے باوجود اولاد کے لیے دینی مرتبہ اور منصب قائم رہنا ہے، ہر چند کہ

ان کی اولاد دین میں بہت زیادہ علم رکھتی ہو۔ تو یہ ایک ایسا وسیلہ ہے جو قائم رہتا ہے۔ تو جب آپ کہتے ہو کہ وسیلہ پکڑو تو مطلب یہ ہے کہ آپ اللہ سے کثیر الوسائل رجوع نہ کرو۔ اللہ کی طرف ایک وسیلہ لے کے آپ چل پڑو، کلمہ پڑھ لیا، اسلام آ گیا اور اب آپ قوت کے ساتھ وسیلہ پکڑو اور اللہ تعالیٰ کی طرف اُسی وسیلے کے حوالے سے کوشش کرو۔ اور پھر آپ کو اس طرح بات دریافت ہو جائے گی۔ بے شمار لوگوں نے بے شمار جگہوں پر دیکھا، اور بلی کی مثال دیتے ہیں کہ جس بلی کو جس بل، سوراخ سے خوراک ملی ہے وہ اکثر اس سوراخ کے پاس ہی بیٹھتی ہے، جس بلی کو دیوار پر اڑتی چڑیا ملی ہے وہ دیوار پر رہے گی، جس نے درخت سے چڑیا پکڑی ہے وہ درخت پر ہی رہے گی۔ تو جس کو جہاں سے جو ملا ہے وہ وہیں رہ جائے گا۔ گویا کہ ہر چیز اپنے وسیلے کو محفوظ کر رہی ہے۔ وہ مر جائے تب بھی اُس کی خوراک وہیں سے حاصل ہو گی، اُس کا عقیدہ وہیں رہے گا۔ تو دیوار سے چڑیا پکڑنے والی بلی ساری عمر دیوار پر ہی رہتی ہے۔ تو مدعا یہ ہے کہ جہاں سے آپ کو فضل ملا، فیض ملا اگر آپ وہاں سے اکھڑ گئے تو پھر آپ کے پاس نہ فضل ہے اور نہ فیض ہے۔ تو مدعا یہ ہے کہ فضل اور فیض استقامت کے علاوہ کسی شے کا نام نہیں ہے۔ تو جس کو آپ فضل کہہ رہے ہیں یا فیض کہہ رہے ہیں یہ استقامت ہے۔ ہمارے ہاں رواج ہو گیا ہے کہ لوگ کئی پیر بناتے ہیں۔ پیر تو ہوتے ہی بادشاہ لوگ ہیں۔ مگر آپ لوگ جو ہیں اُن سے بھی زیادہ بادشاہ ہیں کہ آپ نے بہت سارے پیر رکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ پیر صاحب کے کتنے مرید ہو گئے ہیں؟ بھئی بیس ہزار ہو گئے ہیں۔ اور آج کل کسی مرید سے پوچھیں کہ بھئی تیرے کتنے پیر ہیں تو وہ کہتا ہے کہ کوئی بیس پچیس تو ہوں گے ہی۔ ایسا مرید جہاں کسی کا پتہ چلا وہاں چلا گیا، کہیں اور خبر سنی تو وہاں چلا گیا۔ اس سے

یہ ہوتا ہے کہ ایسے آدمی کے لیے وسیلہ ٹوٹ جاتا ہے۔ تو مقصد یہ ہے کہ آپ اپنے اعتماد کے اندر قائم رہیں۔ یہ کہنے والی بات نہیں ہے بلکہ صرف سمجھنے والی بات ہے۔ اُس وسیلے کو جس کو آپ نے قائم رکھ لیا وہ وسیلہ قائم نہیں ہو سکتا جب تک آپ کو یقین نہ ہو۔ وہ کبھی قائم نہیں ہو سکے گا۔ اور اگر وہ قائم ہو گیا تو یہ یقین کی انتہا بن جاتا ہے۔ وسیلہ ہی یقین بن جاتا ہے۔ جب یقین پختہ ہو جائے تو پھر اللہ کے علاوہ آپ کو اور کیا بات نظر آئے گی۔ مقصد یہ ہے کہ جب آگ کے اندر ایک پیغمبر چھلانگ لگاتا ہے' بے خطر کود پڑتا ہے تو آگ میں دیدارِ الٰہی اور وصالِ حق ہو جاتا ہے۔ اب لوگ کہہ سکتے ہیں کہ آگ میں تو وصالِ حق نہیں ہوتا ہر چند کہ وہ گلزار ہو گئی۔ مگر یہ اُن کے لیے وصالِ حق ہے۔ یقین کی انتہا ہی وصالِ حق ہے۔ میری بات سمجھ آ رہی ہے آپ کو؟ یہ دو طریقے سے ملتی ہے۔ ایک تو طریقہ اس کا یہ ہے کہ آپ کوشش کرتے جائیں' اگر یقین ٹوٹتا جائے تو اسے آپ جوڑتے جائیں' گریباں چاک ہو جائے تو پھر اُس کو سی لیں' پھر یہ ہو گا کہ کبھی عقیدہ ٹوٹ گیا اور کبھی قائم ہو گیا' بس آپ سفر کرتے جاؤ' حتیٰ کہ عقیدہ قائم ہو جائے گا۔ آپ کوشش کرتے اور ہمت کرتے جائیں تو افلاک سے نالوں کا جواب آ ہی جائے گا۔ ایک طریقہ تو یہ ہے' دوسرا اس کا طریقہ یہ ہے کہ یہ آپ کے عمل سے بے نیاز ہے۔ اور اللہ کی رحمت جو ہے وہ خود تلاش کرتی ہے اور خود شکار کرتی ہے' آپ اگر حُسنِ انتظار پیدا کرو تو آپ کے لیے حُسنِ انجام آ جائے گا۔ اچھے وقت کا انتظار ہی اچھا وقت ہے۔ اچھے آدمی کا انتظار ہی اچھی بات ہے۔ اچھے انجام کا انتظار ہی بذاتِ خود انجام ہے اور خدا کی رحمت کا انتظار ہی ابتدائے رحمت ہے۔ خدا کی نسبت سے جب آپ رجوع کر رہے ہیں' جب

آپ اس کی طرف لگن کر رہے ہیں تو وہیں سے آپ کا خدا والا سفر شروع ہو جاتا ہے۔ خدا جو ہے وہ روشنی کی طرح آپ کے خیال ہی کے ساتھ ہے کہ سورج کی روشنی جہاں سے آپ نے دیکھنی شروع کی وہیں سے سورج شروع ہے حالانکہ وہ روشنی ہے اور سورج تو نہیں ہے۔ تو آپ چلتے چلے جائیں' جہاں تک سورج کی روشنی آ رہی ہے یہ آپ کے لیے سورج ہے کیونکہ آپ کے لیے فرق کرنا بڑا مشکل ہے کہ سورج اور دھوپ میں فرق کیا ہے کیونکہ ہم سورج کے پاس نہیں جا سکتے۔ اور یہ ہمیں یقین ہے کہ ہم پاس نہیں جا سکتے۔ تو اس لیے خدا کے ساتھ وصالِ حق جو ہے یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے۔ صرف یہ ہو سکتا ہے کہ وصالِ حقیقت کی حد تک آپ تعلق قائم کر سکتے ہیں۔ اس لیے جب آپ رجوع کر رہے ہیں' اللہ کی طرف رجوع کر رہے ہیں تو پھر دو طریقے ہوں گے' ایک یہ کہ آپ کوشش کر رہے ہیں اور یہ آپ کو انعام ملا ہے' دوسرا یہ کہ کوشش کوئی نہیں کی ہے بلکہ اللہ نے خود ہی مہربانی کی ہے۔ لوگ کہہ سکتے ہیں کہ پیغمبر کوئی ایسے عمل کرتے ہوں گے جس سے پیغمبر بن جاتے ہوں گے مگر ایسا نہیں۔ اللہ نے خود پیغمبر بنائے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ خود جس کو چاہے اُس کو نواز دے۔ محنت کبھی کبھی سرفراز ہو جاتی ہے۔ تو محنت بھی سرفراز ہوتی ہے مگر کچھ لوگ محنت کے بغیر ہی محنت کا نصیب لاتے ہیں۔ اس لیے آپ دونوں طریقوں پر چلا کرو کہ محنت بھی اچھی ہو اور یقین بھی قائم ہو جائے۔ محنت جو ہے اس پر پورا دارومدار نہیں ہے بلکہ یہ نصیب پر دارومدار ہے۔ مثلاً آپ دیکھیں کہ کتنے لوگ ہیں کہ اچانک گھر بیٹھے بیٹھے اُن کو مرتبہ مل جاتا ہے اور پھر بعد میں کوشش کرتے کرتے وہ مرتبہ نہیں ملتا۔ اسی طرح بیٹھے بیٹھے ایک واقعہ ہو جاتا ہے' مثلاً ایک آدمی اچانک شعر کہنا شروع ہو جائے' بیٹھے بیٹھے یہ ہو جائے۔ آپ سیکھتے چلے جائیں مگر شعر نہیں

کہہ سکتے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بہت ساری باتیں ہیں جو زندگی میں بیٹھے بیٹھے مل جاتی ہیں، بہت سارے واقعات جو ہیں یہ آپ کے مانگے بغیر ملتے ہیں، بینائیاں ملی ہیں، رسائیاں ملی ہیں، شکل ملی ہے، صحت ملی ہے اور یہ سب آپ کو مانگے بغیر ملا ہے۔ اسی طرح مانگے بغیر راستہ بھی مل جاتا ہے۔ صرف آپ اُس کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا انتظار کرو، تو آپ کو وہ راستہ مل جائے گا۔ اور کوشش کرنے والا جو ہے کوشش بھی کرتا ہے۔ اب آپ یہ نہ کرنا کہ کبھی اس طرف جانا اور کبھی اُس طرف جانا ۔

چلتا ہوں تھوڑی دور ہر اک تیز رو کے ساتھ

ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ تو آپ کا رہبر کون ہے؟ شوق۔ ذوقِ سفر ہی آپ کا رہنما ہے۔ اور اگر ذوقِ سفر نہ ہو تو رہنمائی کوئی نہیں کر سکتا۔ مقصد یہ ہے کہ مسافر جو ہے اُس نے کہیں بھی نہیں جانا بلکہ صرف ذوقِ سفر کے پاس جانا ہے۔ یعنی کہ یہ نہیں ہے کہ ساٹھ میل اُدھر جانا ہے، فاصلہ طے کر لینا ہے، بلکہ صرف آپ کے اندر ذوقِ سفر پیدا ہو جائے گا، بیٹھے بیٹھے اللہ کا شوق پیدا ہو جائے گا۔ اللہ کوئی باہر کی بات نہیں ہے بلکہ اپنے اندر ایک مقام اپنے آپ کے لیے دریافت کرنا ہے۔ وہی پھر آپ کو صحیح راستے پہ لے جاتا ہے اور اپنے اندر حقیقت کو دریافت کرنے کے لیے جو مقام ہے اس کو کہتے ہیں کہ وہاں گمانوں کے لشکر ختم ہو جائیں گے۔ پھر آپ کے پاس ایک وسیلہ آ جائے گا اور آپ اپنے یقین کو اور پختہ کر لو۔ پھر وہ یقین جو ہے جب مکمل ہو جاتا ہے یا پختہ ہو جاتا ہے تو آپ پر حقیقت آشکار ہو جاتی ہے۔ اس بات پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ اس لیے اپنے شبہات کو، اپنے شکوک کو اور زندگی کے اضطراب کو دور کیسے کرنا ہے؟ یقین کے ساتھ ...... آپ اپنے Tomorrow پر یقین کرو، Tomorrow کا معنیٰ؟ آنے والا کل۔ آنے

والے کل پر یقین کرو کہ تمہارے لیے ایک بہتر مستقبل آ رہا ہے' بہتر وقت آ رہا ہے۔ اور اگر آپ اندیشہ کرتے جاؤ گے کہ ہمارے لیے برا وقت آئے گا تو برا وقت ہی آئے گا بلکہ آج ہی سے برا وقت ہے۔ تو جو سزا کے انتظار میں ہے اس کی سزا شروع ہے۔ جو آدمی انعام کے انتظار میں ہے اس کا انعام شروع ہے۔ اس لیے سزا اور انعام کے نام دوزخ اور جنت ہیں۔ تو دوزخ کا انتظار کرنے والے کی زندگی دوزخ ہو چکی ہے اور جنت کا انتظار کرنے والے کی زندگی ابھی سے جنت ہو چکی ہے۔ لہٰذا پھر بہشتی دروازے زندگی میں ہی کھلتے ہیں کہ ہمارے لیے اب جنت ہی جنت ہے۔ تو آپ جنت کا انتظار کرو' آگے جو اللہ کرے گا وہ اُس کی مرضی ہے لیکن تُو تو اچھا انتظار کر ...... تو حُسنِ انتظار جو ہے یہ بھی اللہ کا ایک راستہ ہے اور پختہ یقین جو ہے یہ انسان کی اپنی زندگی میں ہوتا ہے ؎

زندگی روشن جبیں کا نام ہے
زندگی پختہ یقیں کا نام ہے

مطلب یہ ہے کہ اگر تیری جبیں کے اندر سجدہ نہیں ہے تو پھر اور سجدہ کہیں نہیں ہے یقین کا مسافر چلتا ہی رہتا ہے۔ اس لیے آپ وسوسوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے چلتے چلو۔ اور یہ اللہ کی مہربانی ہو جاتی ہے کہ مسافر کا سفر جاری رہے' اس میں منزل نہیں آئی۔ بس یقین قائم رہے۔ اگر یقین قائم ہو گیا تو پھر منزلیں جو ہیں خود بخود ہی آپ کے ساتھ ساتھ چلتی جا رہی ہیں۔ منزل کا ساتھ ہوتا ہی یہی ہے کہ آپ سفر کرتے جا رہے ہیں اور یقین پختہ ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے یقین ہونا چاہیے اپنے آپ پر' اپنے اللہ پر اور اللہ کی مقرر کی ہوئی رحمت پر جو اُس نے کی ہے۔ پھر آپ کے لیے یقین ہی یقین ہے۔ تو وسیلہ پکڑنے کا مقصد کیا ہے؟ کہ آپ یقین کو پختہ کرو۔ کوشش کرنے کا مطلب کیا ہے؟ یقین کو پختہ کرو' حاصل کیا

ہے؟ پختہ یقین۔اور انجام کیا ہے؟ پختہ یقین۔تو یہ سارا کچھ یقین سے چلتا ہے۔ اپنے آپ کو بدقسمت کہتے جاؤ گے تو بدقسمت ہی بن جاؤ گے۔حالانکہ قسمت کچھ بھی نہیں ہے' قسمت صرف مقابلے کا نام ہے اور اگر آپ کو یہ بتایا جائے کہ لاہور شہر کا قطب وہ ہے جو تمہارے علاقے میں جوتی بناتا ہے' جوتی گانٹھتا ہے یعنی موچی ہے تو پھر آپ اگر قطب بننے کی خواہش کریں گے تو پھر موچی ہی زیادہ باعثِ عزت ہوا۔اگر یہ بات جاننے کے بعد کہ وہ واقعی قطب ہے اور آپ اپنی زندگی پر Insist کرو' اصرار کرو تو پھر آپ کے لیے بڑے افسوس کی بات ہے۔ اگر قطب نے ہی وہ کام شروع کر دیا تو پھر تم لعنت بھیجو اس زندگی پر جو تم گزار رہے ہو۔تو پھر تم موچی سے کم ہی کوئی کام کرو کیونکہ تمہارے پیر نے موچی کا کام شروع کر دیا۔اس لیے آپ یہ سمجھو کہ اصل واقعہ کیا ہے۔اصل واقعہ یہ ہے کہ آپ کی دنیاوی حالت کا آپ کے یقین کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔تو تعلق کس کے ساتھ ہے؟ تیرے یقین کے ساتھ۔تو یقین کون ہے؟ تُو آپ۔اور تُو آپ کتنا سارا ہے؟ جتنا تُو قبر میں ہے اتنا ہی تُو آپ ہے' جتنا تُو ماں کے پیٹ میں ہے اُتنا تُو آپ ہے' جتنا تُو سوتا ہے چارپائی پہ' اُتنا تُو آپ ہے۔اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ تیرا اپنا ہی نہیں ہے۔تو آپ بتاؤ کہ آپ Original کتنے ہو' اصلی کتنے ہو؟ اتنے ہو جتنا آپ کا Final مقام ہے۔تو اسی کی اصلاح کرنی ہے۔ اور تم' پتہ ہے کیا کرتے ہو؟ تم لوگ عجیب ہو' تم حالات کی اصلاح کرتے رہتے ہو اور کرنی خیال کی اصلاح تھی۔تو لوگ حالات کی اصلاح کرتے رہتے ہیں جب کہ خیال وہیں کا وہیں رہ جاتا ہے۔تو جھوٹے کے لیے امیر ہونا بھی جھوٹی بات ہے اور سچے کے لیے غریبی بھی سچی بات ہے۔تو مدعا یہ ہے کہ پہلے جو اصلاح اور جو Achievement ہے وہ آپ کے حال کی ہے اور خیال کی ہے نہ

کہ اِن ظاہری حالات کی ہے۔ اس لیے اپنے آپ کو اپنے ان حالات، ظاہری حالات سے علیحدہ ہو کے دیکھو، جتنے تم Singular ہو، جتنے مفرد ہو، اس کا یقین کیا ہے؟ کیا آپ مانتے ہو کہ اللہ ایک ہے؟ ہم مانتے ہیں کہ اللہ ایک ہے۔ کیا اللہ رحم کرتا ہے؟ ہم مانتے ہیں۔ کیا کبھی کبھی رحم نہیں کرتا؟ یہ بھی ہم مانتے ہیں۔ کیا اللہ پیسے دیتا ہے؟ ہم مانتے ہیں۔ کیا کبھی لے لیتا ہے؟ یہ بھی ہم مانتے ہیں۔ یعنی کہ اگر سکھ دے پھر بھی ہم اس کا سجدہ کرتے ہیں اور اگر دکھ دے تب بھی سجدہ ہے۔ ہمارے لوگوں کا یقین عام طور پر اللہ کے احسانات میں تو قائم رہتا ہے اور جب کبھی ابتلاء ہو تو یقین ٹوٹ جاتا ہے، تو یہ ہمارے یقین کی کمی ہے۔ اگر کمزوری آ جائے اور حالات میں کمی بیشی آ جائے، تب بھی یقین قائم رہنا چاہیے۔ اس لیے آپ اس بات پہ غور کریں کہ آپ کے یقین کو کوئی صدمہ نہ پہنچے اور وہ حالات کی زد میں نہ آئے۔ اپنے یقین کو اپنے حالات کی زد سے بچاؤ۔ تو پھر آپ قائم ہیں۔ اب آپ کا کیا خیال ہے اور آپ کا کیا حال ہے؟ اپنے آپ کو غریب سمجھو یا امیر سمجھو مگر اپنے آپ کو سمجھو۔ یہ دیکھو کہ تم جیسا اور کوئی نہیں ہے اور تم ایک ہی بار آئے ہو زندگی میں اور پھر تم نے یہاں اس میلے میں نہیں آنا۔ اتنی بات تو سمجھو ناں، کہ پھر یہ میلہ چلا جائے گا۔ لہٰذا آپ ایسے اندیشے نہ رکھنا۔ دو قسم کے لوگ ہیں یہاں پر۔ مثلاً وہ لوگ جو اپنی زندگی کو کوشش کے ذریعے آسودہ حال بناتے ہیں کہ کوشش کرو اور بہتری کرو۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جنہیں یہ بات سمجھ آتی ہے کہ کوشش کر کے ہم کر کیا لیں گے جب تک اللہ کا فضل نہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ کوشش کرنے والا بھی کبھی تو غافل رہتا ہے کیونکہ کوشش میں لگا رہتا ہے۔ کوشش اگر اللہ پر یقین کے بغیر ہو تو کوشش بذاتِ خود جو ہے حجاب ہے اور پھر آپ کے اور اللہ کے درمیان کوشش حائل ہے کیونکہ آپ کوشش کو ذریعہ سمجھ

رہے ہیں حالانکہ اللہ ذریعہ ہے، آپ سمجھتے ہو کہ کوشش کے ذریعے تمہیں یہ بات ملے گی مگر وہ تو اللہ کے فضل کی بات تھی۔ اس لیے کوشش کو اگر آپ نے ذریعہ سمجھ لیا تو یہ کوشش جو ہے حجاب بن جائے گی۔ اور اگر اللہ تعالیٰ فضل کرے تو کوشش آپ کے لیے آسانیاں لے آتی ہے ورنہ تو کوشش، جدوجہد جو ہے اللہ اور بندے کے درمیان مقابلے میں آجاتی ہے۔ تو اللہ کے راستے میں صرف خوشی ہوتی ہے، کوشش نہیں ہوتی اور خوشی کے ساتھ مسافر سفر کرتا ہے اور کوشش کے اندر جہاد جیسے جذبات ہوتے ہیں۔ اس لیے آپ کے لیے اللہ کے فضل کو دریافت کرنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ آپ ہر حال میں راضی رہنا شروع کر دیں اور کہیں کہ اللہ بہتر کرے، اللہ تعالیٰ فضل فرمادے۔ تو اللہ تعالیٰ کسی دور کی شے کا نام نہیں ہے بلکہ قریب کے احساس کا نام ہے۔ تو آپ اپنا قریب کا احساس ٹھیک کریں۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ آپ یہ محسوس کریں کہ آپ کہیں جا کے اللہ کو دریافت کرلیں گے۔ ایک آدمی کہنے لگا کہ میرے حالات اچھے نہیں ہیں اور وہ باہر چلا گیا۔ جاتے وقت اپنے بزرگ سے ملنے گیا۔ انہوں نے کہا کہ وہاں کے اللہ کو میرا اسلام کہہ دینا۔ اس نے کہا جی وہاں کا اللہ کیا اور ہوتا ہے؟ بولے جب وہاں کا اللہ اور نہیں ہوتا تو پھر یہاں کے اللہ سے تو ناراض ہو کر کیوں جا رہا ہے۔ اللہ تو ہر جگہ ایک ہی ہے۔ تو مدعا یہ ہے کہ جب آپ دیکھتے ہیں کہ آپ گھر سے اللہ کے لیے نکلے ہیں، سفر کر رہے ہیں تو اکثر آپ یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر تو حالات ٹھیک نہیں ہیں حالانکہ آپ اس وقت بھول جاتے ہیں کہ آپ اللہ کے لیے نکلے ہیں اور اللہ دیکھ رہا ہے، تو جو اُس نے ہمیں دینا ہے وہ ضرور دے گا۔ تو آپ اپنا عمل جاری رکھیں اور نتیجہ خود نہ نکالنا۔ نتیجے پر آپ غلطی کر بیٹھتے ہیں حالانکہ عمل صحیح ہوتا ہے۔ نتیجہ آتا ہے تو پھر کہتے ہو کہ یہ تو کوئی ہماری غلطی ہوگی تب ہم پر یہ مشکل

آ گئی ہے حالانکہ لوگوں پر اتنی مشکل آ جاتی ہے۔تو ایسا ہوتا ہے کہ جب اللہ راضی ہوتا ہے تو تکلیف دے دیتا ہے۔مثلاً کسی پر راضی ہوا تو اس کا بیٹا لے گیا جس پر اللہ راضی ہو گیا اُس کو غم دے دیا' اُس کو تکلیف دے دی' اس کو آنسو دے دیے۔ کہتا ہے اقبالؒ پر اللہ بڑا راضی ہے' اور وہ روتا ہی چلا گیا ساری عمر۔اللہ راضی جو ہو گیا اس پر۔تو اللہ جب راضی ہو جائے تو پھر کیا ہو جاتا ہے؟ پھر آنسو شروع ہو جاتے ہیں' کیونکہ اللہ راضی ہو گیا اور ناراض ہو جائے تب بھی آنسو شروع ہو جاتے ہیں۔اب یہ جو ہے یہ آپ کو سوچنا ہے کہ رضا کے آنسو کون سے ہیں اور ناراضگی کے آنسو کون سے ہیں۔یہ آپ کے عقیدے کی بات ہے۔اگر آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ ہر حال میں اللہ پر بھروسہ قائم ہے اور آپ جانتے ہیں کہ ہر چیز اللہ کی طرف سے ہے تو آپ کے لیے یہ رحمت کا باعث ہے۔دو طرح کے آدمی ہوتے ہیں۔ایک تو یہ سمجھتے ہیں کہ یہ میں نے حاصل کر لیا اور دوسرا کہتا ہے کہ یہ اللہ نے مجھے عطا فرما دیا۔وہ اُسے کہتا ہے تمہیں تو کوشش کے ذریعے حاصل ہوا تو وہ کہتا ہے کوشش بھی اللہ نے عطا کی اور نتیجے بھی اُس نے دیے اور اُس کو Enjoy کرنے کی صلاحیت بھی اُسی نے دی۔کیونکہ میلہ تو آپ کا ختم ہو جانا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے بات کی کہ فرعون کے ساتھ کیا کیا جائے؟ اللہ نے کہا اُسے ہماری طرف رخصت کر دو۔انہوں نے پوچھا پھر کیا کروں؟ اللہ نے کہا پھر تم بھی آ جانا۔تو بات کیا بنی؟ بات یہی ہے کہ دنیا میں یہی کچھ بننا ہے کہ پہلے اُس کو بھیج دو پھر خود ہی آ جاؤ۔اگر آپ سمجھ لو تو پھر رہنا یہاں نہیں ہے کسی نے۔اس سے پہلے کہ آپ یہاں سے نکلو میں کہتا ہوں کہ خوشگوار ہو کے نکلو۔اس کا طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے آپ یہ فیصلہ کر لیں کہ اللہ تعالیٰ آپ پر رحم فرمائے اور آپ اللہ کو پورے رحم کے ساتھ' اس کی طاقت کے ساتھ مان لیں اور اپنے یقین

کو کمزور نہ کرنا۔ یہ نہ کہنا کہ یہ اللہ نے کیا کر دیا' وہ اللہ نے کیا کر دیا' اُس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے' میرے ساتھ کیا ہو رہا ہے' میری یہ خواہش نہیں پوری ہوئی' یہ دعا نہیں پوری ہوئی۔ تو یہ طریقہ نہیں ہے۔ بلکہ یہ کہنا کہ ہم اب چلے ہیں آپ کی طرف اور اب ہم آپ کی ہر بات مانیں گے۔ پھر ایک مقام آئے گا کہ جب وہ تمہاری بات مانے گا۔ تو آپ پہلے ماننا شروع کر دیں۔ ماننے والا بہت شور نہیں مچاتا۔ آپ کی یہ حالت نہ ہو کہ اگر آپ کو اللہ تعالیٰ کہیں مل جائیں تو یہ نہ کہنا کہ یا اللہ ہمارے دو چار کام ہی کر دیں۔ تو کام لینے کی بات نہ ہو بلکہ اس وقت صرف سجدے کی بات ہو اور یہ کہو کہ ہم آپ کا ہر حال میں کہنا مانتے ہیں۔ عربی کا بہت مشہور شعر ہے ؎

رضينا قسمت جبار فينا

لنا العلم و للجهال مال

ہم راضی ہیں اُس تقسیم میں جو جبار نے ہم میں کر دی کہ ہمارے لیے علم ہے اور جاہلوں کے لیے مال ہے۔ تو آپ کا مال جو ہے وہ فنا ہو جائے گا اور علم جو ہے وہ لازوال رہے گا۔ کچھ لوگ جن کو بظاہر ناکامی ہو رہی ہے اُن کے چراغ دیر پا جلیں گے۔ تو اللہ تعالیٰ کا بڑا عجیب و غریب ہی سلسلہ ہے کہ آپ یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بات مان لیں تو آپ کی ہر بات جو ہے وہ عجیب و غریب انداز سے پوری ہو جاتی ہے۔ آپ جانتے نہیں ہیں کہ وہ کس حد تک مسبب الاسباب ہے ......تو یہ جو وسیلے کی بات ہو رہی تھی تو کچھ لوگ دعا کو وسیلہ بناتے ہیں' بس آپ دعا مانگتے جانا اور اسے چھوڑنا نہیں' وہ مانے یا نہ مانے' تو دعا وسیلہ ہے' عبادت وسیلہ ہے' انسان وسیلہ ہے' آپ کا عمل وسیلہ ہے قرآن پاک وسیلہ ہے' کچھ لوگوں کو کچھ سمجھ نہیں آیا بس اللہ کا سفر ہی کرتے گئے' یہ بھی وسیلہ ہے' وہ صرف اللہ

کے حکم سے سفر کرتے گئے **فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین** کے حکم سے سفر کرتے گئے کہ اللہ کا حکم ہے کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھوٹوں کی کیا عاقبت ہوئی۔ تو یہ بھی وسیلہ ہے' تو وسیلے کو قائم رکھو۔ وسیلہ آپ کا یقین پختہ کرتا ہے۔ جب یقین پختہ ہو گیا تو اُس کے ساتھ ہی آپ پر اللہ کی رحمت ہو جاتی ہے۔ پختہ یقین ہی اللہ کا بڑا احسان ہے۔ آپ لوگوں کے یقین جو ہیں وہ اکثر دِقت میں آ جاتے ہیں۔ اس لیے اپنے یقین کو کمزور نہ ہونے دینا ...... اور کوئی سوال؟ ......

سوال:

یقین کیسے پختہ ہو سکتا ہے؟

جواب:

یقین کا پختہ ہونا اللہ کے فضل سے ہوتا ہے۔ یقین کی پختگی کو حالات کے مطابق Judge نہ کرو' اسے حالات سے الگ رکھو' یہ نہ کہنا کہ یہ کام ہو گیا' وہ کام ہو گیا۔ اگر سارے کام ختم ہو جائیں اور جب دنیا اور دنیا کی ضرورتیں نہیں رہیں گی' جب آپ کا آخری سانس ادا ہو رہا ہو گا' دنیاوی ضرورتیں ختم ہو رہی ہوں گی' اس وقت یقین کام آئے گا۔ تو آپ ابھی سے یقین کو اُس انداز سے دیکھیں اور دنیا اور دنیاوی ضرورتیں ختم کر دیں۔ تو اگر یقین سے دنیاوی انداز کا سوال نہ کرو تو پھر یہ پختہ ہو جائے گا۔ اس طرح سمجھو کہ جیسے تم دنیا سے مر چکے ہو۔ جب آپ یہ سمجھ لیں کہ ہم دنیا سے مر چکے ہیں تو پھر آپ یقین کو کیسے کہیں گے کہ میرا یہ کام کر کیونکہ کام دنیاوی ہے۔ تو دنیاوی آرزوئیں' دنیاوی شکست اور دنیاوی حاصل' دنیاوی محرومی' دنیاوی پیسہ اور دنیاوی غریبی' ان سب کو چھوڑ دو۔ دنیاوی سکھ دکھ سارے نکال دو۔ بس اپنے یقین کو اور پختہ کرو اور کہو کہ اب اللہ جو

ہے ہمارا یقین ہے۔ پھر آپ کا اللہ پر یقین جو ہے یہ پورے اعتماد کے ساتھ آپ کو ملے گا اور کامیابی سے ملے گا۔ آپ اس کو دنیاوی حالات سے نہ پرکھنا۔ دنیاوی حالات کے تو آپ خود ہی بادشاہ ہیں' جو کچھ حاصل ہوتا ہے تو لے لے اور حاصل نہیں ہوتا تو چپ کر جا۔ تو آپ بازار سے سودا خرید لو' پیسے ہیں تو خرید لو' نہیں ہیں تو پھر نہ خریدو۔ اس میں دقت والی بات تو کوئی نہیں ہے۔ اب یہ بحث نہ کرنا کہ لوگ کیا کر رہے ہیں' یہ کیا حالات ہیں' سیاست جب تک نہیں آتی جمہوریت جب تک نہیں آتی حالات یونہی رہیں گے۔ عقیدے والے انسان میں الجھاؤ نہیں ہوتا۔ آپ اللہ کی طرف اگر سفر کر رہے ہیں' اللہ کا بندہ بن کے سفر کر رہے ہیں تو چاہے جتنا الجھاؤ ہو مگر آپ کی نگاہ میں الجھاؤ نہیں ہونا چاہیے۔ جو مالک ہے وہ بہتر جانتا ہے اور اگر تُو مالک ہے تو پھر اپنی ملکیت ثابت کر مگر تیرے پاس تو ملکیت ہے نہیں اور نہ تو ثابت کر سکتا ہے' تُو اپنی مجبوریوں میں پھنسا ہوا ہے اور مجبور جو ہے وہ مالک نہیں ہو سکتا۔ اس لیے جو کچھ ہو رہا ہے تم اس کی پرواہ نہ کرو بلکہ تم اپنا سفر طے کرو۔ اگر کسی آدمی نے ظلم کر دیا ہے تو تم اُس کو دیکھو کہ کیا تم اُس کو دور کر سکتے ہو؟ کر سکتے ہو تو کر لو' دور نہیں کر سکتے تو اپنی مجبوریوں کو سامنے رکھتے ہوئے اُسے آخرت کے لیے چھوڑ دو۔ محاسبے کے دو طریقے اللہ نے بتائے ہیں' ایک تو یہ کہ کچھ لوگوں کا یہاں محاسبہ ہو جاتا ہے اور باقی لوگوں کے لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کا محاسبہ وہاں ہو گا۔ اورنگ زیب نے کسی درویش کا سر قلم کروا دیا تھا۔ درویش نے غصے میں اپنا سر آپ اٹھا لیا' ہاتھ میں سر لے کر شاہی مسجد دہلی کی سیڑھیاں چڑھنے لگ گیا اور پکارنے لگا ''انصاف' انصاف'' اس کے پیر صاحب نے کہا جو انصاف تُو مانگ رہا ہے اس کے لیے اللہ نے ایک الگ دن مقرر کیا ہے' ایک سپیشل دن' اس کا نام قیامت ہے' تُو آج

کیسے انصاف مانگ سکتا ہے؟ تو یہ انصاف جوتُو مانگ رہا ہے یہ قیامت کو ہونا ہے۔ اللہ نے کچھ لوگوں کو پیسہ دے کے آزمایا اور کچھ کو غریبی دے کے آزمایا' جس طرح اُس کے لیے پیسہ الجھن ہے اسی طرح تیرے لیے غریبی الجھن ہے' تُو غریبی کو اگر قبول کر لے تو تیرے لیے یہی دولت ہے' صرف پیسے کی بات نہیں ہے بلکہ ایمان کی بھی بات ہے۔ میں پہلے سے بار بار بتا رہا ہوں کہ رزق صرف یہی نہیں ہے کہ جیب میں پیسہ ہو بلکہ رزق یہ بھی ہے کہ دل میں ایمان ہو' آنکھ میں بینائی ہو' آپ کا ایمان چمک جائے تو وہ بھی رزق ہے مگر آپ ایک رزق یعنی پیسے کے پیچھے چلتے جا رہے ہیں کہ صرف یہی آپ کی ہر بیماری کا علاج ہے۔ مگر اللہ کو ماننے والا اللہ کو ہی مانتا جاتا ہے' وہ تکلیف میں اللہ کے اور قریب ہو جاتا ہے دکھ میں اور قریب ہو جاتا ہے اور سکھ میں اور قریب ہو جاتا ہے۔ تو اللہ کو ماننے والے ہر حال میں اللہ کو ماننے والے ہیں اور وہ کبھی اللہ سے دور نہیں ہوتے۔ اور نہ ماننے والا نتیجے نکالتا رہتا ہے کہ یہ کیا ہے' وہ کیا ہے؟ تو اللہ کے راستے میں بحث نہیں ہے۔ بحث جو ہے یہ وسوسے کا نتیجہ ہے اور وسوسہ جو ہے یہ یقین کی نفی ہے اور وسوسہ اگر آیا تو سمجھو کہ شیطان آ گیا۔ اس لیے اپنے ایمان کو' یقین کو' اُس وسوسے سے بچانا ہے۔ اس کو بچانے کا پہلا طریقہ یہ ہے کہ اپنے یقین کو حالات سے بے نیاز کر دو اور یقین کا ایک ایسا گواہ بنا لو جس کا یقین آپ سے بہتر ہو' تو کسی اور کو ساتھ ملا لو۔ اس لیے مل کے سفر کرتے ہیں لوگ' کیونکہ اس سے یقین پختہ ہو جاتا ہے۔ اور آپ دعا کیا کرو کہ اللہ تعالیٰ آپ کا یقین پختہ کرے' یہ کہو کہ یا رب العالمین میرا عقیدہ پختہ کر۔ درود شریف کثرت سے پڑھنا چاہیے' عقیدہ پختہ ہو جاتا ہے۔ عقیدے میں پیسہ اور فانی اشیاء نہ شامل کرنا کیونکہ یہ تو جلنے والی چیزیں ہیں جو جل جائیں گی جو باقی رہنے والی اشیاء ہیں اور باقی رہنے والے

اسماء ہیں اُن کے ساتھ اگر آپ وابستہ ہو جائیں گے تب عقیدہ باقی رہے گا اور اگر فانی ہونے والی چیزیں ملاؤ گے تو آپ کا عقیدہ بھی فنا ہو جائے گا۔ آپ کو پتہ ہونا چاہیے کہ فانی ہونے والی کیا چیزیں ہیں یعنی فنا بقا کا پتہ ہونا چاہیے مثلاً یہ کہ یہ ٹیبل جو ہے یہ فانی ہے' اگر تم یہ کہو کہ میرا عقیدہ اس سے وابستہ ہے تو آخر کار عقیدہ ٹوٹ جائے گا کیونکہ اس میز نے ٹوٹ جانا ہے اور اگر آپ کا عقیدہ جو ہے ان لوگوں سے وابستہ ہے جو ہر زمانے میں باقی رہتے ہیں تو آپ کا عقیدہ پختہ ہو گا۔ اگر آپ کا عقیدہ اُس سے وابستہ ہے جو ہمیشہ رہتا ہے تو آپ کا عقیدہ پختہ ہے۔ عقیدے کو تبدیل ہونے والے حالات کی زد سے بچاؤ تو آپ کا عقیدہ پختہ ہو گا۔ اس لیے یہاں یقین قائم ہو جاتا ہے۔ یقین قائم کرنا اور اُس کو محفوظ کرنا مشکل نہیں ہے' یقین کی حفاظت ہی اصل میں ایمان کی حفاظت ہے۔

یقیں پیدا کر اے غافل کہ مغلوبِ گماں تو ہے

اب آپ لوگ اور سوال کریں ...... پوچھیں ......

اگر کوئی سوال نہیں ہے تو پھر اب دعا کا وقت ہے۔ اب دعا یہ کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اپنے اُن محبوب لوگوں سے نسبت کا فیض دلائے جن پر اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے عطا ہونے والے یقین کی دولتیں نازل فرمائیں' آپ کا رابطہ اُن بزرگوں سے کرائے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اس بے یقین دنیا کے اندر اور اس بدلتی ہوئی دنیا کے اندر اپنے یقین کا چراغ جو ہے وہ جلتا ہوا رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ اپنی ذات پر آپ کے یقین کو محفوظ کرے اور آپ کی ذات پر آپ کے یقین کو محفوظ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ پر بڑی مہربانیاں کی ہیں' جہاں

کافر پیدا ہو رہا ہے وہاں آپ کو مومن پیدا کیا' تو یہ پیدائشی طور پر اس زندگی میں آپ کے اوپر مہربانی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ جو چھپکلیاں بناتا ہے' اس اللہ نے آپ کو انسان بنایا ہے' تو شکر ادا کرو۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر بڑی مہربانی کی ہے کہ جہاں کافروں کے لیے ایک عذاب مرتب ہو چکا ہے وہاں آپ کو مسلمان بنا کے اُس عذاب سے بچا دیا۔ تو یہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ تو ان مہربانیوں کا شکر کیسے ادا کرنا ہے؟ آپ اللہ تعالیٰ کو ہر حال میں یقین کے ساتھ ماننا۔ اس لیے دیکھنا یہ ہے کہ آپ پر اللہ کی طرف سے آسانی کیا ہو رہی ہے' آسانی صرف یہ ہے کہ حالات کو چھوڑ کر یقین کو قائم رکھو' حالات کے ساتھ کبھی وابستہ نہ کرنا یقین کو' حالات تیرے اپنے حالات ہیں اور یقین اُس کی عطا ہے۔ تو یقین کو محفوظ رکھو' یقین کو محفوظ کرو' ورنہ اگر تیرے حالات بہتر ہو جائیں' بیس ہزار روپیہ فوری طور پر دے دیا جائے تو پھر تم ایمان بیچ دو گے۔ پس آپ یہ کہیں کہ میں ہر حال میں وہی ہوں' غریب ہوں تب اللہ کا ہوں' امیر ہوں تب اللہ کا ہوں' اللہ ہنسائے تب میں اللہ کا ہوں' اللہ رُلائے تب میں اللہ کا ہوں۔ جس حال میں وہ مجھے رکھے' بس اللہ ہی کا بن کے رہنا ہے۔ تو آپ کا فیصلہ ہونا چاہیے۔ جب تم اللہ کے بن کے رہ گئے تو پھر تم نے تو اللہ کو قابو کر لیا۔ اب اللہ کیا کہے۔ مقصد یہ ہے کہ آپ کے لیے ہر حال میں اللہ' ہر بات میں اللہ' غریبی میں اللہ' امیری میں اللہ' دولت میں اللہ' سوتے میں اللہ' رات کو جاگ کے اللہ' بس اللہ ہی اللہ' تو پھر اللہ ہی اللہ ہے۔ اللہ ہی اللہ ہونا ہی اللہ ہی اللہ ہے۔

تو اس طرح آپ کے لیے بہت آسانی پیدا ہو جائے گی۔ آپ اپنے آپ کو قائم رکھیں۔ تو دعا میری یہ ہے کہ جو والدین ہیں اُن کو اولاد کی طرف سے سکھ نصیب ہو اور جو اولادیں ہیں اُن کو والدین کا فیض نصیب ہو۔ والدین کے

لیے ضروری ہے کہ اولاد کے لیے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اُن کی اولاد کو آسانیاں عطا فرمائے۔ آسانی جب عطا ہوتی ہے تو اولاد پر ماں باپ کا مرتبہ آشکار ہو جاتا ہے۔ تو آپ کے مراتب جو ہیں وہ آشکار ہو جائیں آپ کی اولاد پر۔ اور آپ پر اولاد کی محبت نازل ہو یعنی ماں باپ پر۔ جب ماں باپ کے دل سے اولاد کی محبت نکل جاتی ہے تو سمجھو اولاد بدقسمت ہو گئی کہ اُن کے دل میں محبت نہیں رہ گئی۔ اس لیے ماں باپ اولاد کو اس کے عمل سے Judge نہ کریں۔ اگر اولاد کا غلط عمل ہے تو بھی اسے محبت دیتے جانا۔ اور بس دعا کرتے رہنا کہ یا رب العالمین ہماری اولاد کو آسان راستہ دے، اُن پر مہربانی فرما۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے محبوبوں کے نقوشِ پاک کی خاطر اُن کا فیض عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ آپ پر بہت آسانی عطا فرمائے۔ تو ایک دوسرے کے لیے یہ دعا کیا کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنا فضل فرمائے۔ جو آپ کی آرزوئیں ہیں اور خواہشیں ہیں انہیں آپ دل میں رکھو اور دعا کرو۔ یا رب العالمین حاضرینِ مجلس کی دعا اور آرزو قبول فرما۔

صلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقه ونور عرشه افضل الانبیاء والمرسلین حبیبنا وسیدنا وسندنا وشفیعنا و مولٰنا محمد وعلیٰ آلهٖ واصحابهٖ اجمعین. آمین برحمتک یا ارحم الرحمین.

۲

۱ جناب کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ جو مجذوب ہوتے ہیں یہ شریعت کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں اور شریعت اُن پر لاگو نہیں ہوتی ' اس بارے میں کچھ فرمائیں۔

۲ کیا ایسے لوگوں کی پیروی کرنا چاہیے؟

۳ بعض اوقات دل اللہ سے مخاطب ہو جاتا ہے' ایسے میں ہم کیا کریں؟

۴ لیکن راستہ ہمیں سمجھ نہیں آ رہا۔

۵ سر یہ ہمہ حال نماز کیا ہوتی ہے؟

سوال :

جناب کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ جو مجذوب ہوتے ہیں یہ شریعت کے دائرے سے باہر ہوتے ہیں اور شریعت ان پر لاگو نہیں ہوتی' اس بارے میں کچھ فرمائیں۔

جواب :

شریعت سب پہ لاگو ہوتی ہے۔ کیا انہوں نے کبھی کہا ہے کہ شریعت ان پر لاگو نہیں ہوتی۔ ہر کلمہ پڑھنے والے پر شریعت لاگو ہوتی ہے چاہے وہ فقیر ہو' درویش ہو' ہوا میں اُڑنے والا ہو' چاہے پیدل چلنے والا۔ سب دائرۂ شریعت میں رہیں گے۔ اس میں کوئی Exception کوئی استثنا ہے ہی نہیں۔ کسی صاحبِ علم نے کبھی ایسا نہیں کہا۔ ہاں کچھ لوگ ہوتے ہیں جو محویت میں ہوتے ہیں یا سُکر میں ہوتے ہیں' ان پر بھی شریعت لاگو ہوتی ہے مگر عام آدمی اسے نہیں سمجھ سکتا۔ اللہ کی محبت بھی ایک کیفیت ہے' جو اس خیال میں گم ہو جاتا ہے وہ اس خیال میں غرق ہو جاتا ہے اس طرح کہ اسے وقت' زمان و مکاں یاد ہی نہیں رہتے۔ انہیں وقت پر نماز یاد نہیں رہتی' بعض لوگ زکوۃ سال کے بعد دیتے ہیں' کچھ لوگ جذبات میں اپنا آپ ہی دے دیتے ہیں۔ یہ سب درجے ہیں۔ اس

لیے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ لاگو نہیں ہے۔

سوال:

کیا ایسے لوگوں کی پیروی کرنا چاہیے؟

جواب:

اگر آپ دنیاوی مقصد کی خاطر Follow کر رہے ہیں تو یہ تو دو دفعہ غلط ہے' دنیاوی غرض کے لیے Follow کرنا غلط ہے۔ پہلے ہی دن سے آپ کو کہا گیا ہے کہ آپ شریعت کو Follow کرو' یہ کہہ دینا کیا کم ہے؟ آپ اللہ کے حکم کو Follow کرو' اللہ کے حبیب ﷺ کے حکم کو Follow کرو' اب اس کے بعد کسی اور کو Follow کرنے کی تمنا ہونی ہی نہیں چاہیے۔ ایسا پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ آپ کے پاس ایک Code ہے' اس کے مطابق چلو۔ پھر یہ دیکھنا چاہیے کہ پیروی کا مقصد کیا ہے' کیا اسلام کی پیروی کافی نہیں ہے؟ کیا اس کے علاوہ کوئی ضرورت پڑ گئی ہے' اب یہ بتاؤ کہ کیا ضرورت پڑ گئی ہے۔ اگر ضرورت کا تعلق دنیا سے ہے تو یہ غلط ہے' اگر اللہ کے راستے کی کوئی بات ہے تو وہ اللہ خود ہی بتا دے گا۔ پیروی صرف اسی کی ہوگی جو درمیان میں ہے' اللہ کی راہ میں ہے' سالک ہے۔ مجذوب کی پیروی کرنے سے آپ کو بات سمجھ نہیں آ سکتی۔ فرض کریں کوئی شخص اپنے بچے کو قربان کر کے مجذوب بنا ہے تو پھر اس کی پیروی کرنے کے لیے آپ کو بچے کی قربانی کرنی پڑے گی' اگر وہ جان دے کر مجذوب بنا ہے تو پھر آپ کو جان دینی پڑے گی۔ پھر وہ مجذوب زیادہ سے زیادہ آپ کو یہ دے سکتا ہے کہ اپنے جیسی زندگی دے دے' کیا یہ آپ کو منظور ہے؟ جب آپ وہ زندگی حاصل نہیں کرنا چاہتے تو پھر پیروی کس بات کی؟ ان لوگوں کی پیروی

کرو جن کی زندگی اور جن کی عاقبت آپ کو صحیح لگے' ان کی پیروی کرو جو آپ کی زندگی میں اصلاح پیدا کر سکیں۔ ان کی پیروی کرو جو آپ کو عافیت کا راستہ بتائیں' ان کی پیروی کرو جو آپ سے خواہشات کا بوجھ ہٹا سکیں' ان کی پیروی کرو جو زندگی کا سفر آسان کر دیں۔ آپ اپنی خواہش کی پیروی کرتے ہو اور اس کا نام کوئی ''بندہ'' رکھا ہوا ہے' یہ تو آپ نفس کی پیروی کر رہے ہیں۔ اس لیے پیروی کرنا جائز نہیں ہے جب تک مقصد واضح نہ ہو۔ کہتے ہیں کہ کسی بڑے کام کو بڑی دلیل کے بغیر مت شروع کرو۔ اللہ کو کسی ایسے اصول سے ڈھونڈنا جو اس کا بتایا ہوا نہ ہو' یہ تو پھر اس کے لیے بڑی دلیل چاہیے۔ مثلاً ایک شخص عبادت کے ذریعے اللہ تک پہنچا' یہ دلیل ہے' ایک آدمی شہادت کے ذریعے پہنچا' یہ دلیل ہے' کوئی شخص سخاوت کے ذریعے پہنچا' یہ دلیل ہے' ایک آدمی اتفاق سے پہنچ گیا' اب اس کی دلیل کوئی بھی نہیں ہے۔

اب آپ کس کی دلیل کے ساتھ' کس کے راستے سے' کس کے راستے پہ چلنا چاہتے ہیں؟ اسے کہتے ہیں پیروی' پیروی کے ساتھ فارمولا ضرور ہوتا ہے' یہ وہ فارمولا ہوتا ہے جو اس آدمی نے استعمال کیا ہوتا ہے' اب اس کی حالت دیکھ لو کہ پیروی کرتے ہوئے کہیں آپ اس جیسے نہ ہو جائیں۔ جن مجذوب لوگوں کی زندگی بظاہر بگڑی ہوئی ہے' ان کے سامنے آپ زندگی سنوارنے کی کیا بات کریں گے۔ جس آدمی نے اپنا سارا سرمایہ اللہ پہ نثار کر دیا ہو' اسے جا کے آپ کہتے ہیں کہ ہمیں مال دے دو۔ ایک آدمی جو اللہ اللہ کر رہا ہو وہ تمہیں لاٹری کا نمبر کیسے بتائے گا۔ ہوتا یہ ہے آپ غلط جگہ سے صحیح چیز مانگتے ہیں اور صحیح جگہ سے غلط چیز مانگتے ہیں' اس طرح آپ پریشان ہو جاتے ہیں۔ برے کام کرتے ہو' بری نیت

رکھتے ہو بُری منزلیں رکھتے ہو اور پھر اچھے راستے تلاش کر رہے ہو یہ تو آپ دو دفعہ غلطی کر رہے ہو۔ یہ تو خدا کے ساتھ ضد والی بات ہے۔ اب جو رشوت کے پیسے سے خدا کے گھر میں حج کرنے پہنچ گیا' یہ تو بغاوت ہے۔ اگر کوئی شوق والا ہو تو اس کی کہانی اور ہے کہ اے اللہ ہم جان لے آئے ہیں' جان دینے کے لیے تیار ہیں۔ اس لیے یہ ضروری ہے کہ اگر اللہ کی طرف جا رہے ہو تو اللہ کے احکام کے ذریعے جاؤ' اللہ کے محبوبؐ کے ذریعے جاؤ' یا اللہ کے محبوبوں کے ذریعے جاؤ۔ اگر اس کے علاوہ کسی راستے پر جا رہے ہو تو یہ غلط ہے۔ اگر کوئی شخص یہ کہتا ہے کہ مجھے اللہ کا راستہ ملا اور اللہ کے حبیبؐ کا ذکر نہیں کرتا ہے تو یہ گمراہی ہے۔ پرانے زمانے سے اسلام میں اس طرح کی Amendment کی بڑی کوششیں کی جا رہی ہیں جو کبھی کامیاب نہیں ہوئیں۔ مثلاً کوئی جھوٹا نبی آ گیا اور کہنے لگا کہ مجھے اب اللہ نے یہ حکم دیا ہے' مجھ پر تازہ نزولِ افکار ہوا ہے۔ اب یہ کس مقام پر کھڑا ہو گیا؟ نبی کے مقام پر۔ نیا نبی جب بھی آئے گا تو پچھلی نبوت کا دور خود بخود ختم ہو جائے گا۔ اب نیا نبی اس لیے نہیں آ سکتا کہ پچھلی نبوت کا دور ختم نہیں ہونا۔ ایک نبی جب آیا تو اس نے کہا کہ مجھ سے پہلے جو میرا بھائی آیا تھا' نبی آیا تھا' وہ صحیح تھا' لیکن اب یہ راستہ ہوگا۔ حضور اکرم ﷺ جب تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا کہ سب نبی صحیح ہیں لیکن اب ہم آ گئے ہیں اور یہ راستہ کبھی بدلنا نہیں ہے' اب اور کوئی نہیں آئے گا۔

اب کوئی بھی شخص ایسی بات کرے تو وہ جھوٹا ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ کل زلزلہ آئے گا' اگر زلزلہ آ جائے تو بھی وہ جھوٹا ہوگا۔ اگر وہ کہے کہ اللہ نے پرانا قرآن منسوخ کر دیا ہے' اب نیا قرآن آئے گا تو یہ بات بھی جھوٹ ہوگی۔ بس

یہ اسلام ہے۔ مسلمان کا کام اتنا ہے کہ آپ اپنا ماضی اور اپنے پُرانے قرآن کو محفوظ رکھو۔ یہ نہ کرنا کہ کوئی نیا قرآن بنا دو یا کوئی نئی شریعت نافذ کر دو۔ بڑے عرصے سے لوگوں کی کوشش ہے کہ شریعت میں کوئی Amendment کر کے اسے آسان بنایا جائے اور یہیں سے گمراہی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی چیزوں کو شریعت نے قبول نہیں کرنا کیونکہ شریعت کے اندر بہت Defence ہے۔ اسلام میں کسی قسم کی ترمیم یا تنسیخ کبھی نہیں ہو سکتی۔ ایسی گنجائش ہی نہیں ہے۔ اگر کوئی گورنمنٹ یہ کرے تو وہ خود منسوخ ہو سکتی ہے' اسی لیے حکومتی سطح پر کوششیں ہوئی ہیں کہ حدود آرڈی نینس میں تبدیلی کی جائے مگر ایسا ممکن نہیں ہوا۔ لوگوں نے بڑی کوششیں کی ہیں کہ اللہ کے کلام کو اپنی ضرورت کے مطابق Adjust کر لیں۔ ہر آدمی پہلے ایک آیت پڑھتا ہے' پھر جواز بناتا ہے اور اپنے لیے استعمال کرتا ہے اور پھر کچھ عرصے کے بعد خود چلا جاتا ہے۔

لہٰذا یہ سوچنا بھی گمراہی ہے کہ اسلام کے علاوہ کوئی اور راستہ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ صرف علم کا راستہ نہ تلاش کرو' عمل کا راستہ تلاش کرو۔ اگر آپ عمل کا راستہ تلاش کرو گے تو راستہ صرف ایک ہے اور وہ ہے شریعت کا راستہ۔ علم کے راستے سے ابہام اور مغالطے پیدا ہوں گے۔ اس شخص کے ساتھ رابطہ رکھو جو آپ کو عمل کی فقیری بتائے' علم سے بچو۔ علم وہی ہے جو آپ کے پاس موجود ہے۔

کمال کی بات یہ دیکھو کہ جو مجذوب بھی آئے انہوں نے خانقاہ کے باہر پہلے مسجد بنائی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ انہوں نے فیصلہ دے دیا کہ راستہ صرف شریعت کا ہے۔ اب پھر ان کی محویت اور کیفیت کے درجے ہیں۔ وہ مسلسل تہجد پڑھتے رہتے ہیں یا کسی اور شغل میں رہتے ہیں' یہ واقعات اور ہیں۔

اس لیے بہتر راستہ شریعت کا ہی ہے۔ اس میں کوئی ترمیم نہ کرو، کوئی کمی بیشی نہ کرو، جو اللہ نے فرمایا بالکل وہی رہنے دو، یہی بہت کافی ہے۔ پانچ نمازوں کا پابند ہونے کے لیے پوری زندگی درکار ہے۔ اگر پوری زندگی میں پانچ نمازوں کی پابندی ہو جائے تو یہ بہت بڑی بات ہے۔ جس کو پانچ نمازوں کی پابندی مل گئی ہو اسے چاہیے کہ چھٹی نماز شکرانے کی ادا کرے کہ یا اللہ تو نے مجھے اس زمانے میں نمازوں کی پابندی عطا کی ہے جب کہ لوگوں کو نماز کے Spellings بھی بھول گئے ہیں۔ باقی یہ کہ اللہ کا شکر ادا کرو۔ آدھی زندگی تو ہوش آنے سے پہلے گزر گئی ہے۔ جب زندگی گزارنے کا طریقہ سمجھ آ جاتا ہے تو اس وقت بقیہ زندگی بہت تھوڑی رہ چکی ہوتی ہے۔ جب زندگی ختم ہونے کو ہوتی ہے تو زندگی سمجھ آ جاتی ہے اور جب زندگی باقی ہوتی ہے تو سمجھ نہیں آتی۔ اس لیے کچھ باتیں اگر وقت پر سمجھ آ جائیں تو بہتر ہیں۔ اگر شریعت کا راستہ یہاں سمجھ نہیں آتا تو قبر میں ضرور سمجھ آ جائے گا۔

تو شریعت کے راستے پر چلنا ہی بہتر ہے، کوشش بھی کرو اور چلو بھی۔ علم حاصل کرنے کی بجائے عمل حاصل کرو۔ خدا کے لیے! خدا کو نہ چھوڑنا۔ مجذوب نے کسی سے کہا یہ کیا کیا، روزہ رکھ کے آ گئے ہو، اللہ سے ڈر گئے ہو کیا؟ اللہ کو کیا ضرورت ہے تمہارے کھانے یا نہ کھانے کی۔ یہ لوگ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہمیں تو اللہ نے فقیر بنا دیا، فقیر کا گناہ ثواب کوئی نہیں ہوتا۔ یہاں سے نقص پیدا ہوتا ہے۔ شریعت کا سارا نظام درہم برہم ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج آپ کو اسلام کی Definition نہیں آ رہی یعنی اسلام کی وہ تعریف کہ دس آدمی وہی کہیں۔ ہر آدمی یہاں ایک الگ توجیہہ بنائے ہوئے ہے، ہر آدمی اپنا

راستہ بتا دے گا۔ فرقہ در فرقہ بنتا چلا جا رہا ہے۔ جب آپ بچپن کے دنوں میں نماز پڑھتے تھے' وہی دن اچھے تھے۔ وہ دن اچھے تھے جب آپ کے ابا حضور تھے' پرانے لوگ تھے' جب غریبی تھی لیکن سکون تھا' جب پیسے کم تھے اور سکون زیادہ تھا۔ اب اور طرح کے دن ہیں' پیسے زیادہ ہیں اور سکون کم ہے' مسجدیں زیادہ ہیں اور نمازی کم ہیں۔ پہلے زمانے میں رشتہ دار باعثِ سکون ہوتے تھے اور آج کل باعثِ پریشانی۔ اب کسی سے ملنے جاؤ تو آگے سے ٹی وی لگا دیتے ہیں' وی سی آر لگا دیتے ہیں۔ ایک دفعہ ایسا ہوا کہ لوگ پنڈی سے اور کراچی سے اور دُور دُور سے لاہور آ گئے' کہنے لگے آپ سے ملنے آئے ہیں لیکن پتہ چلا کہ ٹی وی پر انڈین فلم ''پاکیزہ'' دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ اس جگہ تمہارا فارمولا کیا کرے گا۔ مثلاً یہ دیکھو کہ قوالی پہ لوگ جھوم رہے ہیں اور قوالی یہ ہے کہ ''یہ مسجد ہے وہ مندر ہے چاہے یہ مانو چاہے وہ مانو''۔ جب تمہارے معلم قوال ہو جائیں تو پھر تمہارا یہی حشر ہوگا۔ پرانے زمانے کا جو قوال ہوتا تھا وہ ''قول'' جانتا تھا' باوضو ہوتا تھا اور میرِ مجلس باشعور ہوتا تھا تو پھر محفل میں سرور اور نُور ہوتا تھا۔ اب تو وہ فنکشن ہی ختم ہو گیا۔ داتا صاحبؒ نے قوالی سننے کی یہ شرط بتائی ہے کہ اگر تین دن کا فاقہ ہو' کھانا بھی ہو اور قوالی بھی سننے کو ملے' اس وقت اگر قوالی سننا چاہو تو جائز ہے ورنہ قوالی اور کوے کی کائیں کائیں برابر ہے۔ داتا صاحبؒ کے عرس پہ جاؤ تو عجیب و غریب سماں ہوتا ہے' ابھی قوال من کنت مولا شروع کرتا ہے اور لوگوں کے پاس نوٹوں کی تھیلیاں کھولنے کا وقت ہی نہیں ہوتا' بس پھینکنا شروع کر دیتے ہیں۔ اگر ان سے پوچھو کہ من کنت مولا کا کیا مطلب ہے تو کہتے ہیں بس چُپ کر جاؤ۔ نہ کسی کو سمجھ ہے نہ کسی کو پتہ۔ مشائخ کرام نے بھی تماشہ لگایا ہوا

ہے، ہر ایک کو بیٹا دیتے جا رہے ہیں، پکی خبریں دیتے ہیں اور آگے سے کچی خبر نکل آتی ہے، ہر آدمی صرف Gathering بناتا جا رہا ہے۔ یہ واقعہ اس لیے ہوا پڑا ہے کہ اب عمل کی فقیری ختم ہو گئی ہے، علم کی فقیری، بیان کی فقیری رہ گئی ہے۔

بات بڑی آسان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اللہ کو مانو، اللہ کے حبیبؐ کو مانو، قرآن کو مانو، زندگی میں اپنا عمل درست کرو، یہ کھانے کے آداب ہیں، یہ سونے کے آداب ہیں، یہ زندگی کے آداب ہیں، اس کے بعد زندگی ختم ہو جائے گی جس طرح تم سے پہلے لوگوں کی ہوگئی، فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین انہیں کہہ دیجیے کہ زمین کی سیر کرو اور دیکھو کہ جھوٹے لوگوں کی کیا عاقبت ہوئی۔ جس طرح پہلے لوگ ختم ہو گئے تم نے بھی چلے جانا ہے۔ ویسے بھی دس بیس سال بعد تمہارے چہرے خود بخود بدل جاتے ہیں۔ آپ ایک گروہ کے ساتھ اگر چلو تو کچھ عرصہ بعد ہجوم تو ویسا ہوگا مگر وہ چہرے سب بدل جائیں گے۔ شہر پھیلتے جا رہے ہیں مگر قبرستان اُتنے ہی رہتے ہیں۔ یہ کیا راز ہے؟ بس چُپ ہی ہو جاؤ۔ قبرستان پھیلتے نہیں بلکہ گہرے ہوتے جاتے ہیں! اللہ کے پاس جاؤ گے تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کرنا ہے کہ تمہاری زبان بند کر دے گا تا کہ فضول بول نہ سکو۔ تب تمہارے اعضاء اور جوارح تمہارے خلاف گواہی دینے پر مائل اور قائل ہو جائیں گے۔ اس وقت تمہاری صحیح گواہی نکلے گی جب تمہارا بیان تمہاری زبان کے علاوہ ہوگا۔ خدا کے لیے اپنے آپ پر اور اپنی عاقبت پر بھروسہ کرو، وقت بالکل تھوڑا ہے، جس طرح پچھلا وقت گزر گیا اگلا بھی اسی طرح گزر جائے گا۔ اگر یہاں بھی زندگی مشکل گزار رہے ہو اور آگے بھی مشکل پیش آنی ہے تو پھر آپ بڑی مشکل میں ہیں۔

اس لیے اگر یہاں کی اصلاح نہیں ہو رہی تو وہاں کے لیے سوچو۔ علم سے بچو اور اللہ کے راستے کا عمل سیکھو' اس کے لیے دعا کرو۔

علموں بس کریں او یار

اکو الف تیرے درکار

اللہ اللہ کیا کرو' اللہ جو چاہتا ہے وہ کرو۔ اللہ فرماتا ہے کہ میں تو درود بھیجتا رہتا ہوں' میرے فرشتے بھی درود بھیجتے رہتے ہیں۔ اگر اللہ کا یہ عمل ہے تو تم بھی یہی اختیار کرو۔ عمل کے بغیر کچھ نہیں بنے گا۔ بابا' سائیں' درویش یا فقیر تمہیں عمل کے بغیر کچھ نہیں دے گا۔ تمہیں کون دے گا؟ تمہارا وہ عمل جو تمہارے ہاتھ سے سرزد ہو جائے۔ عمل کر لو۔ سب سے اچھا عمل یہ ہے کہ تم شریعت کے راستے پر چلو۔ بحث کو ختم کر دو۔ بحث یہاں تک ہے' آگے بحث ختم ہو جائے گی۔ جب مشاہدہ ہو جائے تو بحث کہاں رہے گی۔ مشاہدہ صداقت ہے اور سب سے بڑی صادق القول اور صادق الوعد ذات حضور پاک ﷺ کی ہے۔ جو حضورؐ نے فرمایا ہے آپ اس پر عمل کرو۔ لوگوں کے اعمال کبھی نہ دیکھو' اپنا عمل کرتے جاؤ۔ جس راستے کو آپ خفیہ راستہ کہتے ہیں' اس راستے کا تو فارمولا ہے ہی نہیں۔ اس لیے آپ Sincerely خلوص سے عمل کرتے جاؤ۔ عمل آپ سے اس لیے نہیں ہوتا کہ ؎

اک پاؤں ہے زمینِ ہوس میں گڑا ہوا

اک پاؤں ہے سمندِ اجل کے رکاب میں

تمہارا ایک پاؤں ہوس کی زمین میں گڑا ہوا ہے اور دوسرا موت کے گھوڑے پر سوار ہے' گھوڑا لے کے چلا جا رہا ہے' ہم نہ اِدھر چھوڑ سکتے ہیں نہ اُدھر۔ اگر ہوس نہ ہو' خوف نہ ہو' لالچ نہ ہو اور دنیا بنانے کا خیال نہ ہو تو پھر عمل پیدا ہو جائے گا۔

اگر نیک عمل کے راستے میں مصروفیت رکاوٹ ہے تو یہ غلط خیال ہے۔ مصروفیت بھی ایک عمل ہی تو ہے۔ اب جس کے پاس نیک عمل کے لیے وقت نہیں، دراصل اس کی مصروفیت غلط ہے، ایسی مصروفیت جو نیک عمل کو روک رہی ہے۔ آپ نے اپنے عمل کی اصلاح کرنی ہے، بے عمل تو آپ رہ نہیں سکتے۔ گھر سے باہر نکلیں، باغ میں ٹہلیں یا کچھ اور کریں، یہ عمل ہی تو ہے۔ اگر نیک عمل نہیں ہو رہا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ غلط عمل نے اس کا راستہ روکا ہوا ہے۔ اب آپ غلط عمل کو نکال دو، غلط جواز کو نکال دو، غلط مصروفیت کو نکال دو۔ آپ خود ہی کیس بنتے ہو، خود ہی وکیل بنتے ہو، خود ہی منصف بنتے ہو اور خود ہی سزا لے کے ایک طرف کھڑے ہو جاتے ہو۔ اس لیے آپ خود اپنا فیصلہ کرو کہ جس راہ پر آپ چل رہے ہو اگر یہ راہ اللہ کی طرف جاتی ہے تو پھر آپ کا عمل صحیح ہے۔ اگر یہ راہ اللہ کی طرف نہیں جا رہی تو اس راہ سے بچنے کی کوشش ضرور کرو۔ آپ کے لیے عمل کرنا بہت آسان ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا یاایھاالانسان انک کادح اے انسان تو ہے ہی کام کرنے والا۔ یہ بات انسان کو بنانے والا خود فرما رہا ہے کہ تو محنتی پیدا کیا گیا ہے، یہ تیری جبلت ہے۔ بلکہ کائنات کا ذرہ ذرہ محنت کرتا جا رہا ہے۔ چھوٹی سی چیونٹی دیکھو، چلتی ہی جا رہی ہے۔ کہتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ حریص شے چیونٹی ہے، ایک چیونٹی نے کبھی دوسری کا حال نہیں پوچھا، بس خوراک اٹھاتی ہے اور چلتی جا رہی ہے۔ جواری اور شرابی اپنے اپنے کام میں بہت زیادہ محنت کرتے ہیں، کچھ لوگ دوسروں کو پریشان کرنے کے لیے بڑی محنت کرتے ہیں، پیسہ ضائع کرتے ہیں اور دوسرے کو پریشان کرتے ہیں۔ ایسی صورت میں سکون کہاں سے ملے۔ ایک تھا کتا اور ایک تھا بیل۔ بیل کھرلی سے گھاس کھاتا تھا اور کتا

وہاں بیٹھ کر بھونکنے لگ جاتا تھا۔ کسی نے کتے سے پوچھا یہ گھاس تو تیرے کام کی نہیں ہے' تو کیوں بھونکتا ہے؟ کہنے لگا جب یہ کھاتا ہے تو مجھے بڑی تکلیف ہوتی ہے...... مسلمانوں کا اصل پرابلم یہ ہے کہ خود کھا نہیں سکتے اور دوسرے کے کھانے سے تکلیف ہوتی ہے۔ سیاست میں زیادہ تر لوگ اس لیے پریشان ہیں کہ سارا مال ہی اس کا مخالف کھا گیا۔ بے مقصد قسم کی پریشانی اور نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر کوئی مکان بنا لے تو دوسرے خواہ مخواہ پریشان ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کا تعلق ہی نہیں ہوتا۔ کسی نے پوچھا کہ بارش کا فائدہ کیا ہے اور نقصان کیا ہے؟ کہتا ہے بارش کا فائدہ یہ ہے کہ یہ ہمارے کھیت پہ برستا ہے اور نقصان یہ ہے کہ ساتھ والے کے کھیت پہ بھی برستا ہے۔ بس لوگوں کو اتنی بے سکونی ہے کہ کسی کو سکون میں بھی نہیں دیکھ سکتے۔

اس لیے میں کہتا ہوں کہ آپ عمل کے راستے پر چلتے جاؤ' بس چلتے جاؤ' آپ کسی کو جواب دہ نہیں ہو۔ صحیح عمل اختیار کرو تا کہ غلط عمل نکل جائے۔ اپنے عمل کا جائزہ لو۔ آپ بے عمل نہیں رہ سکتے۔ کوئی آدمی بے عمل نہیں رہ سکتا۔ عمل جب غلط ہو جاتا ہے تو آپ پریشان ہو جاتے ہو۔ لوگ اس لیے کماتے ہیں کہ زندہ رہ سکیں اور اس لیے زندہ ہیں تا کہ کما سکیں۔

اور سوال بولو...... جلدی جلدی بولو......

سوال:

بعض اوقات دل اللہ سے مخاطب ہو جاتا ہے' ایسے میں ہم کیا کریں؟

جواب:

اللہ تعالیٰ سے بات چیت ضرور کیا کرو لیکن اگر تم یہ سمجھو کہ آج اللہ سے

بات ہو گئی ہے تو اس سے پرانا راستہ منسوخ ہو گیا ہے تو یہ تو گمراہی ہے۔ مثلاً آپ کو اللہ تعالیٰ کا قرب مل گیا اور آپ نے کہہ دیا کہ اب شریعت والے راستے کی ضرورت نہیں رہی تو یہاں سے گمراہی پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ سے جو بات چیت ہے وہ پرانے راستے کے علاوہ نہیں ہونی چاہیے۔ ایک بزرگ کی محفل میں جانے والا ایک مرید کچھ عرصے کے لیے محفل سے غائب رہا۔ کچھ عرصہ بعد جب بزرگ کی محفل میں وہ شخص آیا تو انہوں نے پوچھا کہ کہاں رہے ہو؟ کہنے لگا کہ آپ نے جو دعا کی تھی اس کی مہربانی سے روزانہ رات کو ایک بزرگ آتے ہیں اور مجھے لے جاتے ہیں اور باغوں میں سیر کراتے ہیں۔ بزرگ نے فرمایا کہ یہ کیسی میں نے دعا کی کہ تُو محفل سے بھی غائب ہو گیا' آج رات جب وہ بزرگ تمہیں باغ میں لے جائے تو یہ لفظ پڑھنا۔ رات کو وہ بزرگ اسے لے گیا' باغ میں پہنچے تو اس نے وہ لفظ پڑھا۔ کیا دیکھتا ہے کہ وہاں تو صرف گندگی کا ڈھیر ہے۔ اس میں راز کیا تھا؟ اللہ نے فرمایا ہے کہ لوگ جو ہمارے ذکر سے غافل ہو گئے ان پر ایک شیطان مسلط کر دیا جاتا ہے اور وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ راہِ راست پر جا رہے ہیں۔

اس لیے شریعت کے پرانے راستے کبھی نہ منسوخ سمجھنا۔ یہاں سے گمراہی پیدا ہو جائے گی۔ پرانے معتبر راستوں کی تقلید ہی صحیح راستہ ہے۔ اللہ کے ضرور قریب ہو جاؤ' بات چیت بھی کرو مگر راستہ وہی پرانا ہے۔ یہ خیال رہے کہ راستہ وہی ہے۔ یہ نہ ہو کہ آپ اپنے نفس کی آواز کو خدا کی آواز سمجھ بیٹھو۔ ایک آدمی نے واقعہ کربلا سنا تو اس کے دل میں شہید ہونے کی آرزو پیدا ہو گئی۔ وہ کمرے میں چلا گیا اور چاقو مار بیٹھا۔ بعد میں لوگوں نے پوچھا تو بولا کہ میں بھی شہید ہونا چاہتا تھا۔

شہادت بھلا طلب کرنے سے ملتی ہے؟ خود کرو گے تو خودکشی کہلائے گی، اللہ مانگے اور جان دے دو تو یہ شہادت کہلائے گی اس لیے یہ خیال رکھنا کہ کبھی اللہ کی طرف محویت ملنا شروع ہو جائے تو اس سے کوئی پرانا رستہ منسوخ نہ سمجھ بیٹھنا۔ حضرت محبوب الٰہیؒ نے فرمایا ہے کہ حال کے وقت درویش کو پاؤں کے نیچے آ جانے والی پتی سے بھی باخبر ہونا چاہیے۔ اگر وہ غافل ہے تو یہ حال نہیں ہے بلکہ ''بدحالی'' ہے۔ آج کل قوالی میں عجیب حال ہوتا ہے، پیسے دیتے جا رہے ہیں اور پتہ نہیں کیا کیا کرتے رہتے ہیں۔ اسلام کا ڈرامہ اور ڈرامے کا اسلام۔ ان باتوں سے آپ بچو۔ آپ نے پوری کی پوری تقریب ہی ضائع کر دی۔ کافی ملاوٹ ہو گئی ہے۔

سوال:

لیکن راستہ ہمیں سمجھ نہیں آ رہا۔

جواب:

راستہ کہتے ہیں ''طریق'' کو۔ پہلے ایک رفیقِ طریق ہونا چاہیے۔ ایک ''جوڑی وال'' لے لو، ہم سفر لے لو۔ اگر آپ کو دس کروڑ مسلمانوں میں کوئی شخص ایسا نہیں مل رہا جو آپ کا رفیق بن سکے تو گمراہی تو یہاں سے شروع ہو گئی۔ کہتے ہیں ناں کہ ہم زیارتوں پہ چلے ہیں تو ایک آدمی ساتھ لے لو۔ ایک آنکھ کچھ دیکھتی ہے، دو آنکھیں ذرا زیادہ دیکھتی ہیں۔ پھر اس کے بعد آسانی ہو جائے گی۔ شریعت کا جو مصدقہ راستہ ہے اس پر چلتے رہا کرو۔ کہیں پیچھے رہ جاؤ تو استغفار کر لیا کرو۔ یہ جو قرآن مجید ہے، یہی قرآن ہے، اس کو پڑھا کرو، معانی سمجھ نہ آئیں تو بھی پڑھا کرو، جہاں موقعہ ملے قرآن مجید سنا کرو، سننا اور اچھا ہے، سننے سے کیفیت

مل جائے گی، راستہ مل جائے گا' جہاں مسجد دیکھو نماز ادا کر لیا کرو' جہاں خانقاہ یا مزار دیکھو وہاں فاتحہ پڑھ لو اور کہا کرو کہ "آپ مرنے کے بعد بھی اتنے معتبر ہیں' دعا کریں کہ اللہ ہمیں بھی خیریت سے رکھے"۔ اپنے گھر جاؤ تو دعا کرو کہ یا اللہ اس گھر میں جو مجھ سے پہلے رہتے تھے ان کی روحوں کو خیر میں رکھ اور جب میں چلا جاؤں گا تو یہاں میری اولاد کو آسانی میں رکھنا۔ اور جب پیسے آ جائیں تو کچھ اللہ کے لیے خرچ کر دو اور کچھ رکھ لو۔

تمہاری نیکی یہ ہے کہ بزرگ سے بزرگی نہیں لینی بلکہ بزرگ کی خدمت کرنی ہے۔ جہاں کوئی بزرگ ملے یا خانقاہ ملے آپ اس کی خدمت کرتے جاؤ۔ اس طرح تمہارا مسئلہ آسان ہو جائے گا۔ گمراہی بھی اسی دنیا میں ہونی ہے اور اللہ کا راستہ بھی یہاں سے ہی ملنا ہے۔ ایک شخص اگر بازار میں گیا اور نظر صاف لے کر واپس آ گیا' اس کا راستہ نیک ہو گیا حالانکہ اس نے کچھ بھی عمل نہیں کیا۔ یعنی کوئی شخص بدی کے راستے سے گزرا اور دامن سمیٹ کے آ گیا تو نیک ہو گیا ...... اس دنیا میں جہاں گمراہی ہو رہی ہے' گمراہ نہ ہونا نیکی ہے۔ پیغمبر بازاروں میں بھی پیغمبر ہوتا ہے۔ ولی بازاروں میں بھی ولی ہوتا ہے' شہر کا ولی شہر کے کچے یا پکے مکان میں پیدا ہوتا ہے' شہر کی گلیوں بازاروں سے گزرتا ہے' اچھا بندہ ہر جگہ اچھا بندہ ہے' اللہ کا بندہ ہر جگہ اللہ کا بندہ ہے۔ گزرنا تم نے اپنے "اندر" سے ہے' باہر سے تو گزرنا ہی نہیں ہے' باہر کا ماحول سارا تیرے اندر کا ماحول ہے۔ بد آدمی بد عمل نہ کرے تب بھی بد ہے۔ نیک آدمی نیکی نہ کرے تب بھی نیک ہے۔ نیکی تیرے دل کا نام ہے' تیرے اندر کا نام ہے' تیرے باطن کا نام ہے' تمہاری نیت کا نام ہے' نیت اللہ کے فضل کا نام ہے۔ صاحبِ فضل

جہاں ہے وہیں صاحبِ فضل ہو گیا' چوروں کے اندر بیٹھا بھی قطب کہلا سکتا ہے' مسجد کے اندر یا خانہ کعبہ کے اندر جا کر تو خدا کا دشمن ہوسکتا ہے۔ دل کے اندر خانہ کعبہ نہ ہوتو تو خانہ کعبہ میں کیا پہنچا' بات دل کے اندر کی ہے' باہر کا سفر دراصل اندر کا سفر ہے۔ اس جگہ آ کر لوگ پریشان ہو جاتے ہیں' وہ دراصل باہر کا سفر کر رہے ہوتے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھو کہ خیال تمہارا کیسا ہے' نیت تمہاری کیسی ہے' عمل تمہارا کیسا ہے' تمہارے اندر اخلاص کتنا ہے' مروت کتنی ہے' خدا کو ماننے کی صلاحیت کتنی ہے' زندگی سے نجات پانے کی کتنی تمنا ہے......

وہ شخص جس کے کئی گھنٹے وی سی آر میں ضائع ہو رہے ہیں' نگاہ خراب ہو رہی ہے' دل خراب ہو رہا ہے' وہ کہتا ہے کہ میں اکیلا گمراہ تو نہیں سارا شہر ہی گمراہ ہوا پڑا ہے۔ تو نے اپنے آپ کو بچانا ہے۔ گمراہی کے زمانے میں اگر ایک شخص بھی گمراہی سے بچ جائے تو عین ممکن ہے سارے لوگ ہی گمراہی سے بچ جائیں۔ وہ آدمی آپ کیوں نہیں بن سکتے۔ اپنی زندگی اور اپنی عبادت کا تضاد مٹا دو۔ مسجد میں تم آنکھوں میں آنسو لیے یا اللہ یا اللہ کرتے ہو اور مسجد سے باہر آ کے اللہ کو بھول جاتے ہو۔ مسجد میں ہو یا بازار میں' تمہارے دل میں اللہ ہونا چاہیے۔ بازار میں جا رہے ہو' جہاں نماز کا وقت ہو جائے' ساتھ والی مسجد میں داخل ہو جاؤ۔ مسجد سے آپ آزاد نہیں ہو سکتے۔

ایک بزرگ کو ایک اور بزرگ صورت شخص ملا اور کہنے لگا کہ اللہ نے آپ کی نمازیں قبول فرمالی ہیں اور اب حکم دیا ہے کہ آج سے آپ نماز سے آزاد ہو۔ بزرگ نے فرمایا کہ تو لعین ہے دور ہو جا اے شیطان مردود! شیطان نے کہا آپ نے مجھے کیسے پہچان لیا جب کہ میں بزرگ صورت میں آیا ہوں؟ انہوں

نے فرمایا کہ میں نے اس طرح پہچانا کہ اگر اللہ کے حبیب ﷺ پر نماز معاف نہیں تو میں کون ہوں۔

آپ جتنی اللہ سے لگن لگاؤ' اللہ آپ سے قریب ہوگا۔ اگر نیا راستہ نکالنا ہے تو ضرور نکالو لیکن راستہ پرانے راستے سے متصادم یا متضاد نہ ہو۔ پانچ نمازیں تو ضرور پڑھو' چھٹی یا ساتویں پڑھنی ہے تو وہ بھی پڑھ لو۔

سوال:

سر یہ ہمہ حال نماز کیا ہوتی ہے؟

جواب:

ہمہ حال نماز کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہے اور ایک آدمی نماز سے باہر ہے' اگر آپ کو مسجد میں یہ خیال آئے کہ اس وقت مسجد میں' بڑا دل لگ رہا ہے لیکن کام بھی کرنا ہے اس لیے میں جا رہا ہوں۔ دوسری کیفیت یہ ہے کہ دنیا کے کام میں مصروفیت کے دوران خیال آ جائے کہ نماز پڑھنی ہے تو مسجد چلیں۔ ان دونوں کیفیات میں فرق ہے۔ ایک کیفیت یہ ہے کہ نماز میں سے اللہ کے حکم کے مطابق دنیا کے کام کے لیے وقت نکالنا اور دوسری یہ کہ دنیا میں سے نماز کے لیے وقت نکالنا۔ نماز میں سے اللہ کے حکم کے مطابق وقت نکالنا یہ نماز قائم کرنا ہے۔ تو آپ نماز کی کیفیت میں رہو بلکہ حالتِ نماز کا مطلب ہے کہ روبرو ہونا' ہو بہو نہ بھی ہوں تب بھی روبرو رہنا کہ جس طرح آپ دعا مانگتے ہوئے سمجھتے ہو کہ اللہ نماز میں قریب ہے تو جب آپ باہر بازار میں ہوں تو بھی یہ سمجھیں کہ اللہ قریب ہے اور وہاں بھی آپ کا رابطہ وہی ہو تو بازار کا عمل جو ہے وہ نماز کے خیال کے برابر ہو۔ تو جب آپ نماز میں کہتے ہو کہ

میرے ماں باپ پر رحم کر تو جب اصلی ماں باپ آپ کے ساتھ رہتے ہیں تو آپ ان پر رحم نہیں کرتے' تو اللہ کیا رحم کرے گا۔ آپ نماز میں دعا مانگتے ہو کہ یا اللہ میری اولاد کو نماز سکھا اور نماز پر مجھے بھی اور ان کو بھی قائم کر دے اور جب زندگی میں اولاد آپ کے قریب آتی ہے تو آپ انہیں نماز نہیں سکھاتے ہو۔ مطلب یہ کہ آپ نماز خود قائم نہیں کرتے اور نہ اپنی اولادوں کو قائم کرواتے ہو۔ تو دعا کا مقصد یہ ہے کہ آپ کوشش کرو۔ کہیں آپ فیل ہو جائیں تو پھر دعا کام آئے گی۔ ایسے تو نہیں ہونا چاہیے کہ آپ خانقاہ کی بجائے کسی اور نامناسب جگہ پر بیٹھے ہوں اور کہیں کہ یا اللہ مجھے اپنے نیک بندوں میں شامل کر دے۔ تو اس میں حالات اور ماحول کا بھی فرق ہوتا ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اچھی جگہ پر رہو اور نورانی مقامات پر رہو۔ جہاں جہاں نور کی چمک دمک ہے وہاں اس کے قریب رہو۔ جس جس جگہ پر اللہ کا فضل ہوا اس اس جگہ پر رہا کرو۔

تو اس بات کا خلاصہ یہ ہوا کہ آپ اپنے دور میں یا ہم اس دور میں فیصلہ کر رہے ہیں کہ جو راستہ اللہ تعالی کا' اللہ کے حبیب ﷺ کے ذریعے امت کو ملا' راستہ وہی صحیح ہے۔ اس کے علاوہ شوق کی راہیں ہیں' چلتی جائیں' جتنا جتنا جس کا شوق ہے وہ چلتا جائے' یہ راستہ منسوخ نہیں ہوگا۔ آپ بازار میں جاؤ تو اللہ کے خیال میں جاؤ' جاگو تو اس کے خیال سے جاگو' سونے لگو تو اس کے خیال میں سو جاؤ۔ آپ محنت کر رہے ہو تو اس کا نتیجہ بھی اللہ کے حوالے کر دو اور اللہ ہی کے لیے محنت کرو۔ سارے واقعات اللہ کے لیے کر دو اور آپ کا مقصدِ حیات اللہ کا قرب ہونا چاہیے۔ تو اللہ کے قرب کا مطلب اللہ کے مقربین کا قرب' اللہ کے مقربین میں پہلا نمبر جو ہے وہ اللہ کے حبیب پاک ﷺ کی ذاتِ گرامی ہے' پھر آپؐ کے

مقربوں کی ذات ہے اور پھر آپؐ کے مقربوں کے مقربوں کی ذات ہے۔ جہاں کہیں ذرا خیال آ جائے کہ یہ بندہ اللہ کے قریب ہے آپ اس کے قریب ہو جاؤ اور اس کی زبان سے اپنے حق میں اچھے کلمات کہلوا لو۔ اور پہلا کلمہ آپ کا یہ ہو کہ جی دعا کریں اللہ تعالیٰ مجھے معاف کر دے' اور یہ کہلوا لینا چاہیے بلکہ آپ ہی کہنا چاہیے کہ یا اللہ مجھے معاف کر دے 'وہ اعمال جو میں نے غلط کیے اس کی معافی اور وہ صحیح اعمال جو میں نہیں کر سکا اس کی معافی' جو میں نے کیا اور غلط ہو گیا اس کی معافی اور جو صحیح کام تھے اور میں نہیں کر سکا اس کی بھی معافی' اور آئندہ کے لیے مجھے اپنا راستہ دکھا' اپنی امان کی راہ' اپنے فضل کی راہ تا کہ ہم تیرے ساتھ' تیری ہی راہ میں' تیرے ہی لیے سفر کریں اور ہمیں اس راستے کا کوئی دوست عطا فرما جو تیرے راہ کا مسافر ہو اور اس سے ہمیں آسانی ہو جائے گی۔ تو آپ لوگ یہ دعا کیا کریں۔

اللہ تعالیٰ اس دَور کے تضاد اور فساد سے آپ کو بچائے' تضاد کا مطلب یہ ہے کہ کچھ مولوی ہیں لیکن اندر باطن میں بد ہیں' اوپر سے مشائخ کرام ہیں اور اندر سے بالکل غلط انسان ہیں۔ اس دور میں جو ظاہر اور باطن کا فرق آ گیا ہے یہ سیاست کی وجہ سے ہے کیوں کہ سیاست میں کہنا اور ہوتا ہے اور کرنا اور ہوتا ہے۔ اس لیے لوگوں کے ذہن پر ان باتوں سے فرق پڑا ہے۔ آپ لوگ یہ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ اس قوم کو عبرت سے بچائے۔ یارب العالمین اس قوم کو سزا نہ دینا' مہربانی فرمانا' ہم پر مہربانی اور ہدایت نازل فرما۔ یارب العالمین ہماری اصلاح کر دے' ایسا نہ ہو کہ ہم سزا پا جائیں۔ یارب العالمین ہماری اصلاح فرما دے' ہم سے غلطیاں دور کر دے' ہمارے اکابرین کی اصلاح کر دے اور اس قوم کو بے

ترتیب زندگی سے نجات دے، یارب العالمین آسانی عطا فرما، دشمنوں سے اس قوم کو بچا۔ یارب العالمین ظاہری دشمن، باطنی دشمن، اندر کے دشمن، جو ہمارے خیال کے دشمن ہیں، جو ہمارے حال کے دشمن ہیں اور جو ہمارے عمل کے دشمن ہیں ان سے ہمیں بچا۔ آمین۔

صلی اللہ تعالٰی علٰی خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و سندنا مولٰنا حبیبنا و شفعینا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین. آمین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین.

۳

۱ اس سال کا محرم آیا ہے تو شہادت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کچھ فرمائیں۔

۲ ہم بزرگانِ دین کے پاس جاتے ہیں تو اللہ کا خوف' خشیت پیدا ہوتی ہے لیکن میں اللہ کا ایک اور تصور ذہن میں رکھتا ہوں......

۳ دل میں جو زنگ لگ جاتا ہے اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

۴ کیا مصنوعی آنسو دل کا زنگ دور کر سکتے ہیں؟

۵ اللہ تعالیٰ سے ہمیں کیا مانگنا چاہیے جس سے اللہ ناراض بھی نہ ہو۔

۶ انسان اپنی حقیقی ضروریات تو مانگ سکتا ہے کہ نہیں؟

۷ اللہ سے تو ہم مانگتے ہی رہتے ہیں چاہے وہ چیز میسر آئے یا نہ آئے۔

۸ غلطی اور تقدیر میں کیا فرق ہے؟

سوال:

اس سال کا محرم آیا ہے تو شہادت امام حسین علیہ السلام کے بارے میں کچھ فرمائیں۔

جواب:

پہلی بات تو یہ ہے کہ اس سال کا جو محرم ہے' شہادت اُس میں نہیں ہوئی بلکہ شہادت کا واقعہ پہلے کا ہے۔ جن لوگوں کا امام عالی مقام علیہ السلام کے غم سے تعارف ہے ان کو تو ہمیشہ کے لیے غم ہے' وہ تو ہمیشہ کے لیے محرم میں داخل ہو گئے۔ غم والے انسان کے لیے ہر موسم ہی غم کا موسم ہے۔ اگر کسی پر کوئی غم گزرے' کوئی عزیز رشتہ دار فوت ہو جائے اور اگر اسے کہو کہ یہ جو غم آج گزرا ہے' تم اگلے سال اس کی یاد منا لینا تو کیا وہ مانے گا۔ Suffering والے کے لیے Every season is a season of suffering غم والوں کے لیے ہر دن ہی غم کا ہے۔ امام علیہ السلام والوں کے لیے ہر ہفتہ ہی امامؑ کا ہے۔ وہ جو موسمی بخار ہوتا ہے' اس سے میرا تعلق کوئی نہیں ہے۔ کسی کی یاد میں دن منانا صرف جمیعتِ اسلام کے لیے ہے تا کہ مسلمانوں کو اپنی تاریخ یاد رہے' اس کا غم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ غم والوں کے لیے غم ابدی ہے' غم لازوال ہے' غم ان کے لیے عرفان کا باعث ہے'

غم ہی ان کا راستہ ہے۔

اے دل بگیر دامنِ سلطانِ اولیاء
یعنی حسین ابن علیؑ جانِ اولیاء

جن کے لیے یہ واقعہ عرفان کا راستہ ہے، یہ راستہ اگلے سال کیسے کھلے گا۔ اگر آپ صاحبِ عرفان ہیں تو یہ راستہ آج سے ہی کھلے گا۔ عرس پر اپنے مرشد کا نام صرف متولی یا مجاور مناتے ہیں اور جو محبوب ہوتے ہیں ان کا مرشد کے ساتھ روز ہی یومِ وصال ہوتا ہے۔ اس لیے اگر امام پاک علیہ السلام آپ کو محبوب نہ ہوں تو ان کی یاد نہ منایا کرو۔ اگر کوئی محبوب ہو تو یاد کا تعلق دل کے ساتھ ہے۔ اگر دل میں غم آ گیا ہے تو غم کو Season کے حساب سے مت منایا کرو۔ اب آپ دیکھو کہ مسلمان پانچ وقت نماز پڑھتا ہے لیکن مومن نماز پڑھتا ہے ہمہ وقت۔ مومن مسجد سے باہر ہو تو مسجد میں آنے کی تمنا رکھتا ہے اور کچھ مسلمان ایسے ہوتے ہیں کہ اگر مسجد میں ہوں تو مسجد سے باہر جانے کی تمنا رکھتے ہیں۔ تمنا سے ہی پتہ چلتا ہے کہ کوئی مسلمان ہے یا مومن ہے۔ مومن کا دل کرتا ہے کہ ہر وقت مسجد میں بیٹھا رہے لیکن اللہ کا حکم سمجھ کے بچوں کے لیے رزق کمانے باہر جاتا ہے۔ عام بندے کے لیے حکم ہے کہ مسجد جا کے نماز پڑھو اور دوسرے کے لیے حکم ہے کہ مسجد سے جاؤ اور رزق کماؤ۔ اگر تمہیں یہ فرق سمجھ آ گیا تو امام عالی مقامؑ کی بات سمجھ آ جائے گی۔

دوسری بات یہ ہے کہ امام عالی مقام علیہ السلام کی یاد کو اس انداز سے منانا کہ ان پر ظلم ہوا ہے تو پھر ایک ظالم کو بھی ماننا پڑتا ہے۔ لیکن جو فقراء ہیں وہ کسی کو ظالم نہیں مانتے، وہ سبب کے قائل ہی نہیں ہیں، وہ مسبب کے قائل ہیں۔ اگر کسی کو

پتھر لگے تو وہ کہتے ہیں کہ پتھر کو چھوڑو' بھیجنے والے کا نام بتاؤ' وہ دراصل تقدیر ہے۔ تو یہاں وہ رک جاتے ہیں' نہ پتھر سے جھگڑا اور نہ پتھر مارنے والے کے نام سے جھگڑا۔ وہ کہتا ہے کہ یہ مالک کی طرف سے ہوا ہے' اگر وہ خود ہے تو بسم اللہ۔

تیسری بات یہ ہے کہ امام عالی مقام کا درجہ آپ لوگوں کے شعور میں نہیں ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ ان کا درجہ صبر کی وجہ سے ہے اور آپ بے صبرے ہوئے جا رہے ہو۔ خود بے صبر ہو اور جس کی یاد منا رہے ہو ان کا مقام صبر کی وجہ سے ہے۔ تم کہتے ہو کہ امام عالی مقام علیہ السلام ایک عظیم ہستی تھے۔ He was a great man اور اگر مقامِ صبر کو مقامِ وحشت بنا لو تو تم پر امام علیہ السلام کی یاد منانا فرض نہیں ہے۔ جو لوگ تسلیم و رضا کے قائل نہیں ہیں وہ لوگ کسی امام علیہ السلام کی یاد نہیں منا سکتے۔ اور جو لوگ تسلیم و رضا کے قائل ہیں وہ امام علیہ السلام کی عظمت کے قائل ہیں۔ امام علیہ السلام کی عظمت یہ ہے کہ یہ بندے اور خدا کا کھیل ہے' اس میں درمیان میں کوئی اور چیز نہیں ہے۔ یہ صرف بندے اور مالک کے درمیان بات ہو رہی ہے کہ اے میرے مالک! تو نے اگر میرے ذمے یہ قرض لگایا ہے تو یہ میں نے ادا کر دیا ہے۔ تاریخ میں وہ بندہ موجود ہے' یزید' اس کے بارے میں جو بھی کہو ٹھیک ہے بلکہ وہ اتنا نامناسب نام ہے کہ اس کا نام ہی نہ لو۔ لیکن یہ جو امام پاکؑ کے ساتھ تسلیم و رضا کا واقعہ ہو رہا ہے' یہ واقعہ اللہ کے اپنے حکم کے مطابق تسلیم و رضا والوں کو کسی ایسے مقام سے گزارنا ہے جو دیکھنے والوں کے لیے ایک اعلیٰ مقام ہو۔ اگر آپ ظلم کی بات کہتے ہو تو میں آپ سے یہ دعا کراتا ہوں کہ خدا کرے کہ ایسا ظلم کسی پر نہ ہو۔ اگر آپ آمین کہتے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا کرے ایسا مقام کسی کو نہ ملے۔ اگر آپ یہ دعا کرا رہے تھے کہ خدا کرے کہ یہ

مقام عام ہو اور اگر مقام عام ہونا چاہیے تو پھر شہادت کے لیے تو چھری کے نیچے سے گزرنا پڑے گا۔ اگر شہادت مقام ہے تو پھر چھری والے کے لیے تو لعنت کا الگ شعبہ ہے لیکن تم عروج والے انسان کو اس سارے واقعہ کے تناظر میں پہچانو کہ چھری نے کیا کام کیا؟ چھری نے یہ کام کیا کہ بندے کو حق سے ملا دیا۔ چھری والے کے لیے تو الگ بات ہے کہ اس کو سزا ملے گی۔ بات یہ ہے کہ اسلام میں واحد مقام تھا شہادتِ عظمیٰ کا' ایک الگ مقام' اس کی ایک اپنی Term ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ مقام اس لیے رکھا ہوا تھا کہ دنیا کو پتہ چلے کہ اسلام کے اندر کتنے ایثار ہو سکتے ہیں' یعنی جوانوں سے لے کر شیر خوار بچوں تک کی قربانی دی گئی۔ آپ لوگوں کو سبق یہ ملتا ہے کہ امام علیہ السلام کے کلمہء حق کہنے میں کوئی بھائی رکاوٹ نہیں بنا' بھانجا بھتیجا رکاوٹ نہیں بنا اپنی اولاد رکاوٹ نہیں بنی' نہ اصغرؑ نہ اکبرؑ' اپنی جان رکاوٹ نہیں بنی۔ اسے کہتے ہیں کلمہء حق کہنا۔ اگر تم کلمہء حق نہیں کہنا چاہتے اور صرف یادیں منانے والے ہو تو تم امامؑ کے دشمن ہو۔ وہ لوگ امام علیہ السلام کو نہیں مانتے جو سچ نہیں کہتے۔ وہ لوگ امامؑ کو نہیں مانتے جو کلمہء حق کہنے والے نہیں ہیں۔ جن لوگوں کو کلمہء حق کہنے میں اولاد رکاوٹ بن رہی ہے وہ امام علیہ السلام کے قائل نہیں ہیں۔ تو امامؑ کی یاد منانے والا وہ ہے جس کے دل میں کربلا ہو۔ اور جن کی پیشانی میں سجدہ ہو اور جن کو تسلیم و رضا کا سبق ملا ہوا ہو وہ امام علیہ السلام کی یاد منا سکتے ہیں۔ جن لوگوں کو تسلیم و رضا کا سبق نہیں ملا ان کو امام علیہ السلام کی یاد سے کیا واسطہ۔ امامؑ کی یاد کوئی Narrative نہیں ہے' واقعہ نہیں ہے' داستان نہیں ہے' بیانیہ نہیں ہے' رونے کا نام نہیں ہے بلکہ اس خیال میں ڈھل جانے کا نام ہے۔ اگر آپ اس خیال میں ڈھل جاؤ تو پھر آپ کو بات سمجھ آ سکتی ہے۔ لوگ کہتے

رہتے ہیں کہ یہ دور یزید کا دور ہے تو یزید کا ذکر یا کسی کو یزید کہنا یا کسی ملکی حکومت میں کسی یزید کو دریافت کرنا' یہ اس شخص کا کام ہے جو امام بن کے آیا ہو اور جو جان پیش کر سکے۔ ایسا شخص کہہ سکتا ہے کہ فلاں شخص جھوٹا ہے اور وہ جابر سلطان کے سامنے کلمۂ حق کہہ سکتا ہے' صرف وہ یہ شہادت دے سکتا ہے اور شہادت کا معنی ہے گواہی دینا۔ اور امام عالی مقام علیہ السلام نے وہ گواہی پیش کی ہے جو کائنات میں آج تک سند ہے۔ ان کی شہادت ایک معتبر شہادت ہے اور وہ جاننے والے ہیں اور پہچاننے والے ہیں۔ وہ خاندان ہی ایسا ہے کہ جس نے نبوت پر اور رسالت پر جاں نثاری کے فرائض سرانجام دیئے ہیں۔ یہ علی علیہ السلام کے کنبے کی بات ہو رہی ہے۔ امام علی علیہ السلام نے خود شہادت پائی۔ کیا ان کے پاس طاقت تھی؟ آپ خود جانتے ہو کہ ذوالفقار ان کے پاس تھی۔ جو لوگ جاننے والے ہیں وہ جانتے ہیں کہ سارا عرفان حضرت علی علیہ السلام بانٹتے ہیں اور دُور کی بات جاننے والے ہیں چاہے وہ تاریخی ہو یا جغرافیائی۔ مثلاً چودہ سو سال کے بعد کے واقعات بھی وہ آپ سے Deal کر سکتے ہیں یعنی کہ حضرت علی علیہ السلام اپنے یاد کرنے والے کی پکار کو آج بھی سنتے ہیں۔ وہ اتنی طاقت والے ہیں کہ اقبالؒ نے کہا تھا ۔

جنہیں نانِ جویں بخشی ہے تو نے
انہیں بازوئے حیدرؑ بھی عطا کر

اور یہ بھی کہا کہ ۔

اسلام کے دامن میں بس دو ہی تو چیزیں ہیں
اک سجدۂ شبیریؑ اک ضربِ یدّاللّٰہی

اب آپ دیکھو کہ حضرت علی علیہ السلام کی شہادت ہوگئی۔ خنجر کے لگنے میں

اور جان کے نکلنے میں آپ کے پاس دو لفظ کہنے کا اختیار تھا۔ آپ اس دوران اللہ سے کوئی بات کر سکتے تھے یا اسلام کے لیے دعا کر سکتے تھے یا بچوں کو کوئی وصیت کر سکتے تھے۔ لیکن آپ نے دو لفظ یہ کہے کہ میں نے اپنے قاتل کو معاف کیا۔ جتنی طاقت والی وہ ذات تھی اس سے زیادہ طاقت ور یہ بات انہوں نے کہہ دی۔ اس کو کہتے ہیں شہادت اور اسے کہتے ہیں امامت۔ اگر تم اپنے دشمن یا اپنے قاتل کو معاف نہیں کر سکتے تو تمہیں امامؑ کا نام لینے کا کوئی حق نہیں۔ علی علیہ السلام ان لوگوں کے امام ہیں جنہوں نے اپنے قاتلوں کو معاف کر دیا اور ان لوگوں کے امام ہیں جنہوں نے اپنی قوت کے باوجود اللہ کے فیصلے کو تسلیم کرنے میں خاموشی اختیار کی۔ تو جس طرح نبی ﷺ خاتم' نبوت کے ہیں تو علیؑ خاتم خلافت کے ہیں۔ خلافت آپ علیہ السلام پر ختم ہو گئی ہے۔ اگر نبی کریم ﷺ سب سے بعد آنے کے باوجود سب سے بڑے ہیں تو وہ خلافت میں سب سے بعد آنے کے باوجود سب سے بڑے ہو سکتے ہیں۔ اس میں تفہیم اور تحقیق کی بات ہی کوئی نہیں ہے۔ آپ روز ہی مشاعرے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ بڑا شاعر آخر میں آتا ہے۔ وہ لوگ جو یہ کہتے رہتے ہیں کہ ان کو پہلے آنا چاہیے تھا یا وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ ان کو بعد میں آنا چاہیے وہ ماننے والے نہیں ہیں۔ جو امامؑ کی بات کو نہ مانے اور ان کے فیصلے کو نہ مانے وہ امامؑ کے ماننے والے نہیں ہیں۔ امامؑ نے جو فیصلے کر دیئے ہیں تم ان فیصلوں کو کیسے جھٹلاتے ہو۔ قوت والا جو بات مان گیا وہ تمہیں بھی ماننی چاہیے۔ روحانی لوگوں نے ان سے پوچھا کہ آپ نے بعد کا مقام کیوں قبول فرمایا' آپؑ کو تو پہلے آنا چاہیے تھا۔ تو آپؑ نے فرمایا سب سے بڑے نبیؐ بعد میں آئے ہیں میں پہلے کیسے آ جاتا لیکن مجھ سے پہلے مقام بھی

اپنا ہی مقام ہے۔

اسلام تو ایک ہے اور تم نے اسلام میں Bifurcation کر دی۔ تفریق کر دی۔ تمہارا امام علیہ السلام کی یاد منانے سے کوئی تعلق نہیں۔ غلام یزید کہنے والے دوزخ میں جائیں گے۔ جن لوگوں نے یہ نام رکھا یا کوئی کہتا ہے کہ میں اپنے بیٹے کا ولیمہ محرم میں کروں گا' وہ سیدھا سادا لعنتی ہے۔ مسلمانوں کے جو تاریخی جذبات ہیں چاہے وہ حقیقی نہ بھی ہوں' ان جذبات کو مجروح کرنے والا عرفان نہیں پا سکتا۔ اس شخص کو علم تو مل سکتا ہے لیکن عرفان نہیں مل سکتا۔

تو تمام طاقتوں کے باوجود حضرت علی علیہ السلام کی اپنی شہادت' امام حسن علیہ السلام کی شہادت اور پھر امام حسین علیہ السلام کی شہادت ہوئی۔ اسلام پر جانثاری کے یہ عظیم الشان اور یہ عظیم واقعات ہی دراصل اسلام کی اصل قوت ہیں۔ تو آپ اسلام کی اصل قوت کو نہیں پہچانتے اور امامؑ کی یاد کو تقریب کی طور پر مناتے ہو' اور Ritual کے طور پر مناتے ہو یعنی محرم آ گیا' لباس کالا کر لیا' واقعات خراب کر لیے' خیال کہیں اور نظر کہیں' دل افسردہ اور نظریں ادھر اُدھر۔ ان تمام واقعات میں بڑی احتیاط چاہیے۔ غم کو غصہ نہ بناؤ۔ جو شخص غم کو غصہ نہ بنائے وہ امام علیہ السلام کا ساتھی ہے۔ غم کو غصہ بنانے والے نہ امامؑ کے ساتھی ہیں اور نہ اسلام کے ساتھی ہیں۔ غم کو غصہ وہ بناتا ہے جو کسی تقدیر کو نہیں مانتا اور جو کسی خدا کو نہیں مانتا۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ اس کا بیٹا یا بھائی اللہ نے فوت کیا ہے تو اب وہ جھگڑا کس سے کرے گا۔ امام علیہ السلام کی عظمت شہادت کے مقام تک پہنچنے کی وجہ سے ہے اور تم انہیں اس مقام سے بچانا چاہتے ہو۔ سال کے بعد امام علیہ السلام کا غم مناتے ہو۔ اگر امام علیہ السلام کا غم ہے تو ہمہ حال منایا کرو۔ کربلا آپ کے دل

میں ہونی چاہیے۔ کربلا یزید کے خلاف جہاد کے عزم میں ہونی چاہیے۔ کربلا صداقت میں ہونی چاہیے، ایثار میں ہونی چاہیے اور تسلیم و رضا میں ہونی چاہیے، اور حضور پاک ﷺ کے نام پر نثار ہونی چاہیے۔ اگر آپ کے اندر یہ واقعات نہیں ہیں تو پتہ نہیں پھر آپ کیا مانتے رہتے ہو۔ آپ اس طرف رجوع کرو۔ رجوع کرنے والوں نے کربلا سنی نہیں بلکہ کربلا دیکھی ہے۔ اگر آپ کو یہ بات سمجھ آ جائے تو کربلا دیکھنے کی دعا کیا کرو۔ اور دعا کیا کرو کہ یا اللہ ہمیں کربلا دکھا اور کربلا کا فیض دکھا اور کربلا والوں سے ہمیں نسبت عطا فرما۔ باقی جو واقعہ ہے وہ تو کتابوں میں موجود ہے اور ہر سال بیان ہوتا رہے گا اور بیان کرنے والا ہر دفعہ آپ کو نئی بات بتائے گا اور یوں کہانی چلتی جا رہی ہے۔ بیان کرنے والا غم کو سامعین پر Thrust کرتا جائے گا، غم کو Thrust نہیں کرنا چاہیے۔ جس طرح امام عالی مقامؑ اللہ کی رضا کے وارث ہیں، اسی طرح امامؑ کے غم کے بھی وارث پیدا ہوتے ہیں جو کہ پڑھنے سے نہیں بنتے۔ وہ ان کی طرف سے خود بخود توجہ ہوتی ہے اور عنایت ہوتی ہے اور رہنمائی ہوتی ہے اور آپؑ کے Follower آپؑ کو Follow کرتے ہیں اور آپؑ کے چاہنے والے، آپؑ کے ماننے والے ہوتے ہیں، جو چاہنے والا اور ماننے والا نہیں ہے وہ یاد کیا منائے گا۔ اس لیے آپ امامؑ کے Function کو، عمل کو مانو اور پہچانو۔ اس طرح پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی۔ دعا کرو کہ آپ کو کچھ عرفان مل جائے۔ عرفان مل گیا تو پھر آپ کو یاد آئے گی۔ سنی ہوئی بات آپ کہاں تک یاد رکھو گے۔ آپ اتنی بات یاد رکھو کہ ؎

داغِ سجود تیری جبیں پر ہوا تو کیا
وہ سجدہ کر کہ روئے زمیں پہ نشاں رہے

تو امام حسین علیہ السلام عالی مقام کا سجدہ کائنات میں ایک ایسا سجدہ ہے کہ جو نہ آج تک کسی نے کیا اور نہ ایسا سجدہ ہو سکتا ہے۔ یہ ایک ایسا واقعہ ہے کہ جو کسی اور کے ساتھ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ایسا واقعہ ہے کہ کلمۂ حق کہنے میں کوئی بھی رکاوٹ آگے نہیں آئی۔ یہ ایک ایسا Norm اور ایسا Standard ہے کہ عرفان کے قافلے یہاں سے چلتے ہیں۔ یہ عشاق کی کہانی ہے۔ سامع شاہد نہیں ہو سکتا بلکہ دیکھنے والا شاہد ہوتا ہے' اگر شاہد نہ ہو تو غم میں شریک نہیں ہو سکتا۔ بس یہ بات یاد رکھنا کہ سامع شریک نہیں ہے۔ بغیر مشاہدے کے ذاکر شریک نہیں ہے۔ یہ صرف مشاہدے کی کہانی ہے۔

سوال:

ہم بزرگانِ دین کے پاس جاتے ہیں تو اللہ کا خوف' خشیت پیدا ہوتی ہے لیکن میں اللہ کا ایک اور تصور ذہن میں رکھتا ہوں......

جواب:

آپ کے لیے ذاتی طور پر میں نے بتایا ہوا ہے کہ آپ ''بزگارنِ دین'' کی محفل میں نہ جایا کرو بلکہ ''بزرگِ دین'' کی محفل میں جایا کرو۔ صرف کسی ایک بزرگ کی محفل میں جاؤ' بزرگانِ دین کی محفل میں جانے سے آپ کے اندر اس طرح کی دِقت پیدا ہوگی۔ آپ کو کچھ عرصہ پہلے منع کیا تھا کہ دین پر کتابیں نہ پڑھا کرو اور آپ پھر کتابیں پڑھ کر سوال کر رہے ہیں۔ تو اللہ کے تصور کی بات نہیں ہے' آپ تو اللہ کی صفات کی بات کر رہے ہیں اور اللہ جو کرتا ہے وہ صحیح کرتا ہے۔ آپ کے اندر اور آپ کی زندگی میں جو کچھ اللہ نے کیا وہ تو صحیح ہے اور جو آپ نے خود اپنے ساتھ کیا ہے یہ غیر اللہ ہے۔ تو اپنا آپ اللہ کے سپرد وہ کرے

جس نے اپنے ساتھ خود کچھ نہ کیا ہو بلکہ وہ کہے کہ اللہ کھلائے گا تو ہم کھائیں گے نزل من غفور الرحیم یعنی اگر چل کے آئے گا تو ہم کھائیں گے نہیں تو پھر ہم نہیں کھائیں گے، تو پھر ان کو اللہ دے گا۔ جو شخص بازار سے سبزی خریدتا ہے اور پکاتا ہے اور پھر اس کے اندر مرچ مصالحہ زیادہ ڈال دیتا ہے تو پھر اس سے تو بیماری ہو جائے گی اور اسی طرح Cause اور Effect کی، سبب اور نتیجے کی بیماری ہو جاتی ہے۔ ایک دفعہ چند اندھے ہاتھی دیکھنے گئے اور وہ ہاتھی دیکھ کر آ گئے۔ کسی نے پوچھا کہ کیا دیکھا؟ ایک نے کہا کہ بڑے بڑے پنکھے لگے ہوئے تھے، دوسرے نے کہا کہ ستون تھے یعنی بڑے بڑے Pillars تھے، ایک اور نے کہا میں نے تو سانپ ہی دیکھا، ایک نے اژدہا ہی دیکھا، دوسرے نے کہا کہ ایک چھوٹی سی رسی تھی بل کھاتی ہوئی، ایک اور اندھے نے کہا کہ ایک دیوار ہی دیوار تھی۔ تو انہوں نے ہاتھی کا ایک حصّہ چھو کر دیکھا تھا اور پورا ہاتھی تو انہوں نے دیکھا ہی نہیں تھا۔ تو اس شخص نے کہا کہ ہاتھی تو یہ نہیں ہے! جس نے سونڈھ دیکھی اُس نے اُسے اژدہا سمجھا، جس نے اُس کے پاؤں اور ٹانگیں دیکھیں اُس نے ستون کہا، جس نے اُس کا پیٹ دیکھا اُس نے کہا کہ دیوار ہی دیوار ہے، جس نے دُم دیکھی اُس نے رسی کہا اور جس نے کان دیکھے اُس نے پنکھے سمجھا۔ تو ہاتھی کسی بھی اندھے کو پورا نظر نہیں آیا۔ اِسی طرح درمیان میں آپ نے اللہ تعالیٰ کی ایک صفت عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر مان لی اور اللہ کی باقی صفات آپ نے نہیں دیکھیں جیسے کہ وہ خالق ہے، حساب لے گا رائی کا رائی کے ساتھ اور پائی کا پائی کے ساتھ۔ تو وہ حساب کیسے لے گا؟ کہتا ہے کہ ہمارا حساب؟ آپ خود ہی مہربانی کریں۔ آپ یہ کہہ نہیں سکتے کیونکہ ہم نے خود ہی اپنے ساتھ سب کچھ کیا ہوا

ہے۔ تو اس لیے جو تحریریں آپ نے خود لکھی ہیں مصیبت تو ان کی پڑی ہوئی ہے۔ اللہ نے جو کچھ کہا وہ تو ٹھیک ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ میں نے تمہارے ہاتھوں کو قوت دی ہے کہ لکھوا اپنا نامہ اعمال لکھو کیونکہ اس کے میں نے نمبر لگانے ہیں اور پھر نتیجہ نکالنا ہے۔ اب آپ یہ بات کیسے کہیں گے کہ اللہ خود ہی لکھتا جا رہا ہے' اللہ اگر خود لکھتا تو عدو اللہ کسی کو نہ کہتا لیکن وہ تو اپنے دشمن کو عدو اللہ کہتا ہے' باغی کہتا ہے' کافر کہتا ہے' جہنمی کہتا ہے......تو آپ اللہ کی بات کو غور سے دیکھو' اُس نے فرمایا ہے خیرہ و شرہ من اللہ تعالیٰ تو یہ بجا ہے کہ خیر شر اُدھر سے ہے اور یہ واقعہ اُس آدمی کے لیے ہے جو اپنا عمل مفقود کر دے اور ایسا کئی لوگوں نے کیا ہے۔ اور اگر آپ اپنا عمل مفقود نہیں کر سکتے تو آپ اس کو سببِ اُولیٰ نہیں مانتے۔ جو اپنا عمل مفقود کر دیتے ہیں اُن کے لیے وہ سبب ہے اور وہ خود نتیجہ ہے۔ تو وہ کہتا ہے کہ سبب اللہ اور نتیجہ بھی اللہ! تم میں کون؟ کہتا ہے کہ وہ بھی اللہ! کہتا ہے کہ باہر کیا ہے؟ کہتا ہے اللہ! اندر کون؟ وہ بھی اللہ! اب یہ جو ہے ایسا اللہ والا ہے جو کہتا ہے کہ اے اللہ اگر تجھے اندر سمجھوں تو باہر کون ہے اور باہر دیکھوں تو اندر کون ہے۔ تو یہ وہ آدمی ہے جس کا اپنا عمل کوئی نہیں ہے بلکہ سب اللہ کا نام۔ آپ اپنے آپ سے اپنا آپ نکال دیں تو پھر اللہ ہی اللہ ہے۔

خدا کا ملنا بڑا ہے آساں
مٹے خودی' خود خدا ہے

تو آپ کی خودی کیسے مٹے' آپ تو خودی کے پرستار ہیں۔ اور بے خودی جب تک نہ آئے آپ کو اللہ کا شعور کہاں سے آئے گا کیوں کہ جب آپ اپنے مقامِ روح پر پہنچو گے تو پھر لم یلد ولم یولد سمجھ آ جائے گا کہ نہ روح کا

کوئی باپ ہے نہ اُس کی کوئی اولاد ہے' روح لاشریک ہے۔ تو پھر یہ مقام سمجھ آئے گا کہ اللہ کیسے ہے؟ اس وقت تو اللہ کو سمجھنے والا آپ کا پُرزہ ہی مفقود ہو گیا ہے' بیمار ہو گیا ہے' مطلب یہ ہے کہ شکل آئینے میں دیکھنی ہے اور آئینہ دُھندلا گیا ہے یا گُجلا گیا ہے۔ اس لیے آپ کو وہ بات سمجھ نہیں آتی ہے۔ اگر طوطا اللہ اللہ کرتا جائے' اللہ کا ذکر کرتا جائے تو Parrot will remain Parrot طوطا تو طوطا ہی رہے گا۔ یہ تو ایک شعور کی داستان ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کو اُس کے احکامات کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا فرمایا ہے۔ آپ اللہ تعالیٰ کا فنکشن دیکھو کہ وہ فرماتا ہے میں اور میرے فرشتے درود بھیجتے ہیں۔ کیا اُسے کوئی کہہ سکتا ہے کہ یا اللہ آپ تو علی کل شی ء قدیر ہیں آپ درود کیوں بھیجتے ہیں۔ یہ ایک فنکشن ہے اور اگر آپ صاحبِ درود کے قریب ہو جائیں تو پھر آپ کو بات سمجھ آئے گی۔ جو آدمی اللہ کی محبت میں گرفتار ہونا چاہتا ہے' حضور پاکؐ کی محبت کے بغیر' تو ایسا آدمی گمراہی کی تیاری کر رہا ہے۔ بس یہ آسان سی بات ہے۔ جو حضور پاکؐ کی طرف رجوع کرتا ہے بغیر حضورؐ کے Follower کو مانتے ہوئے' آپؐ کے کسی بندے کو مانے بغیر' وہ بھی اس تیز رفتاری میں کہیں ٹھوکر کھا جائے گا۔ تو اللہ کا ملنا بڑا آسان ہے اور اس لیے کہتے ہیں کہ اللہ تیری پیشانی کے اندر ہے' سجدے کے اندر ہے۔ تو اللہ تعالیٰ وسیلہ در وسیلہ اور وسیلہء جمیلہ سب کے ساتھ تعلق رکھتا ہے۔ اس لیے دُور کی چھلانگیں نہیں مارنی چاہییں مثلاً یہ کہ اس وقت اللہ کیا کر رہا ہے۔ میرا خیال ہے کہ آپ کے علاوہ بھی اس کو بہت کام ہیں۔ کیا آپ کو اس کے علاوہ کوئی کام ہے؟ ماننے والا کہتا ہے کہ میری جیسی تو تیرے کائنات کے اندر بڑی مخلوق ہے اور اے اللہ میرا خیال ہے کہ آپ جیسا تو

اور کوئی ہو نہیں ہو سکتا۔ بس اتنا ہی فرق ہے۔ تو وہ کیا کر رہا ہے؟ اُس کو اور بھی کام ہیں۔ بندہ کہتا ہے تجھے ساری دنیا عزیز ہے اور میری دنیا میں تیرے علاوہ کچھ بھی نہیں ہے۔ اس لیے آپ اپنے تصور کو درست کریں۔ تو آپ کا اللہ کا تصور درست ہونا چاہیے۔ تصور یہ ہے کہ وہ علی کل شیءٍ قدیر ہے، ہر شے پر قادر ہے۔ تو کیا آپ نے اپنا آپ اس کے سپرد کر دیا؟ کیا آپ کا سارا غُصہ نکل گیا؟ کیا آپ کے اندر سے لالچ نکل گئی؟ کیا آپ کے اندر سے زندگی کی تمنا نکل گئی؟ تو پھر آپ میں خشیتِ اللہ پیدا ہو جائے گی اور حُبِ دنیا نکل جائے گی۔ تو حُبِ دنیا کا نکلنا ہی خشیتِ اللہ ہے

؎ الحذر از حُبِ دنیا الحذر
یہ جہاں منزل نہیں ہے رہ گزر

تو پھر جب تک آپ حُبِ دنیا کو نہ نکالیں گے بات نہیں بنے گی۔

؎ حُبِ دنیا ہے تمنائے یزید
طالبِ دنیا کمینہ سگ پلید

اور حُبِ عقبیٰ اللہ کے ماننے والوں کا کام ہے۔ آپ حُبِ دنیا سے بچو۔ آپ اللہ کو تلاش کرو۔ آپ اپنے آپ سے اپنا آپ نکالو۔ بس یہی ہے اللہ تعالیٰ جو کہ علی کل شیء قدیر ہے۔ تو آپ اپنے آپ سے اپنی قدرت نکال دو۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ بزرگانِ دین نے آپ کو بالکل ٹھیک فرمایا ہے، تمام بزرگوں نے ٹھیک فرمایا ہے لیکن بیک وقت سارا کچھ ایک آدمی کے لیے نہیں فرمایا۔ قرآن کریم ہدایت ہے کہ سارا قرآن ایک آدمی کے لیے نہیں ہے کیوں کہ کافروں کے لیے تو اس میں کچھ اور ہے مثلاً سزا کے طریقے لکھے ہوئے ہیں

جیسے دوزخ ہوگی اور اُس میں کھولتی ہوئی آگ ہوگی۔ آپ بتاؤ دوزخ کن کے لیے ہوگی؟ یہ نہ کہنا کہ لگتا ہے اپنے لیے ہے۔ یہ کہاں لکھا ہے کہ یہ مومن کی لیے ہے، عذاب تو مُنکر کے لیے ہے، کافر کے لیے ہے اور منافق کے لیے ہے۔ ہم نہ مُنکر نہ کافر اور نہ منافق ہیں۔ ہم کمزور مسلمان ہو سکتے ہیں لیکن ہمارا راستہ صحیح ہے، لہٰذا ہمارا دوزخ کے ساتھ کیا تعلق ہے۔ تو جو آدمی ڈرتا جارہا ہے اُس کے پیٹ میں چوری کا مال ہے، اس لیے وہ ڈر رہا ہے۔ ہم تو سارے خوشی خوشی جارہے ہیں، اللہ کے محبوبؐ کے گھر جارہے ہیں اور اللہ کے گھر میں دیدار کرنے جارہے ہیں، تو آپ کیوں ڈرتے جارہے ہیں؟ کہتا ہے کہ مجھے خانہ کعبہ سے ڈر لگتا ہے۔ تو جو کچھ جیب میں ہے اُسے باہر نکال دو، اگر چوری کا مال تیری جیب میں ہے، یتیم کا مال تیرے پاس ہے تو ڈر تو ہوگا۔ ڈر اُسی کو ہوتا ہے جو سمجھتا ہے کہ اگر اللہ نے مجھے پہچان لیا کہ میں تو وہی ہوں۔ تو اللہ تو پہچان لیتا ہے۔ اس لیے سب سے پہلے اپنا دامن صاف کرو، پھر آپ کو خوف نہیں ہوگا۔ خشیتِ اللہ اُس وقت تک دکھائی جاتی ہے جب تک آپ کے پاس یہ ساری لغزشیں ہیں، لغزش نکل گئی تو پھر وہ اور مقام آجائے گا یعنی لا خوف علیھم و لا ھم یحزنون یعنی نہ انہیں خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی حُزن۔ پھر خشیتِ اللہ نہیں سکھائی جاتی، پھر کیا سکھایا جاتا ہے؟ یہ کہ لَاخَوُف ایک مقام ہے جس میں نہ ماضی کا کوئی حُزن ہے اور نہ آئندہ کے لیے کوئی ملال ہے۔ چلو آپ ڈر سے آزاد ہوگئے۔ اگر ماضی توبہ کر کے پاک ہوگیا تو آپ تسلیم و رضا میں داخل ہوگئے یعنی اپنا آپ نکال لیا۔ جن لوگوں نے اپنا آپ نکال لیا ''لاخوف'' والی اُن کی داستان ہے۔ آپ کو پہلے بھی کہا تھا کہ علم سے بچو، فقراء سے بھی بچو، صرف ایک ''فقیر'' کی تلاش کرو۔ ایک فقیر کہتا ہے کہ قوالی سنو،

دوسرا کہتا ہے کہ قوالی سننے سے دین سے نکل جاؤ گے۔ تو یہ بیک وقت کیسے ہوگا؟ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس راستے پر چلایا جائے اُس راستے پر چلو اور دوسرا راستہ اس کی ضِد یا مقابلے کے لیے استعمال نہ کرو۔ ورنہ آپ دیکھیں گے کہ لوگوں نے قرآن کو قرآن کے مقابلے میں کھڑا کر دیا، یعنی قرآن کو قرآن کے مقابلے میں پیش کر دیا۔ مثلاً ایک آیت کل نفس ذائقة الموت کو Discuss کیا جا رہا ہے یعنی ہر جان کو موت کا ذائقہ چکھنا ہے یعنی سب مر جائیں گے، ٹھیک ہے سب مَر گئے، پھر؟ آپ ثابت کیا کرنا چاہتے ہیں؟ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کے حبیبؐ آئے اور آ کر تشریف لے گئے۔ فرض کیا تشریف لے گئے، پھر؟ یہ کہیں گے کہ پھر آگے ہم خود ہی ہیں۔ اب دوسرے خیال والے نے حیات النبیؐ کا تصور دے دیا۔ تو حیات النبیؐ جو ہے یہ آپ کے دل کا نام ہے۔ یہ سارے واقعات اس لیے ہوئے تاکہ آپ کے اندر بحث پیدا ہو۔ ورنہ تو دین ایک تھا مگر اس دین کے اندر اتنے فرقے کیسے بن گئے۔ یہ تمام فرقے کتابوں نے بنائے، لٰہذا آپ کتابوں سے گریز کرو۔ یہ چھوٹی سی زندگی ہے، اس میں کمائی اول تو حاصل نہیں ہوتی، پھر جائز کمائی کدھر سے ملتی ہے، آج کل تو ناجائز کمائی بھی آسانی سے حاصل نہیں ہوتی، وقت تنگ ہوتا جا رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ آپ حلال روٹی کے بات کر رہے ہو جب کہ حرام کی بھی میسر نہیں ہے، اس میں بھی دِقت ہو رہی ہے۔ تو آپ اپنا وقت چین سے گزارو۔ آپ اللہ کو Discuss نہ کرو، بحث نہ کرو، بس آپ اللہ کو مانتے جاؤ، جس تصور سے مانتے ہو بس مانتے جاؤ، کرسی کا مقام مانتے ہو تو کرسی کا مقام مانو، خالق کائنات مانتے ہو، میرا خالق ہے، میرے ماننے کے ساتھ اس کا تعلق ہے اور میرا دل جو ہے یہ لامکاں ہے، تو یہ

تصور ہو سکتا ہے

؎ بٹھا کے دل میں اُسے اُس کی ہی نماز پڑھو

لوگوں نے یہ بھی تصور دیا۔ کہتا ہے کہ نماز کس کی کون پڑھے، اندر بھی وہ ہی ہے اور نماز بھی اسی کی پڑھنی ہے۔ آپ تصور کو کسی ایک مقام پر وابستہ کرو تو وہ جو بھی مقام ہوگا صحیح ہوگا۔ تو اللہ تعالیٰ کو عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر مانو اور ضرور مانو۔ آپ کہیں غلطی کو اُس سے منسوب نہ کر دینا، غلطی جو ہے یہ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا ہے، ہمارے نفس کے شر سے ہے، ہم دعا مانگتے ہیں کہ یا اللہ نفس کے شر سے ہمیں بچا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اندر شر موجود ہوتا ہے۔ یہ شر آپ کا اپنا ہوتا ہے اور تسلیم و رضا آپ کو عطا ہوتی ہے۔ اس لیے بزرگانِ دین نے بڑی آسان بات بتائی ہے کہ یہ کہا کرو "غلطی میری عطا تیری" خطا کے مالک آپ خود بن جاؤ، عطا کا مالک وہ ہے۔ وہ آدمی جس میں خطا ختم ہوگئی ہو وہ کہہ سکتا ہے کہ اللہ جو ہے وہ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ذات ہے۔ ویسے تو کچھ عرصے کے بعد نفس کی خواہش ختم ہو جاتی ہے، لالچ کی خواہش ختم نہیں ہوتی۔ لالچ کے مال کا حصہ بھی کچھ عرصہ بعد ختم ہو جاتا ہے۔ کب؟ جب بینک سے مناسب منافع کے پیسے آ جائیں اور گزارہ ہو جائے کہ مہینے کا خرچہ ۵۵۰ روپے ہے تو اگر ۶۰۰ روپے مل جائیں تو گزارہ ہو جاتا ہے اور خواہش پوری ہو جاتی ہے اور مال کی تمنا بھی ختم ہو جاتی ہے لیکن زندہ رہنے کی تمنا نہیں ختم ہوتی۔ یہاں پہ نفس آ جاتا ہے۔ تو جس طرح اللہ رکھے آپ اسی طرح رہو۔ اس لیے نفس جو ہے وہ کہیں نہ کہیں مبتلاء کرتا رہتا ہے۔ عبادت کی تمنا جو ہے یہ عطا ہے اور عبادت کا اظہار جو ہے یہ نفس ہے۔ آدھے سے زیادہ لوگ جو ہیں وہ نفس کی نماز پڑھنے لگ جاتے ہیں یعنی اظہار اور

اظہارِ برملا کرتے ہیں۔ وہ کہتا ہے ''اچھا معاف کرنا' عصر ہو گئی ہے میں جا رہا ہوں''۔ اس طرح نمائش پیدا ہو جاتی ہے اور ایسا ہو جاتا ہے۔ نفس جو ہے یہ بڑا خطرناک ہے کیوں کہ یہ آپ کے اندر ہے اور یہ آپ جیسا شعور بھی رکھتا ہے' آپ کے ساتھ ہی پلا بڑھا ہے کیوں کہ ساتھ ہی پیدا ہوا ہے' تو یہ اُتنا ہی کاریگر ہوتا ہے جتنا آپ ہوتے ہیں کیوں کہ یہ آپ خود ہی تو ہوتے ہیں۔ اور اِدھر پھر اللہ ہے جس کی بات آپ خود سمجھتے ہیں۔ جو سمجھ میں نہ آئے وہ آپ کو کیسے بتائیں؟ یعنی جو آپ کو سمجھ میں آئے گا آپ اسی کو مانیں گے۔ تو آپ کا اللہ جو ہے اتنے سے آئینے میں روشنی ہے جتنا آپ کا آئینہ ہے ورنہ باقی سورج تو بے شمار ہے' اس کا آپ کیسے اندازہ کرو گے۔ آپ ایک برتن میں تھوڑا سا پانی رکھو' اب اس میں آسمان نظر آئے گا' یہ آسمان ہے اور یہ چاند ہے۔ یہ وہ چاند ہے جو آپ پانی کے اندر دیکھ رہے ہیں اور یہ وہ چاند تو نہیں ہے۔ تو آپ اتنی سی بات یاد رکھیں کہ چاند بہرحال کسی اور شے کا نام ہے' جو نظر آ رہا ہے وہ بھی چاند نہیں ہے' چاند کا تو وہاں جا کر پتہ چلے گا یعنی اصل چاند کا کہ وہ کہیں اور ہے' تو وہ چاند کہیں اور ہے' امرِ الٰہی کچھ اور ہے' یہ جو چاند کا پانی کے اندر عکس ہے یہ کچھ اور ہے۔ تو آپ کیا دیکھ رہے ہیں اور آپ کیا جانیں کہ پانی میں کیا ہے۔ دیوار پر روشنی جب پڑی تو دیوار سفید ہو گئی' یہ سفیدی جو ہے یہ دیوار کی ہے یا روشنی کی ہے؟ جو آپ کے دل میں نورِ الٰہی ہے یا دین کی تمنا ہے یہ اُس کا اپنا پَرتو ہے وہ خود نہیں ہے' تو جو آپ کے اندر خواہشیں آ رہی ہیں ان میں کہیں نہ کہیں سے عکس جلوہ گری کرتا ہے' اب آپ یہ دیکھیں کہ یہ کیا ہے؟ آپ لوگ تو اپنی ذات کے ساتھ Sincere نہیں ہوتے، مخلص نہیں ہوتے آپ بحثیں کرتے رہتے ہیں' جھگڑے

کرتے رہتے ہیں۔ اس لیے کہا گیا کہ اپنے دل کے آئینے کو چمکاؤ، یعنی کہ "صیقل آئینہ ہنوز" کی ضرورت ہے۔ تو کہنے والے کہتے رہے کہ شیشہ صاف کر۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے اللہ کو تلاش کرنا ہے۔ بزرگ اُسے کہتے ہیں کہ شیشہ صاف کر۔ کہتا ہے کہ خدا اور رسولؐ کی بات بتاؤ۔ فرماتے ہیں شیشہ صاف کر۔ تو نماز کے بارے میں بتائیں۔ کہتے ہیں شیشہ صاف کر۔ تو وہ شخص عرض کرتا ہے کہ شیشہ کیا ہوتا ہے؟ فرماتے ہیں کہ دل کا شیشہ صاف کرتے جاؤ، خواہش نکالو، یہ نکالو وہ نکالو اور پھر تسلیم و رضا میں داخل ہو جاؤ اور شیشے کو صاف کرتے جاؤ۔ اور جب صفائی ہو جائے تو جو اُس میں جلوہ نظر آئے گا وہی اللہ ہے۔ بس آپ اپنا شیشہ صاف کریں۔ آپ اللہ کو ڈھونڈنا چاہتے ہیں جب کہ وہ اس طرح نہیں ملتا، اس لیے بہتر یہ ہے کہ آپ اپنا شیشہ صاف کریں اور اِسے صاف کرتے ہی جائیں۔ اُس نے تیرے پاس آنا ہے، تم نے کہاں اُس کے پاس جانا ہے، وہ تو تیرا گھر جانتا ہے تو اس کا گھر کیسے جانے گا اور نہ ہی تم جان سکتے ہو کہ وہ کہاں ہے۔ بس یہاں بیٹھ کر آپ اللہ کو یاد کرتے جائیں، آپ یاد کا چراغ جلا کر بیٹھیں، دیا جلائیں تو وہ خود بخود آئے گا۔ ایک شخص اللہ کو تلاش کرنے ایک شہر سے دوسرے شہر چلا گیا۔ ایک درویش راستے میں ملا، پوچھا کہ کہاں جا رہے ہو؟ کہتا ہے کہ اللہ کی تلاش میں اُدھر جا رہا ہوں۔ وہ درویش کہتے ہیں کہ اُدھر کے اللہ کو میرا سلام کہنا۔ اُس نے کہا کہ اُدھر کا اللہ کوئی اور ہے؟ تو درویش کہنے لگا کہ تو ہی کہتا ہے کہ اُدھر کا اللہ اور ہے کیوں کہ تو اس شہر کو چھوڑ کر کسی اور شہر میں جا رہا ہے۔ اب اللہ کی تلاش میں جانے والا بندہ جہاں سے جا رہا ہے وہ بتائے کہ وہاں اللہ ہے کہ نہیں ہے جہاں سے وہ نکل رہا ہے۔ اگر وہاں بھی اللہ ہے تو پھر تو کس کو چھوڑ

کر کس کے پیچھے جا رہا ہے۔ تو جس کو تو چھوڑ کے جا رہا ہے وہ تو اللہ نہیں رہا' تو پھر تمہارے اندر شرک پیدا ہو گیا کیوں کہ تم اللہ کو نکال کر اللہ کی تلاش کرنے جا رہے ہو۔ گویا کہ اللہ وہیں پر' اپنی جگہ پر صحیح ہونے کا نام ہے' آپ کے اپنے صحیح ہونے کا نام ہے' آپ اپنی ہیرا پھیری بند کرو' چالاکیاں بند کرو اور ان کو نکال دو۔ تو جہاں آپ کی ہیرا پھیری ختم ہو گئی وہی اللہ کا مقام ہے اور وہی آپ کی منزل ہے۔ الٰہیات اپنی ہیرا پھیری کو نکال لینے کا نام ہے۔ اور تیرے اندر ہی جلوے ہیں۔ تلاش کرنے والا' دُور جانے والا' کہیں اور مسافتیں کرنے والا' کہیں اور ہنگامہ کرنے والا' اللہ کو کسی Trick سے قابو کرنے والا' نماز کے ذریعے سے قابو کرنے والا' چٹھیاں لکھنے والا' درود شریف اس لیے پڑھنے والا کہ اللہ کو قابو کر لوں گا وہ اللہ کو کیسے پائے گا۔ پہلے آپ یہ بتائیں کہ کیا اللہ آپ کے ساتھ ناراض ہے؟ آپ کو نہ اللہ کی ناراضگی کا پتہ ہے اور نہ اللہ کی رضا کا پتہ ہے۔ صرف اپنے آپ کی اصلاح کرنا مقصود ہے۔ جب آپ اپنی اصلاح کر لیں گے تو وہ خود بخود ہی مہربان ہو جائے گا اور وہ خود ہی چلا آئے گا۔ اس لیے اب صرف تیرا اپنا رخ اللہ کی طرف کرنے کی دیر ہے۔ آپ دھیان کرو اور اپنے آپ کا خیال رکھو' اللہ کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ اللہ کسی مقام کا نام ہو۔ اللہ آپ کے اندر کی خواہش کی تسلیم کا نام ہے' جلوہ وہیں ہے اور خدانخواستہ کسی کی آنکھ نہ ہو تو وہ روشنی کو کیا دیکھے گا۔ تو روشنی جو ہے وہ آنکھ کا نام ہوا' ہر چند کہ یہ سورج کا نام ہے مگر سورج کا نام بھی روشنی نہیں ہے' سورج تو روشنی کا ذریعہ ہے' روشنی کسی اور چیز کا نام ہے' جو سورج میں جلوہ گر ہے یہ روشنی ہے اور روشنی سے تعارف کرانے کا میڈیم جو ہے وہ آپ کی آنکھ ہے۔ اب یہ روشنی ہے کہ آنکھ ہے' یہ کیا ہے؟ بس آپ اپنی آنکھ

کی قدر کر لیں تو روشنی خود بخود مل گئی ۔ یہ نہ ہو کہ روشنی کی تلاش میں ہی اپنی آنکھیں اندھی کرلو۔تو تلاش کا جو شعبہ ہے یا ذریعہ ہے وہ آپ درست رکھیں' وہ شعبہ کیا ہے؟ وہ آنکھ ہے اور اللہ کے دریافت کرنے کا شعبہ کیا ہے؟ وہ ہے روح!روح خراب کہاں ہوتی ہے' بیمار کہاں ہوتی ہے؟ غصہ'لالچ'لوبھ' کرودھ' انتقام' ہیرا پھیریاں' چکر بازیاں' ان سب سے روح خراب ہو جاتی ہے۔جس آدمی نے پیسہ جمع کیا جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَہ' مال جمع کیااور گِنا تواس کی روح خراب ہو جاتی ہے' روح یہاں دنیا میں زیادہ رہنے کی تمنا سے بیکار ہو جاتی ہے' روح حق والے کا حق روکنے میں خراب ہو جاتی ہے' یتیم کا مال آگے پیچھے کرنے سے روح بیمار ہو جاتی ہے۔آپ لوگ کتنے اچھے ہیں کہ جو یہاں پر بیٹھے ہیں اور پھر درود شریف پڑھتے ہیں۔اور اُس زمانے میں حضور پاک ﷺ کو دیکھنے کے باوجود جنگ کرنے والے وہ بدنصیب کون تھے۔آپ لوگ یہ سوچیں کہ آپ پر کتنی مہربانیاں ہیں کہ آپ لوگ دور ہیں لیکن اُن سے قریب ہیں' اسی مہربانی کا شکر یہ ادا کرتے جائیں کہ آپ دُور رہ کے بھی قریب ہیں' یعنی تاریخ کے زمانے کتنے دُور ہیں اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتنے قرب عطا فرمائے ہیں اور اس کا شکر یہ ادا کرتے کرتے تھک جائیں گے۔ جب کہ کافروں کے دلوں پر قفل پڑے ہوئے تھے' وہ حضور پاکؐ کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں' جنگ کر رہے ہیں' دُوبدُو ہیں' رُوبرُو ہیں اور آپ لوگ جو ہیں حضور پاک ﷺ کی یاد میں کُو بکُو پھر رہے ہیں۔ یہ بڑا فرق ہے' یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے' اس مہربانی کا شکر ادا کرو' یا رب العالمین ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں کہ تو نے حضور پاک ﷺ کی محبت میں ہمیں یہ مقامات عطا فرمائے ورنہ ہم اس بات سے آشنا نہیں تھے............ آپ لوگ

اور سوال پوچھیں............

سوال:

دل میں جو زنگ لگ جاتا ہے اس سے بچنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:

اس کا طریقہ بزرگوں نے بتایا ہے کہ اگر زنگ آ جائے تو ایک تو روزہ مسلسل رکھنے سے دل کا زنگ دور ہو جاتا ہے۔ آپ قائم اللیل اور صائم الدہر ہو جاؤ' رات کو عبادت' قیام کرو اور دن کو روزہ رکھو تو یہ زنگ دُور ہو جاتا ہے۔ مال کے تقسیم کرنے سے یہ زنگ دُور ہو جائے گا' مال کے جمع کرنے سے اگر زنگ لگا تو مال تقسیم کرنے سے زنگ دُور ہو جائے گا۔ والدین کی کسی حکم عدولی سے زنگ لگا تو والدین کی اطاعت سے یہ زنگ دور ہو جائے گا۔ اگر والدین کا وصال ہو جائے تو بھی ان کی کوئی نہ کوئی بات آپ ادب کے ساتھ یاد رکھ سکتے ہیں۔ آپ لوگ سبب کے ساتھ الجھتے رہتے ہیں اور مسبّب کو بھول جاتے ہیں' اس لیے زنگ لگتا ہے۔ بس آپ لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا کرو۔ تو اُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ تو اپنے کام اللہ کے سپرد کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ کو آپ فقیر بن کر Possess نہیں کر سکتے' حاصل نہیں کر سکتے' آپ اس راستے پر چلنے کی تمنا کرتے جاؤ۔ اللہ تعالیٰ جو ہے یہ تمنا کا نام ہے' ایک سفر کا نام ہے اس میں منزل نہیں ہے۔ فانی کے لیے باقی کیسے حاصل ہو' بقاء حاصل ہو سکتی ہے باقی کو' آپ کہاں سے حاصل کرو گے' چونکہ آپ Finite ہیں' آپ محدود ہیں اس لیے لامحدود کے ساتھ آپ کیسے تعارف حاصل کر سکتے ہیں' خالق تو اپنی مخلوق کو پہچانتا ہے' مخلوق اپنے خالق سے کیسے باخبر ہو سکتی ہے جو کہ سب کا خالق ہے۔ اگر آپ ساری زندگی کا مجموعی شعور

حاصل کرلیں تو پھر بھی آپ نے مخلوق کا شعور حاصل کیا مگر آپ کو تو اپنا آپ سمجھ نہیں آ رہا پھر ٹوٹل انسانوں کی بات سمجھ نہیں آ رہی یعنی ماضی کے انسان، حال کے انسان، مستقبل کے انسان اور اگر تمام انسانوں کا شعور آپ کو مل بھی گیا تو یہ شعور ہوگا مخلوق کا شعور۔ اور وہ تو خالق ہے! اگر آپ کو تمام انسانوں کا شعور مل جائے، ستاروں کی گردش کے راز کا شعور مل جائے، زمین کے ذروں کے مقامات کا شعور مل جائے، پہاڑوں کی استقامت کا راز مل جائے، دریاؤں کی روانی کا راز مل جائے، بادلوں کے چلنے پھرنے، دوڑنے، تیرنے کا راز مل جائے، سیپ کے اندر موتی کے بننے کا راز مل جائے، ہر شے سے آگاہی ہو جائے تو یہ مخلوق کی آگہی ہے اور خالق کی آگہی نہیں ہے اور اگر خالق کی آگہی مل جائے تب بھی خالق نہیں ملا۔ آپ بس اِدھر ہی رک جاؤ اور کہو کہ بس ہمیں اتنی ہی سمجھ آئی ہے کہ ہم اپنے خالق کو سمجھ نہیں سکتے یعنی یہ ہمیں سمجھ آ گئی ہے کہ ہم اللہ کو سمجھ نہیں سکتے، بس تو اپنی مہربانی فرما اور یہ ہی ہمارے لیے کافی ہے۔ اگر اللہ ایسے شخص کو کہتا ہے کہ میں تمہیں اور بات بتاؤں تو وہ کہتا ہے کہ نہیں ہمیں تو اتنا ہی کافی ہے اور اب ہمارا سجدہ تسلیم ہے، ہم تیرا شکر ادا کرتے ہیں، جو بھی تو نے ہمیں عطا کیا، اس کا شکر ادا کرتے ہیں۔ سمندر آپ سے کہتا ہے کہ پی لو، کتنا پانی پیو گے، تو آپ کہاں تک پیو گے، آپ کہو بس یہ تیری مہربانی ہے۔ سمندر کیا ہے؟ اس کی مہربانی ہے۔ تو سمندر کا جلوہ ہی کافی ہوتا ہے۔ اگر کبھی ایسا واقعہ ہو کہ ایک آدمی کسی بڑے دربار میں سوال لے کر جائے اور اسے بادشاہ نے بلا لیا، وہ جو عام طور پر کسی کو نہیں بلاتا اس نے بلا لیا، اور یہ پوچھ لے کہ کیا تکلیف ہے، تو اب تو آپ کی تکلیف ختم ہو چکی، اب وہ تکلیف بیان کرنا گستاخی ہے، جاننے والے کے پاس مرض بیان کرنا

گستاخی ہے' اور جب دینے والا جو بن مانگے دے رہا ہے وہاں سوال کرنا بھی گستاخی ہے۔ وہ اگر بلا لے تو پھر آپ کیا سوال کر رہے ہیں کیوں کہ وہ سوال آپ جس زمانے کا کر رہے ہیں وہ دوری کے زمانے کا سوال ہے جب کہ یہاں قُرب مل چکا ہے۔ تو دُوری کا سوال آپ قُرب میں کیسے کریں گے۔ اس لیے آپ اپنے سوالات سے بچیں۔ یہ دُوری کے سوالات ہیں کہ "یا اللہ مجھے وہ چیز دے جس سے آپ سے دور رہ کر زندگی Enjoy کی جاسکتی ہے"۔ تو یہ بات کیا ہوئی۔ یعنی آپ لوگ دعاؤں سے زندگی کی کامیابیاں حاصل کرتے ہیں اور جب کامیابیاں آپ کو تکلیف دیتی ہیں تو پھر آپ روتے ہیں۔ اب اللہ تعالیٰ نے آپ کو قُرب عطا کیا اور آپ نے اس سے دعا مانگی کہ ہمیں زندگی عطا کر' زندگی میں آسانی عطا فرما' آسائشیں عطا فرما' اللہ نے فرمایا Allright here it is, I will see what happens. اب وہ آسانیاں اور آسائشیں آپ کو خدا سے غافل کر رہی ہیں۔ اب آپ کہتے ہیں کہ دل میں سکون نہیں ہے' تو اب سکون کدھر سے آئے گا کیوں کہ سکون عطا کرنے والی ذات سے آپ نے جدائی مانگی ہے۔ آپ کو ایک مثال سے' کہانی سے بات آسانی سے سمجھ آئے گی۔ ایک شخص عبدالرب نشتر گورنر بن گئے۔ ان کے پیر آغا تجمل صاحب تھے اور وہ شاہ محمد غوث میں بیٹھتے تھے' آغا صاحب پشاور کے رہنے والے تھے اور نشتر صاحب ان کے مرید تھے۔ نشتر صاحب کہنے لگے کہ میں نے سیاست میں حصّہ لے لیا ہے اور آپ مجھے کچھ مرتبہ عطا کر دیں تو آغا صاحب نے فرمایا کیا چاہیے؟ اس نے کہا گورنری! تو جو سننے والے گواہ تھے وہ بتاتے ہیں کہ آغا صاحب نے فرمایا کہ چل جا تو گورنر ہو جائے گا۔ In due course وہ گورنر بن گئے۔ کچھ عرصہ بعد وہ پھر

آغا صاحب کے پاس گئے تو انہوں نے پوچھا کہ سنا بھئی کیا حال ہے، گورنر کس طرح کا ہوتا ہے؟ کہنے لگا کہ بہت اچھا ہوتا ہے، پھر کہنے لگا کہ آغا جی سکون کوئی نہیں ہے۔ کہنے والے کہتے ہیں کہ آغا صاحب نے قہقہہ لگایا جب کہ وہ کبھی قہقہہ نہیں لگاتے تھے۔ تو یہ پوچھنے لگے کہ آپ نے قہقہہ کیوں لگایا ہے؟ فرماتے ہیں کہ سکون تو تو نے مانگا نہیں تھا۔ تو نے مانگا کچھ اور تھا، تو اب کدھر سے سکون ملے۔ جو چیز مانگنے والی تھی وہ تو نے مانگی نہیں ہے اور جو چیز نہیں مانگنے والی تھی وہ تو مانگ کر لے گیا، تو اب سکون کدھر سے پائے گا۔ کہنے لگے کہ اب گورنری کو چھوڑ، تو وہ کہتا ہے کہ چھوڑ نہیں سکتا۔ تو پھر سکون کہاں سے ملے گا۔ لہٰذا اب سکون کو چھوڑ اور ٹھنڈی آگ میں جلتا رہ۔ تو یہ کہانی اتنی ساری ہے۔ اس لیے صاحبانِ عقل و بصیرت آپ کے سکون کے اندر اللہ اور آپ دونوں ہوتے ہیں، اس میں اولاد نہیں ہوتی، ایمان کے اندر آپ اور اللہ ہوتے ہیں، اولاد نہیں ہوتی، عبادت میں بھی آپ اور آپ کا اللہ ہوتے ہیں۔ تو یہ اتنی سی کہانی آپ سمجھ لیں کہ اگر اللہ کا تقرب آپ مانگ رہے ہیں تو اللہ سے اللہ کے سوا کچھ نہ مانگو......

تیرے سوا کروں پسند کیا تیری کائنات میں
دونوں جہاں کی نعمتیں قیمتِ بندگی نہیں

اب آپ کو دونوں جہاں کی نعمتیں ملیں تب بھی مت لو، آپ کہو کہ بس مجھے یہی مقام حاصل ہے۔ جب آپ بادشاہ کے دربار میں پہنچ گئے تو اب آپ بادشاہ سے مانگتے کیا ہو، جب اس نے قریب بلا لیا تو اب آپ نے مانگنا کیا ہے۔ اس لیے آپ وہاں پر سوال کو ختم کر دو۔ یہ تقرب کا اعلیٰ درجہ ہے کہ جہاں مقرب سوال ختم کر دیتا ہے اور سوال کرنے والا تقرب سے باہر نکال دیا جاتا ہے یعنی کہ

وہ کہتا ہے کہ جی وہ چیز چاہیے' فرماتے ہیں کہ لے جا' اور وہ چیز اس کو دے دی' جب وہ چیز لے کر جائے گا تو پھر بات سمجھ آئے گی کہ میں تو قریب تھا' اب دوسرا سوال کروں' تو دوسرے سوال تک وہ دور جا چکا ہوتا ہے۔ اب وہ تقرب کہاں اور اب وہ زمانہ کہاں...... آپ کو جب قرب عطا ہو جائے تو قرب کے زمانوں کو سوال سے ضائع نہ کرنا' خاص طور پر سوال دنیا سے۔ یہ بات یاد رکھنے والی ہے۔ اس لیے دل کے زنگ کا علاج کیا ہے؟ کہ آپ کے اندر حبِ دنیا نہ آئے' جب پیسہ آئے تو آپ اس پیسے کو تقسیم کر دو محتاجوں' غریبوں کو کھلا دو' ان میں مال تقسیم کر دو' بزرگانِ دین کی اطاعت اور صحبت سے اور اطاعت سے بھی دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے اور یہ اللہ کا فضل ہے۔ عام طور پر دل کے زنگ کو دور کرنے والا جو کیمیکل ہے وہ آنسو ہیں' یا پھر توجہ ہے' توجہ کسی اور کی ہوتی ہے اور آنسو آپ کے ہوتے ہیں۔ تو اس طرح بھی دلوں کا زنگ دور ہو جاتا ہے۔

سوال:

کیا مصنوعی آنسو دل کا زنگ دور کر سکتے ہیں؟

جواب:

اگر ایسے آنسو آپ کو آئیں تو آپ خود ہی بتاؤ کہ وہ کیسے ہیں جب کہ دوسرے کے آنسو مصنوعی ہوں تب بھی آپ اسے اچھا سمجھیں۔ آپ کو مصنوعی آنسو نہیں آ سکتے اور جب کوئی منظور ہو جائے تو پھر مصنوعی کیا اور اصلی کیا۔ نیم شب مصنوعی آنسو اور رونی شکل جو ہے یہ بھی منظور ہو جاتی ہے۔ اگر آپ آدھی رات کو جھوٹے آنسو اور رونی صورت بنا لیں تو وہ بھی منظور ہو جاتے ہیں۔ وہ ایسا وقت ہوتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ ہے کوئی مانگنے والا جسے ہم شفاء دیں' ہے کوئی

قرض دار جس کا ہم قرض اتار دیں، ہے کوئی سوال کرنے والا جس کا ہم سوال پورا کر دیں۔ اور اس وقت ایک ایسا وقت بھی آتا ہے کہ اللہ فرماتا ہے کہ جو جاگنے والے ہیں ان سب کو پار کر دیا جائے۔ اگر کوئی بیمار جاگنے والا تھا تو اس کو بھی پار کر دیا گیا اور یہ بھی ہوتا ہے کہ جتنے درد والے اس وقت جاگ رہے ہوں ان کو فقیر بنا دیا جائے' دانت کے درد والے کو فقیر بنا دیا گیا' وہ کہتا ہے کہ میرا نام کیسے فقیروں میں آیا؟ حکم ہوا کہ جو درد میں مبتلاء ہے ان کو فقیر بنا دو۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے درد تو تھا لیکن دانت کا تھا۔ بس یہ مالک کی مرضی ہے۔ تو آپ جھوٹے آنسو بھی چلنے دو۔ سچوں کے ساتھ جھوٹوں کو بھی چلنے دو' ان کو معافی دے دو۔

سوال:

اللہ تعالیٰ سے ہمیں کیا مانگنا چاہیے جس سے اللہ ناراض بھی نہ ہو؟

جواب:

اللہ تعالیٰ سے آپ غیر اللہ نہیں مانگ سکتے

تیرے سوا کروں پسند کیا تیری کائنات میں

اللہ سے اللہ کے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت مانگو' اللہ سے اللہ والوں کا تقرب مانگو۔ آپ اللہ سے وہ بات مانگ سکتے ہو جو آپ کو اللہ کی راہ پر گامزن کرے یعنی وہ بات جو اللہ سے قریب کرے۔ وہ بات جو بالعموم اللہ سے دور لے جاتی ہو وہ اگر آپ کو مل بھی گئی تو آپ کا رابطہ اللہ سے کٹ جائے گا۔ لوگ عام طور پر حبِ دنیا کی بات اللہ سے کرتے ہیں۔ حُبِ دنیا میں عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ اَلْھٰکُمُ التَّکَاثُرُ حَتّٰی زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ کہ تم کو کثرت نے غافل کر دیا' کثرت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ازواج' اولاد اور اموال' ان کی کثرت جو ہے عام

طور پر انسان کو غافل کر دیتی ہے اور یہی رکاوٹ ہوتی ہے۔یہاں Terminology کی بات نہیں ہو رہی کہ لفظ کیا ہے؟ یہ لفظ کا مفہوم ہے۔اللہ سے آپ نے جو مانگا ہے پہلے آپ یہ دیکھو کہ کیا مانگ رہے ہو۔وہ چیز جو آپ کو کسی اور سمت میں لے جا رہی ہے آپ اللہ سے وہ چیز نہ مانگو کہ اے اللہ تعالیٰ آپ اپنے علاوہ کوئی اور چیز دے دو یعنی آپ سے دور لے جانے والی اشیاء۔

سوال:

انسان اپنی حقیقی ضروریات تو مانگ سکتا ہے کہ نہیں؟

جواب:

حقیقی ضروریات تو وہ عطا کرتا رہتا ہے۔میں آپ سے یہ نہیں کہتا کہ نہ مانگا کرو، آپ بے شک مانگا کرو۔میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں کہ تقرب اور چیز ہے، سوال اور چیز ہے!

تقرب حاصل کرنے والے جو ہیں وہ اور لوگ ہیں، تقرب حاصل کرنے والے حقیقی خواہشات اور حقیقی ضروریات نہیں رکھتے، ان کی ایک ہی حقیقی ضرورت ہوتی ہے یعنی تقرب! اور وہ باقی تمام خواہشات اس راستے میں نثار کر دیتے ہیں۔وہ کوئی اور دیوانے لوگ ہوتے ہیں، ان کے پاس صرف تقرب ہی تقرب رہ جاتا ہے۔عام آدمی کے لیے دعا ہے ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنة و فی الاٰخرة حسنة و قنا عذاب النار. یا اللہ دنیا دے اچھی بیوی دے، اچھی اولاد دے اور اچھا مال دے اور کچھ شہرت بھی دے، کچھ دنیا میں زندگی میں ٹھہرنے کے لیے بھی دے، مکانات بھی ہمارے اچھے ہونے چاہییں، عام طور پر کثرتِ خواہش ہماری پوری فرما اور بعد میں تو آخرت میں ہمارے ساتھ راضی

رہ اور آگ سے بچا۔ یہ دعا تو ہے لیکن یہ فقیری نہیں ہے۔ یہ زندگی ہے لیکن اس میں فقر کی کوئی بات نہیں ہے۔ فقر کی بات کربلا سے شروع ہوتی ہے......

کچھ لوگ کہتے ہیں جو ماسوائے عبادت سے بے نیاز کرے، وہ بندگی وہ سجود و قیام پیدا کر۔ جب آپ کو نماز مل گئی تو پھر آپ نے اور کیا لینا ہے۔ شکر ادا کرو کہ نماز مل گئی اور اس طرح آپ دوسری نماز میں آ جاؤ گے اور اس طرح آنا جانا جاری رہے تو میرا خیال ہے کہ یہ کافی ہے، باقی ضروریات تو پوری ہوتی جا رہی ہیں، انشاء اللہ تعالیٰ۔ وہ خدا کو نہ ماننے والے کافر کی ضروریات پوری کر رہا ہے روٹی کھانے کے لیے خدا کو ماننا ضروری بھی نہیں ہے کیوں کہ کافر کے پاس وافر مقدار میں روٹی ہوتی ہے بلکہ وہ ساری دنیا کو دیتا رہتا ہے۔ ہم بزرگوں کی کہانی سناتے ہیں کہ کسی کو ایک درویش نے سو روپے دے دیے، بڑے شاہ دل درویش تھے۔ اور اِدھر امریکہ نے پچیس ملین ڈالر معاف کر دیے، غریب نوازی کے ہم لوگ وارث ہیں جب کہ یہ لوگ وہ کام کر رہے ہیں کہ آپ کو پچیس ملین ڈالر فری ایڈ دے دی، آپ کے بچوں کو بیماریوں سے بچانے کے لیے ویکسین کی صورت میں فری ایڈ آ رہی ہے، یونیسکو کا فری پروگرام آ گیا، کئی ملین ڈالر فری آ گئے، کئی ہزار جیپیں پسماندہ ملکوں کو سپلائی کر دیں۔ تو یہ انگریز لوگ تمام کام غوثوں والے کر رہے ہیں جب کہ یہ کافروں جیسے ہیں۔ آپ جس کام کے لیے اللہ کو Involve کرتے ہیں وہ یہ کام خود بخود کر دیتے ہیں۔ جاپان جو ہے کسی خدا کو نہیں مانتا لیکن وہ کاریں بناتا پھرتا ہے، جاپان میں ذرہ بھر لوہا پیدا نہیں ہوتا، وہ لوہا کہیں اور پیدا ہوتا ہے اور وہ لے کر یہ کام کرتا ہے، یہاں تک کہ امریکہ اپنے ملک میں جاپان کی ٹریڈ سے خوف زدہ ہے۔ الیکٹرونکس کے سامان میں تو جاپان نے سب

کو مات کر دیا ہے' امریکہ تک خائف ہے کہ ایک دن یہ ہمیں مار دے گا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ سارے واقعات محنت کے واقعات ہیں' محنت کے واقعات کو آپ دعا سے حل کرنا چاہتے ہیں' اس بات کا دھیان رکھنا چاہیے۔ باقی دعا کا تعلق اور بات سے ہوتا ہے...... ماننے والوں کے لیے دعا کا مقام جو ہے یہ تقرب کی منازل طے کرانے کے لیے ہے' یہ ضروریاتِ زندگی کو پورا کرنے کے لیے نہیں ہے' ضروریات تو آپ ہاتھ سے کمالو' اللہ نے آپ کو کہاں روکا ہے' آپ کماؤ اور کھاؤ۔ اگر آپ کو شہرت چاہیے تو سیاست میں داخل ہو جاؤ۔ پھر سیاست دان آپ کے سامنے تقریر کرے گا' اس طرح الیکشن کا ٹائم آنے پر کسی کو وزیر' کسی کو وزیرِ اعظم اور کسی کو مشیر بنا دیا جائے گا۔ یعنی کسی کو کیا بنا دیا اور وہ کیا سے کیا بن گیا جب کہ انہیں بنانے والے آپ لوگ ہیں' پاکستان میں عوام سر چشمہ طاقت ہیں اور یہ طاقت کا سر چشمہ کمزوری میں مبتلاء ہوا پڑا ہے۔ عوام کو طاقت کا سر چشمہ کہنے سے آپ کی کمزوریاں چھپتی نہیں ہیں۔ مگر طاقت کا سر چشمہ وہی ہے جو ہے' آپ لوگ ایسے ہی جھوٹی شہرت میں نہ آ جانا' آپ نے کیا کر لینا ہے' آپ کچھ نہیں کر سکتے۔ انتخابات میں جانا' ووٹنگ کرنا' جمہوری حق استعمال کرنا' غیر جمہوری باتیں کرنا' مگر آپ کو بات سمجھ نہیں آ رہی کہ ملک کے لیے کون اچھا ہے اور کون برا ہے' آپ کے ساتھ کیا ہو جائے گا' آپ کے شہر کا کیا ہو جائے گا' کیا آپ کے شہر کی سڑکیں بن جائیں گی۔ زندگی اگر پریشان ہے تو پھر برا وقت ہے' اچھا انسان اگر پریشان ہے تو برا وقت ہے' اور برا وقت ٹلنا ہی چاہیے' بری گھڑی ٹلنی چاہیے۔ تو برا وقت کون سا ہوتا ہے؟ جب اچھے آدمی پریشان ہوں۔ ہمیں ایسا ملک چاہیے کہ اچھے آدمی کے لیے اچھا وقت ہو' اچھی زندگی ہو۔ اچھا آدمی کون ہوتا ہے؟ جو

لوگوں کے لیے بے ضرر ہو، جو لوگوں کو نقصان نہ پہنچاتا ہو اور اگر اس کے پاس مال یا طاقت ہو تو وہ لوگوں کو فائدہ پہنچائے ...... تو ایسا آدمی اچھا آدمی ہوتا ہے۔ اچھا آدمی وہی ہے جو لوگوں کے لیے رحمت کا باعث ہو، مہربانی کا باعث ہو۔ اچھے آدمی کو اچھا وقت ملنا چاہیے اور اگر ایسا ہے تو ایسا دور اچھا ہوتا ہے۔ جمہوریت اچھی ہے کہ مارشل لاء اچھا ہے؟ اچھا آدمی جو ہے اس کے ساتھ ہر چیز اچھی ہو جاتی ہے۔ اس لیے یہ بڑے عجیب و غریب واقعات ہیں' ان کو سمجھو۔ آپ اللہ سے مانگو۔ کچھ باتیں اللہ سے مانگو اور کچھ باتیں پوری کر لو' آپ کماتے جاؤ' کھاتے جاؤ اور رونقیں لگاتے جاؤ' آپ کو کسی نے منع نہیں کیا۔ آپ کو اللہ اگر کبھی ملے تو اللہ سے سجدے کی اجازت مانگو یعنی کہ وہ سامنے ہو اور آپ اس کو سجدہ کرو۔ تو آپ اللہ سے وہی چیز مانگو جو اللہ کی محبت ہے ...... ہاں اور سوال پوچھو......

سوال:

اللہ سے تو ہم مانگتے ہی رہتے ہیں چاہے وہ چیز میسر آئے یا نہ آئے۔

جواب:

تو آپ اللہ سے مانگتے ہی رہو چاہے وہ دے چاہے نہ دے۔ جن کو توفیق ملی وہ مانگتے ہی گئے۔ جنہیں عرفان ملا انہوں نے کہا کہ یا اللہ ہم تجھے نہیں پہچان سکتے! اللہ کا راستہ صرف اللہ کے شوق کا راستہ ہے حاصل کا راستہ نہیں ہے۔ یہ راستہ صرف شوق ہے' سفر ہے اور اس سفر کے بعد کیا ہوگا؟ پھر ایک اور سفر ہوگا' حاصل کیا ہوگا؟ پھر سفر۔ تو سفر سے پہلے بھی سفر ہے اور سفر کے بعد بھی سفر ہے۔ اللہ کا راستہ طے نہیں ہوتا' یہ اس کی خوبی ہے' اس میں صرف آپ چلتے چلو' اور چلتے

چلو...... اس راستے پر چلنے والے ہی چلنے والے ہیں۔

سوال:

یہی ہماری بدقسمتی ہے کہ ہم......

جواب:

اگر آپ یہی فقرہ کہہ کر مر جاؤ تو آخری فقرہ آپ کی ''بدقسمتی'' کا ہوگا اور اس کا مجھے بڑا افسوس ہوگا۔ آپ کبھی ایسا فقرہ نہ نکالو کہ فوراً موت آ جائے تو وہ غلط فقرہ رہ جائے۔ آپ اس طرح فقرہ بناؤ کہ میری خوش قسمتی یہ ہے کہ میں آج کے بعد کسی سے بھی تقابل نہیں کروں گا اور اپنا سفر طے کرتا جاؤں گا۔ اور اللہ کیا ہے؟ وہ آپ کے سفر کا نام ہے، شوق کا نام اللہ ہے، حاصل کا نام اللہ نہیں ہے۔ اور جن لوگوں نے کہا کہ ہم نے اللہ کو پالیا وہ کچھ حجاب ہی پا گئے۔ اللہ کو پانا نہیں ہے۔ یہ آخری سانس میں فیصلہ ہوتا ہے اور یہ فیصلہ کون کرتے ہیں؟ جنازہ اٹھانے والے، کہ یہ اللہ والا تھا۔ اگر خود اس نے کہا کہ میں اللہ والا ہوں تو میرا خیال ہے کہ وہ حجاب والا ہے۔ لہٰذا اپنی زبان سے فیصلہ نہیں کرتے۔ بس آپ اللہ کے راستے پر چلتے چلیں

؎ ہر اک مقام سے آگے مقام ہے تیرا
حیاتِ ذوقِ سفر کے سوا کچھ اور نہیں

بس آپ چلتے جاؤ اور چلتے جاؤ۔ اتنی ساری زندگی ہے، اس میں کیا مقامات ہیں اور کیا مقامات نہیں ہیں، بلکہ مقامات تو سب پیچھے رہ جاتے ہیں۔ آپ مقامات میں نہ کھو جانا، آپ صرف چلتے جاؤ............

ہاں کوئی اور سوال ہے تو پوچھو......

سوال:

غلطی اور تقدیر میں کیا فرق ہے؟

جواب:

جس کو آپ غلطی کہہ رہے ہیں تو یہ آپ کی اپنے ساتھ ہے اور اگر آپ کا کچھ حاصل ہے تو آپ اس کو تقدیر کہہ سکتے ہیں۔ تقدیر جو ہے، مقدر جو ہے یہ مہربانی کا نام ہے۔ جب تک آپ کو اللہ کی مہربانی کی سمجھ نہ آئے اس وقت تک اسے مقدر نہ کہو، تقدیر نہ کہو اور اگر سمجھ آنی شروع ہو جائے تو پھر آپ اسے تقدیر کہہ لیں۔ تقدیر غلط نہیں ہوتی ہے اور تقدیر تو بس تقدیر ہوتی ہے۔

تو اب دعا کرو۔ تمام لوگ جن کے عزیز، رشتے دار، قریبی دوست کی صحت کی کمزوری ہے ان کے لیے دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ بیماروں کو شفاء عطا فرمائے اور آپ سب یہ دعا ضرور کیا کرو۔ یارب العالمین جو ہم لوگ موجود ہیں تو ہمارے قرب و جوار میں، ہمارے دلوں کے عزیز محرم جو ہیں ان کو صحتِ کاملہ عطا فرما۔ اور اگر کسی کو پیسے کی جائز تنگی ہے تو یا اللہ تو آسانیاں عطا فرما اور یہ تکلیفیں دور فرما۔ ہمارے راستے دشواریوں سے آزاد کر، یارب العالمین ہمارے خیال کو حجاب سے آزاد فرما۔ یارب العالمین ہمارے ایمان کو کفر سے بچا، ہمارے دلوں کو زنگ سے بچا اور یارب العالمین ہماری روح کو اپنی آشنائی سے منور فرما۔ اور مہربانی فرما۔ آمین۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا و سندنا و مولٰنا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین.

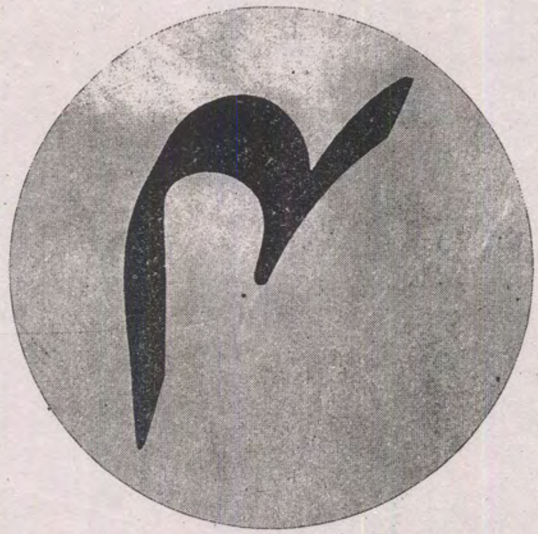

١ ایسا کیوں ہے کہ جو اللہ والے ہیں وہ زیادہ تر غیر معروف ہیں جب کہ مصنوعی پیر بڑے مشہور ہیں۔

٢ رمضان شریف کی فضیلت کے بارے میں کچھ بتائیں۔

٣ پہلے آدھے سال کے روزے تھے اور نمازیں سو سے کم ہو کر پانچ رہ گئی ہیں تو کیا یہ باتیں سچ ہیں؟

٤ کہتے ہیں کہ سفر میں اگر نماز قصر نہ کریں تو یہ ناشکری ہے' اسی طرح سفر میں روزے نہیں رکھنے چاہییں۔

٥ ایسا کیوں ہے کہ ہم دوسروں کے لیے مسئلہ کھڑا نہیں کرتے مگر دوسرے ہمارے لیے مسائل کھڑے کرتے ہیں؟

٦ یہ کہا جاتا ہے کہ بینکوں میں جو زکوۃ کاٹی جاتی ہے یہ ٹھیک نہیں کیوں کہ اس کا استعمال نہیں ہوتا۔

٧ سر! یہ شب قدر جو ہے کیا یہ مخصوص وقت کا نام ہے؟

سوال:

ایسا کیوں ہے کہ جو اللہ والے ہیں وہ زیادہ تر غیر معروف ہیں جب کہ مصنوعی پیر بڑے مشہور ہیں۔

جواب:

کسی چیز کا آپ کوئی فارمولا نہیں بنا سکتے کہ کون گمنام زندگی بسر کرتا ہے اور کون مشہور زندگی بسر کرتا ہے۔ اس میں بے شمار Exceptions ہیں' استثناء ہیں۔ بہت کم اللہ والے ایسے ہوئے ہیں جن کا نام دنیا کو معلوم نہیں ہے اور تقریباً سب اللہ والوں کا نام لوگوں کو معلوم ہے۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ زیادہ تر کا نام بعد میں معلوم ہوا۔ یہ اللہ کے کام ہیں' جس کو چاہے اور جب چاہے ظاہر کر دے اور جس کو چاہے مخفی کر دے۔ جس نے خود کچھ بننا ہے وہ خود شہرت اختیار کرے گا' اس لیے کچھ بنے گا اور جس کو اللہ نے بنانا ہے اُس کو شہرت کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ جس نے اللہ کے حکم کی اطاعت کرنی ہے وہ تو کہے گا کہ پھر اللہ ہی جانے اور اللہ کا کام جانے اور جس نے خود کاروبار کرنا ہے وہ اشتہار ضرور دے گا کیونکہ اشتہار کے بغیر یہ کاروبار نہیں چلتا اور جو اللہ کا حکم ہے اُس کو اشتہار کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے۔ اس لیے آپ نے یہ دیکھنا ہے' سوچنا ہے' کیا اشتہار والے اور کیا

بغیر اشتہار والے' کیسا اشتہار اور کس کا اشتہار' آپ صرف اپنا رستہ گزاریں اور اردگرد نہ دیکھیں۔ جس کو اللہ چاہے اور جتنا چاہے دے۔ اس طرح عام طور پر دقت ہو جاتی ہے یعنی خود ساختہ کو بڑی دقت ہوتی ہے' جس بے چارے نے خود اپنا کاروبار بنانا ہے اُس کو بڑی دقت ہوتی ہے اور اُسے بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔ جھوٹی سچی کرامتیں بیان کرنی پڑتی ہیں تاکہ لوگوں میں ذرا پروپیگنڈہ ہو' اطلاع ہو اور جس کو یہ پکا پتہ ہوتا ہے کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے' دوستی اللہ کے ساتھ ہے تو اُس کو مخلوق میں زیادہ مشہور ہونے کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے۔ اللہ والا تو صرف اللہ کا خیال رکھے گا اور دنیا سے فوائد لینے والے ضرور اشتہار لگائیں گے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ دنیا کے اشتہار سے گریز کریں اور آپ صداقت کے ساتھ سفر کریں۔ آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ صداقت کو شہرت کی ضرورت نہیں ہوتی' تو آپ اپنی صداقت کو حاصل کریں تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ آپ کے لیے سچا راستہ کیا ہے۔ سب کا دین اسلام ہے اور آپ کو کتنے ہی مسلمان یہاں مل جائیں گے جو پاکستان کے دشمن ہیں۔ سرحد میں اور سندھ میں کئی لیڈر ہیں جنہیں پاکستان پسند ہی نہیں آیا۔ اسی طرح اور کئی جماعتیں ایسی تھیں جنھوں نے شروع شروع میں پاکستان کو قبول نہیں کیا' قائداعظمؒ کو قبول نہیں کیا' ابوالکلام نے پاکستان کو قبول نہیں کیا' ابوالکلام چھوٹا لفظ نہیں ہے مگر اُس نے پاکستان کو قبول نہیں کیا۔ کئی دینی جماعتوں نے پاکستان کو قبول نہیں کیا۔ لوگ قائداعظمؒ کو کافر اعظم بھی کہتے رہے ہیں' مسلمان ہیں لیکن اُس آئیڈیے کے خلاف ہیں۔ اس میں اُن کی مجبوری یہ تھی کہ وہ کہتے تھے کہ آج تک جو ہم نے سیکھا ہے' مسلمان ہونا اور اسلام پر چلنا' اُس میں قائداعظمؒ فٹ نہیں ہوتا۔ اُن بے چاروں کی

Trouble بھی ٹھیک تھی، اور جائز تھی، اُن کو بڑی تکلیف تھی کیونکہ وہ سب لوگ یہ کہتے تھے کہ ہم نے اسلام کا جو فارمولا دیکھا ہے، اس فارمولے سے ہم نے اور طرح سے سیکھا ہے، قائدِ اعظمؒ اس میں مسلمانوں کے لیڈر کے طور پر کیسے فٹ ہوتا ہے۔ تو اُن کی تکلیف بجا تھی۔ ابوالکلام آزاد کو بھی یہی تکلیف تھی، وہ کہتے تھے کہ جن لوگوں کے ساتھ مل کے آپ پاکستان بنا رہے ہیں، یعنی اسلامی مملکت بنا رہے ہیں تو یہ لوگ اسلامی نہیں لگتے اور آپ لوگوں کو لے کر جا رہے ہو کہ ہم خطۂ اسلام بنائیں گے، یہ تو بتاؤ اسلام کے ساتھ لیاقت علی کا کیا تعلق ہے؟ اسلام کا تو ہمارے ساتھ تعلق ہے کیونکہ ہم بہت پکے مسلمان ہیں۔ تو وہ ابوالکلام بھی ہیں اور ویسے بھی تیز کلام ہیں، تو اسلام کا تعلق اس کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ مگر اسلام تو یہ ہے کہ جہاں مصلیٰ بچھایا وہیں اسلام قائم ہو گیا مگر یہ بات ان کو سمجھ نہیں آئی کہ آپ اُن کو لے کر جائیں گے اور خطۂ اسلام بنائیں گے۔ دراصل وہ فطرت کو سمجھ نہیں سکے، قائدِ اعظمؒ کو سمجھ نہیں سکے، اقبالؒ کو سمجھ نہیں سکے، کہتے تھے کہ اقبالؒ کدھر سے مسلمانوں کا لیڈر آ گیا، کمال کا آدمی ہے، اس کی زندگی بھی اور طرح کی ہے اور کہتا یہ ہے کہ ؎

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں

غلغلہ ہائے الاماں کرتا رہا ہے اور پتہ نہیں کیا کیا کہہ گیا، تو یہ ٹھیک بات نہیں ہے، یہ ایسی باتیں کیسے کہتا رہتا ہے؟ تو وہ لوگ یہ کہتے رہتے تھے کہ یہ اپنے پاس سے کہتا ہے۔ اور کچھ کہتے تھے کہ یہ اپنے پاس سے ایسی بات کہہ نہیں سکتا، اللہ کے عجیب کام ہیں کہ اس کو فیض دے دیا اور ہم اسلام اسلام کرتے رہ گئے اور ہمیں وہ بات سمجھ ہی نہیں آئی۔ تو اس سے ان لوگوں کو بڑی دقت ہوئی، بہت پریشانی ہوئی،

چلوانہوں نے حآلی کی بات تو مان لی کہ یہ مولانا حالیؒ ہیں اور ''مسدس'' کی حد تک تو ٹھیک ہے مگر اقبالؒ جو ہے یہ ٹھیک نہیں ہے۔ آپ یہ بات یوں سمجھیں کہ حالیؒ بھی ایک ہی ذات ہے اور اقبالؒ بھی ایک ہی ذات ہے اور قائداعظمؒ بھی ایک ہی ذات ہے' تو پھر سارا مسئلہ سمجھ آ جاتا ہے یعنی کہ سب نے ترتیب وار کام کیا یعنی پہلے حآلی کی شکل میں کام کیا' پھر اقبالؒ کی شکل میں کام کیا اور آخر میں قائد اعظمؒ کی شکل میں کام کیا اور مسلمانوں کو خطہ بنا کر دے دیا۔ اور وہ جو پروپیگنڈہ والوں کا خیال تھا' صداقت کے بغیر جو لوگ پروپیگنڈے میں تھے وہ پریشان رہے۔ اور جو صداقت والے تھے انہوں نے اُس وقت مسلمانوں کی تحریک کا ساتھ دے دیا یعنی بزرگوں نے' مشائخ کرام نے ساتھ دیا' درویشوں نے ساتھ دیا' اولیائے کرام نے ساتھ دیا اور دین کے Real بزرگوں نے ساتھ دیا۔ تو اس طرح یہ واقعہ ہو گیا۔ تو یہاں آ کر بنیادی فرق آ جاتا ہے کہ وہ شخص جو اپنی مرضی سے ''مشائخ کرام'' بنے وہ اپنے تحفظ کا خود آپ ذمہ دار ہے اور جس کو اللہ نے بنایا اُس کا اللہ ہی ذمہ دار ہے۔ لہٰذا قائداعظمؒ جیت گئے اور اپنے تحفظ والے اپنا تحفظ کرتے رہ گئے۔ تو صداقت جو ہے وہ پروپیگنڈے سے گریز کرتی ہے۔ اُس کو تحفظ کہاں سے ملتا ہے؟ صداقت آپ کے ملک میں بے شمار موجود ہوتی ہے' آج سے پہلے جانے والی اور آج کے بعد آنے والی' یہ دونوں صداقتیں نگران ہوتی ہیں۔ آپ بات کو سمجھیں' مثلاً ایک آدمی عبادت کر رہا ہے زور وشور سے عبادت کر رہا ہے' راتیں جاگ رہا ہے' شب بیداری میں ہے' اقبالؒ نے جو کلام لکھ دیا تو اس کی شب بیداری نہیں ہے' شب بیداری تو کوئی اور چیز ہے اور کلام تو اُس کا تھوڑا سا ریکارڈ ہے۔ اگر آپ کو یہ راز سمجھ آ جائے تو آپ کی

بہت ساری دقتیں حل ہو جائیں گی۔ جو ریکارڈ موجود ہے اور جس ذات کا وہ ریکارڈ ہے اُس ذات کا شعور ریکارڈ سے نہیں ہوسکتا۔ اگر یہ بات سمجھ آئی تو پھر ساری بات سمجھ آ جائے گی۔ مطلب یہ ہے کہ اگر آپ سیرت کی کتابیں پڑھو تو سیرت پڑھنے سے حضور اکرم ﷺ کی زندگی کا مکمل شعور نہیں ہوسکتا کیونکہ سیرت تو ایک ریکارڈ ہے اور ذات تو نہیں ہے جس طرح کہ انسان کا فوٹو اس کی شکل کے برابر ہے لیکن فوٹو تو برابر نہیں ہوسکتا، اسی طرح ریکارڈ سے ذات کا شعور مشکل ہے۔ لفظ ''اللہ'' جو ہے یہ اللہ کی ذات کا شعور نہیں ہے' ''اللہ'' ایک ذات کا اسم ہے اور ذات زمان و مکاں پر حاوی ہے بلکہ اس سے بھی بلند ہے اور لفظ ''اللہ'' ایک لفظ ہے جو کاغذ پر ہے' اب آپ کو اس کا شعور کیسے ہو۔ آپ ایک لامحدود اور باقی رہنے والی ذات کا شعور ایک لفظ سے' ایک Written word سے کیسے معلوم کرو گے جب تک آپ لامحدود نہ ہوں۔ اور یہاں سے مسلمانوں کو دقت ہوئی۔ اگر مسلمان نے اللہ کا علم فانی سے لیا ہے تو علم نہیں ملے گا کیونکہ باقی کا علم فانی سے نہیں مل سکتا اور اگر علم باقی سے لیا ہے تو پھر کچھ معلوم ہوگا۔ تو بقاء کو نہ جاننے والا اللہ کا علم نہیں دے سکتا۔ فنا اُس علم کو بیان ہی نہیں کر سکتی۔ جو ہمیشہ رہنے والا ہے اُسے فنا کیسے بیان کرے گی' مر جانے والوں نے زندہ رہ جانے والوں کو کیسے بیان کرنا ہے اور جو سونے والا ہے وہ جاگنے والے کو کیسے بیان کر سکتا ہے۔ اسی طرح حضور اکرم ﷺ کی زندگی جو سیرت میں موجود ہے یہی ساری زندگی تو ہو نہیں سکتی۔ یہ تو وہ ریکارڈ ہے جو معلوم ہے اور جو لامعلوم ہے' وہ؟ یہ دن کی زندگی کا ریکارڈ ہے اور یہ رات کی زندگی کا ریکارڈ نہیں ہے' رات کی زندگی جو ہے وہ پوری موجود ہے' تو اُن کی رات کی ایک زندگی ہے' ایک بیداری کا عالم ہے۔ اور اللہ

کے ساتھ تعلق کی جو زندگی ہے اُس کا بھی ریکارڈ نہیں ہو سکتا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے آپؐ سے وہ بات کی جو بات کی، پھر ہوا جو ہوا، پھر ہوا جو بھی ہوا، پھر جو ہوا سو ہوا۔ اب یہ بات جو ہے یہ آپ کے ریکارڈ میں نہیں آئی۔ پھر اللہ نے فرمایا کہ ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا جو نازل کیا۔ اب یہ وہ بندہ جانے اور بندے کو لے جانے والا جانے۔ یہاں آ کے بات ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اس لیے ریکارڈ میں آنے والی بات سے آپ اُس Relation کو یا اُس ذات کو، اس جانے والی ذات کو یا لے جانے والی ذات کو معلوم نہیں کر سکتے۔ یہاں پہ سب لوگوں کو دقت آئی ہے کہ ان لوگوں نے علم کو کتاب سے حاصل کیا اور پھر وہ علم جو ہے مشاہدے میں نہیں آیا۔ یہی وجہ ہے کہ فارمولے کے مطابق ایک آدمی پورا مسلمان ہے، نماز پڑھتا ہے، کلمہ پڑھتا ہے لیکن پاکستان کو تسلیم نہیں کرتا۔ اب یہاں آ کے آپ کو ایک بات سمجھ آئے گی کہ اسلام کیا ہے اور صداقت کیا ہے۔ کچھ لوگ ہوتے ہیں جو باقی مسلمانوں کو اسلام کے نام پر جہنم کی آگ کی طرف جھونکتے ہیں کہ تم سب کا بیڑا غرق ہونے والا ہے۔ وہ صرف اپنے آپ کو ہی مسلمان سمجھتے ہیں اور ایسے لگتا ہے کہ مسلمان صرف وہ ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی منشائے الٰہی کو نہیں سمجھ سکے۔ جو بد دعا کرتا ہے اُسے بھی اللہ کے منشا کا پتہ نہیں ہے۔ جس نے اسلام کے نام پر قوم کو گمراہ کیا اُس کی بخشش کا کام مشکل ہو گیا ہے اور جس نے اسلام سے دور رہنے کا نعرہ لگا دیا اُس کی بخشش کا کام بھی مشکل ہو گیا۔ مطلب یہ ہے کہ اسلام پر چلنے کے لیے اپنی منشا کو ترک کرنا ہو گا۔ جن لوگوں نے اپنی منشا استعمال کی ہے اُنہی لوگوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ اب آپ گھبرائے بغیر بات سن لو۔ جن لوگوں نے اسلام کو لے کر سیاسی جماعتیں

بنائیں یہ اُن کی اپنی مرضی ہے۔ اکثر ایسا ہوا کہ انہوں نے ایک جماعت کو ایک انداز سے چلایا' ایک منصوبے کے ساتھ چلایا' اپنی قوت کو اپنی جماعت کے رُخ کو مرتب کرنے میں لگایا اور باقی جو مسلمانوں کا Crowd تھا' ہجوم تھا اس کو نظر انداز کر دیا اور نتیجہ یہ نکلا کہ وہ ایک فرقہ بن گئے اور فرقہ بننے سے اجتماعی زندگی دقت میں آ گئی۔ فرقے بنانے والے آدمی کو اگر تو اللہ نے کہا ہے کہ فرقہ بناؤ تو ہم اس کو کچھ نہیں کہہ سکتے اور اگر خود بنایا ہے تو یہ اچھا نہیں کیا' تو وہ لوگ جو خود اپنے ذہن سے اپنے لیے ایک دینی فرقہ بشکل سیاست بناتے ہیں اس کا ذمہ اُن پر ہے اور اگر اللہ تعالیٰ قائداعظم کو دین اور سیاست کا کچھ شعور عطا فرماتا ہے تو یہ اللہ کے کام ہیں۔ اس میں دقت والی کوئی بات تو نہیں ہے۔ آپ لوگوں کے ذمے یہ کام ہے کہ آپ یہ سوچیں کہ ایسا کرنے سے جھگڑا ہو گیا ہے' وہ اپنے ذہن سے بات کر رہا ہے یا اس میں منشائے الٰہی ہے' اگر منشائے الٰہی نہ ہو تو وہاں سے بھاگ جاؤ۔ تو یہ بات آپ کو سمجھ آ جائے گی۔

ایک اور جماعت ہے اور اُس کا تعلق تبلیغ سے ہے' خوب جماعت ہے' لیکن یہ Partition کو' ہندوستان کی تقسیم کو قبول نہیں کرتے ہیں۔ یہاں سوچنے والی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ کا منشا کیا یہ ہے کہ اسلام جو ایک گروہ' اسلام جو ایک جماعت اور اسلام جو ایک دین ہے کیا اُس میں ایک نئی شکل کا نظام پیدا کیا جائے؟ کیا وہ اسلام کی خدمت ہے یا اسلام کے ساتھ زیادتی ہے' اس کی مخالفت ہے۔ اب آپ دیکھیں کہ قادیانی اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں اور باقی جو جمیع المسلمین ہیں وہ ان کو مسلمان نہیں کہتے۔ اس سے اسلام کی Totality کے اندر فرق پڑ گیا' اسلام کی جامعیت میں فرق پڑ گیا۔ وہ فرقہ جو دینی طور پر بنا اس سے

ایک اور فرق پڑ گیا۔ اسی طرح روحانی انداز سے بھی فرقے بنے ہیں۔ وہ جو بڑے بڑے بزرگ تھے سارے یکساں تھے' ان کا سلسلہ ان کی تعلیم کا ایک انداز تھا' ان کی تبلیغ کا ایک انداز تھا' اُن کی ٹریننگ کا ایک انداز تھا اور وہ سارے بزرگ تو ایک جیسے ہوتے تھے۔ جہاں لوگوں میں فرق آ گیا وہاں ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت شروع ہو گئی' اُس وقت سے یہ سارا نظام ذاتی جھگڑا بن گیا' پروپیگنڈے کا بن گیا اور جماعت سازیاں ہو گئیں' مسجد کا مسجد کے ساتھ جھگڑا ہو گیا' بندے کا بندے کے ساتھ مثلاً دیوبندی اور بریلوی کا جھگڑا ہو گیا بلکہ بندے بھی قتل ہو گئے۔ کیا بریلوی لوگ جو ہیں وہ اللہ کو مانتے ہیں؟ بالکل مانتے ہیں۔ آپ لوگ حضور ﷺ کو مانتے ہیں؟ آپ ؐ کی حیاتِ بشری کو مانتے ہیں؟ ہم مانتے ہیں۔ اور دوسرے سے پوچھو کہ آپ کیا مانتے ہیں تو کہتا ہے کہ ہم اللہ کا حکم مانتے ہیں اور یہ ماننے والی بات ہے کہ انا بشر مثلکم جو آیا چلا گیا' حضور اکرم ﷺ بھی.......... آپ اندازہ یہ لگائیں کہ آج تک اس بات پر جھگڑا ہو رہا ہے کہ اسلام کا واقعہ کیا تھا بجائے اس کے کہ یہ مسلمانوں کو اکٹھا کر کے یا اکٹھے ہو کر ایک گروہ کی شکل میں ایک سمت کو چل پڑیں۔ آپ نے دیکھا ہو گا کہ مسلمانوں کو کسی ایک آدمی پر جب مکمل یقین تھا تو قائداعظمؒ کے علاوہ کوئی دوسرا پیر ملا ہی نہیں۔ یہ ایسے ہی اتفاق کی بات ہے کہ ملت کو جو پیر ملا ہے تو وہ قائداعظمؒ تھا۔ یا تو ملت قائداعظمؒ کے پیچھے لگ کر گمراہ ہو گئی یا پھر یہ ہے کہ قائداعظمؒ صحیح ہیں۔ یہ فیصلہ آپ نے کرنا ہے۔ اگر سب لوگوں نے قائداعظمؒ کا ساتھ دے کر غلطی کی تھی تو پھر استغفار پڑھو اور غلطی کی سزا یہ سمجھو کہ آپ نے وطن بھی چھوڑا' مشرقی پنجاب بھی چھوڑا' گھر بار بھی چھوڑا' بڑی اذیت ہوئی' آج بھی تکلیف

ہے، کل بھی تکلیف تھی، مصیبت در مصیبت۔ اور اگر وہ صحیح تھا تو آپ نے جو قربانیاں دی ہیں گھر بیٹھے بیٹھے آپ کو شہادت کا انعام مل گیا، ہجرت کا انعام مل گیا اور آپ کی زندگی ایک مقدس انداز میں داخل ہوگئی۔ اب آپ یہ سوچیں کہ آخر کیا ہوا؟ ایک ملک بن گیا اور اتنی قربانی سے ایک ملک کا بن جانا بڑی بات ہے، دنیا میں ایک نیا ملک پیدا ہو جانا کوئی چھوٹی سی بات نہیں ہے بلکہ Miracle ہے، معجزہ ہے۔ اب آپ یہ سوچیں کہ صداقت کیا ہے اور پروپیگنڈہ کیا ہے؟ اور یہ سوچیں کہ کیوں کچھ لوگ خود مشہوری کا انتظام کرتے ہیں اور کچھ لوگوں کو فطرت کیسے تحفظ دیتی ہے۔ تو بات یہ ہے کہ جو فطرت کر رہی ہے صحیح کر رہی ہے۔ تو اقبالؒ جو ہے وہ صحیح ہے اور اگر آپ اقبال جیسا کچھ بننا چاہیں گے تو آپ غلط ہو جائیں گے۔ تبریزؒ صحیح ہے اور رومیؒ صحیح ہے اور اگر رومیؒ سے تم کچھ نقل کرنی شروع کر دو تو پھر تم صحیح نہیں ہو کیونکہ وہ واقعہ ہی اور ہے، فطرت نے کمال یہ کیا ہے کہ اُس کا کوئی بندہ اُس کے کسی دوسرے بندے سے ملتا نہیں ہے۔ یہ فطرت کے بندے کی بات ہو رہی ہے، عبادالرحمٰن کی بات ہو رہی ہے، عبادالرحمٰن ایک خاص Term ہے کہ

گفتۂ او گفتۂ اللہ بود

کہ اُس کا بندہ جو ہے وہ جو بات کرتا ہے اللہ اُس کی بات پوری فرما دیتا ہے۔ اللہ کے بندوں کی بات یہ ہے کہ اللہ کا خاص بندہ اللہ کے کسی خاص بندے کے عین برابر نہیں ہوا، کوئی پیغمبر کسی پیغمبر کے عین برابر نہیں ہوا کیونکہ فطرت کے پاس وسعت اتنی ہے یعنی اللہ کے پاس اتنی وسعت ہے کہ کوئی ستارہ کسی ستارے کے برابر ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا، وہ دوسرا ایک الگ ہی شان سے ہوگا کل

یوم ھو فی شان ۔ ہر انسان کی الگ شان ہے۔ اللہ کا کوئی بندہ کسی دوسرے بندے کے یا اُس کا کوئی ولی اُس کے دوسرے ولی کے عین مطابق نہیں ہوسکتا اگرچہ ہیں دونوں ولی۔ پراپیگنڈہ جو ہے یہ پراپیگنڈے کے برابر ہوگا' یہ فوٹو کاپی ہوگی۔ آپ یہاں پہ یہ راز جان لو۔ خودساختہ جو ہے یہ فوٹو کاپی ہوگا اور جو بے ساختہ ہے وہ الگ ہی ہوگا۔ یہاں آپ دیکھیں کہ جو لوگ لکیر در لکیر فقیر در فقیر چلے آرہے ہیں یعنی نئے نظام میں پرانی کاپی چلے آرہے ہیں وہاں پہ اصل دقت ہے۔ انہیں یہ بات سمجھ نہیں آئی کہ قائداعظمؒ کیوں ہے اور اقبالؒ کیوں ہے۔ اس لیے اگر آپ زندگی کو اللہ کریم کے حوالے رکھو اور وہ جس طرح آپ کو راستہ دے وہی راستہ صحیح ہے۔ آپ کو میری بات سمجھ آرہی ہے کہ ہم کیا بات کر رہے ہیں؟ ہم بات یہ کر رہے ہیں کہ صداقت جو ہے اُس کو پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں ہوتی ہے اور پروپیگنڈہ وہ انسان کرتا ہے جس کا اپنا پروگرام ہو۔ اگر اللہ کا پروگرام ہو تو اس میں صداقت ہی ہونی چاہیے اور پروپیگنڈہ نہیں ہونا چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ اللہ کے سارے پروگرام دیکھیں تو بے شمار انداز سے نئے نئے لوگ آئے اور نیا نیا کام کر گئے اور یوں پھر دین اسلام کی خدمت ہوتی رہی' جس طرح اقبالؒ ایک الگ انداز ہے اور ایک الگ انداز سے بات آئی قائداعظمؒ کی ایک الگ انداز سے بات آئی۔ تو آپ یہ خیال رکھیں' اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتے ہوئے آپ سمجھ لیں کہ کتاب سے ذات کا شعور نہیں ہوسکتا' ذات کا شعور ذات کے پرتَو سے ہوگا یا محرم ذات سے ہوگا۔ ورنہ وہ شعور حاصل نہیں ہوسکتا۔ کتاب پڑھ کر آپ اس بات کا معنی نہیں ڈھونڈ سکتے کہ رزاق کا کیا معنی ہے۔ رزاق جو ہے وہ رزق دینے والا ہے مگر اس کا اصل مطلب اور

مفہوم کیا ہے اور اس کا فنکشن کیا ہے' اس کا پتہ کتاب سے نہیں چل سکتا۔ اسی طرح اللہ کے مہربانی کرنے کا جو فنکشن ہے وہ سمجھ نہیں آتا' رحمان کا فنکشن سمجھ نہیں آتا' کیا پیدا کرنا رحمان ہے یا زندگی ختم کرنا رحمان ہے؟ یہ بات آپ کو سمجھ نہں آ سکتی۔ کیا امیر بنانا رحمان ہے یا غریب کر دینا رحمان ہے؟ تو اللہ کی رحمت کیا ہے؟ اللہ کی رحمت یہ ہے کہ جو وہ کر رہا ہے وہ رحمت ہی رحمت ہے؟ تو اللہ کی رحمت کیا ہے؟ اور اس بات کا آپ کو جسم کی اس حالت میں شعور نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ چلے جانے والے بزرگوں سے ملنا چاہتے ہیں یعنی جن کا وصال ہو چکا ہے تو پھر یہ جسم تو مل نہیں سکتا۔ روح سے آپ ملاقات کرنا چاہتے ہیں اور جسم کو آپ چھوڑتے نہیں ہیں۔ جب تک آپ جسم کو نہیں چھوڑیں گے تب تک اُن لوگوں سے وصال نہیں ہو گا جن سے آپ ملنا چاہتے ہیں' کوئی بھی بزرگ ہوں' مشائخ کرام ہوں۔ آپ کے اس وجود میں انہوں نے ملنا نہیں ہے اور جس نے ملنا ہے آپ اُس روح کو آزاد نہیں کرتے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ مرنے سے پہلے مر جاؤ۔ کسی مرنے والے سے ملنا ہے تو مر کے ملو گے اور جو گزر گئے ہیں ان کو اگر کسی زندہ انسان سے ملاقات کی ضرورت ہے تو وہ زندہ ہو کر ملیں گے۔ اب آپ یہ بات یاد رکھو' یہ راز ہے۔ کوئی بزرگ اگر اپنی اولاد میں سے کسی سے ملنا چاہے' کوئی گزرا ہوا بزرگ اپنے آنے والے زمانے میں کسی سے ملنا چاہے تو وہ عین عالمِ بشریت میں آ کر مل لے گا۔ آپ میں سے کوئی شخص گزرے ہوئے سے ملنا چاہے تو وہ عالمِ وجود سے باہر ہو کر ملے گا۔ تو یہ دو طریقے ہیں۔ وہ ملیں گے تو اس عالم میں اور آپ ملنا چاہیں تو اُس عالم میں ملیں گے۔ اس لیے یہ بات آپ کو سمجھ آنی چاہیے اور ایک بار سمجھ آ گئی تو آپ کے مسئلے حل ہو جائیں گے اور

پھر صداقت کا سفر آپ کو سمجھ آجائے گا کہ صداقت کیا ہے۔ تو صداقت اللہ کا امر ہے' اور آپ یہ بات یاد رکھنا۔ جو آپ کا عمل ہے اس میں گڑ بڑ ہو سکتی ہے' کچھ منفعت کا خیال ہو سکتا ہے' کچھ ذاتی پروپیگنڈہ ہو سکتا ہے۔ انسان جو ہے وہ Fame سے گریز کرنا چاہے تب بھی مشکل سے کر سکتا ہے' مثلاً آپ نے کسی کو تحفہ دیا' پھر آپ تھوڑی دیر رُک جاتے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ آپ کا اس تحفے کے بارے میں کیا خیال ہے۔ یعنی آپ بتا یہ رہے ہیں کہ یہ تحفہ میں نے بڑی مشکل سے لیا تھا' یہ فرانس سے واپسی پر لیا تھا' ایفل ٹاور پر ایک آدمی سے لیا تھا تو آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنے تحفے کی رسید ضرور لے گا یعنی کہ بغیر رسید کے تحفہ نہیں دے گا' کبھی آپ کو پرانے زمانے کا فوٹو دکھائے گا تو کہے گا کہ دیکھو یہ ہمارا اس زمانے کا فوٹو ہے۔ تو انسان اپنے آپ کو تھوڑا سا نمایاں کرتا ہے۔ تو خود کو نمایاں کرنے کی تمنا حجاب ہے' محفوظ کرنے کی تمنا حجاب ہے اور اگر اللہ نمایاں کرے اور وہ محفوظ کرے تو پھر بات ہی اور ہے۔ آپ اس ذات کا خیال کرو پھر وہ آپ کی حفاظت کرتا رہے گا۔ اس لیے اپنے لیے کوئی بات نہ کرو' کوئی پروپیگنڈہ نہ کرو۔ قائداعظمؒ کو اللہ نے جب قائداعظمؒ بنا دیا تو وہ قائداعظمؒ ہو گئے' اس طرح مہربانی ہو گئی۔ اور لوگ ان کے خلاف بولتے رہے' آج تک پاکستان کے خلاف بولتے ہیں۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ اللہ کی مشیت کو سمجھ نہیں سکے۔ تو انسان اللہ کی مشیت کو نہیں سمجھ سکتا اور اگر آپ سمجھنا چاہو تو پھر اللہ کے فیصلے کو تسلیم کرو۔ اگر کسی نے تنظیم بنانی ہے تو جمیع المومنین کی تنظیم بنائے' سب سے اچھی تنظیم یہی ہے کہ مسلمانوں کو اکٹھا ہونا چاہیے' کم از کم پاکستانیوں کو تو اکٹھا ہونا چاہیے۔

سوال:

رمضان شریف کی فضیلت کے بارے میں کچھ بتائیں۔

جواب:

رمضان شریف کی فضیلت یہی ہے کہ آپ اللہ کا حکم مانتے جائیں اور یہ سب سے بڑی فضیلت ہے' آپ کو اس کی اطاعت کا موقعہ ملا ہے تو آپ اطاعت کرتے جائیں۔ یہ فضیلت ہی فضیلت ہے۔ فوقیت کی بات نہیں ہے' اگر روزہ قبول ہو جائے گا تو فوقیت ہو جائے گی' ابھی تو آپ روزے رکھیں' روزے قبول ہو گئے تو آپ کو اطلاع مل جائے گی کہ اُس نے روزے قبول فرما لیے ہیں۔ کچھ لوگ روزہ سماج کے لیے رکھتے ہیں کہ سماج میں روزہ دار ہونا اچھی عزت والا مقام ہے اور کچھ لوگ اپنے وجود کی پاکیزگی کے لیے رکھتے ہیں' یہ بھی اچھی بات ہے۔ ایک آدمی سے پوچھا گیا کہ تو روزہ کیوں رکھتا ہے تو وہ کہنے لگا کہ مجھے افطاری کا واقعہ سب سے اچھا لگتا ہے کیونکہ اُس وقت مجھے ایسا لگتا ہے کہ اللہ بہت قریب آ گیا ہے' یہ محسوس ہوتا ہے۔ دوسرے نے کہا کہ یہ اللہ کا حکم ہے اس لیے ہم روزہ رکھ رہے ہیں۔ یہ الگ داستانیں ہیں۔ بہرحال روزہ جو ہے یہ اللہ کے حکم سے ہے اور اس کا اجر اللہ ہی دیتا ہے اور یہ اللہ کی توفیق سے رکھا جا سکتا ہے۔ اس کی فضیلت صرف یہی ہے کہ اللہ کے حکم سے اللہ کا بندہ روزہ رکھ رہا ہے اور اللہ ہی اس کا انعام ہے اور اللہ ہی اس کا اجر دے گا اور یہ وہ عبادت ہے جو باطن کی عبادت ہے کہ آپ اور اللہ کے علاوہ کسی کو معلوم نہیں ہے کہ آپ کا روزہ ہے یا نہیں ہے' یہ کمال کی بات ہے۔ نماز تو معلوم ہوتی ہے کہ آپ کے وجود کی حرکت ہے' حج معلوم ہوتا ہے کہ آپ وہاں پائے جاتے ہو' زکوٰۃ معلوم

ہوتی ہے کہ کوئی لینے والا گواہ ہوتا ہے لیکن روزہ ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں کسی کی گواہی نہیں ہے۔ تو یہ ایک ایسی عبادت جس میں گواہی نہیں ہے۔ روزے میں آپ کو اپنے اللہ سے خصوصی تنہائی میں رابطے کا موقعہ ملتا ہے۔ اس لیے جو شخص روزہ نہ رکھ سکے وہ سماج میں بھی روزہ دار بننے کی کوشش نہ کرے۔ تو وہ اپنی مجبوری کو مجبوری کہہ دے کہ میں روزہ نہیں رکھ سکتا اور وہ کسی کو یہ تاثر نہ دے کہ وہ روزہ رکھتا ہے اور وہ ایسا ہے۔ بہرحال روزہ اللہ اور بندے کے درمیان راز ہے۔ جس طرح تہجد کے لیے لوگ اٹھتے تھے تو تہجد میں سب سے بڑی یہی بات تھی کہ باقی نمازیں تو جماعت کے ساتھ اور تہجد جو ہے یہ تھوڑا سا علیحدہ ہو کر بیٹھنے کا مقام ہے کہ باقی لوگ سوئے ہوئے ہوں اور یہ شخص اُٹھ کر درمیان میں کھڑا ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے تہجد کو بھی جماعت بنا لیا، تو خیر وہ مرضی والے ہیں جو مرضی کریں۔ تہجد جو ہے یہ جماعت کی نماز نہیں ہے یہ بالکل الگ سی نماز ہے۔ تو آپ کا اپنے اللہ کے ساتھ ذاتی تعلق ہے، تنہائی کا تعلق ہے اور اگر آنسوؤں کا تعلق ہو جائے تو اور اچھی بات ہے۔ تو روزہ آپ کی تنہائی کی عبادت ہے، یہ آپ کے دل کی عبادت ہے، آپ کے راز کی عبادت ہے، اس کی فضیلت یہی ہے کہ یہ آپ کو اللہ کی طرف رجوع کرانے والی عبادت ہے۔ اور اس کی سند کون ہے؟ آپ ہی ہیں۔ آپ یہ دیکھیں کہ روزہ کیوں رکھ رہے ہیں، اگر Pure اللہ کے لیے ہے تو آپ کو ساتھ ساتھ اللہ کی طرف سے داد ملتی جائے گی، اور یہ بہت اچھی بات ہے، عبادتوں میں یہ افضل بات ہے، باقی یہ کہ بھوک پیاس سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، روزے کا تعلق اس بات سے ہے کہ آپ اللہ کا کہنا مانو اور اُس کے ساتھ متعلق ہو جاؤ۔

حوالے کرو۔ بس میں یہ بات کرنا چاہتا تھا، مسئلہ حل ہوگیا۔ انجام کس کے حوالے؟ اللہ کے حوالے کرنے والا کوشش کی اہمیت پر زیادہ غور نہیں کرتا۔ اپنے نیک اعمال نہ گننا بلکہ اُس کے فضل کو گننا۔ بات سمجھ آئی ؟ اب وہ لوگ جو زیادہ گنتی کرتے رہتے ہیں اور گنتی بتاتے رہتے ہیں لوگوں کو کہ تم یہ نیکی کرو، تم وہ نیکی کرو تو تمہیں ایسا نتیجہ ملے گا تو یہ صحیح بات نہیں ہے۔ نتیجہ کیا ہے؟ اس کا فضل۔ اُس کا فضل اپنی مرضی رکھتا ہے۔ اس کا فضل کیا کرتا ہے؟ اپنی مرضی رکھتا ہے اور وہ مرضی آپ بیان نہیں کر سکتے۔ اُس کی اپنی مرضی Independent ہے، آزاد ہے، وہ جس کو چاہے بخش دے، جس کو چاہے نہ بخشے، جس کو چاہے سرفراز کر دے، جس لفظ کو چاہے قرآن بنا دے۔ وہ تو اللہ ہے ناں، جس لفظ کو چاہے قرآن بنا دے۔ اللہ جو چاہے کرلے۔ تو مطلب یہ ہے کہ یا تو تم اپنے آپ کو اُس کے حوالے کرو یا پھر اپنی زندگی اپنے حوالے کرو۔ اب آپ یہ فیصلہ کرلینا۔ مشکل کن لوگوں کو ہوتی ہے؟ جو کاروباری درجے رکھتے ہیں، سماج میں مقام کی تلاش کرتے ہیں اور پھر الٰہیات کا سفر کرتے ہیں۔ تو یہ اُن لوگوں کو دقت ہو جاتی ہے، اِس لیے یہ بڑی آسان سی بات ہے کہ آپ اللہ کے سفر میں زندگی کو اُس کے فضل کے تابع رکھو اور تابع کا مطلب یہی ہے کہ جو آپ کے دنیاوی حاصل ہیں وہ سارے کے سارے اللہ کے ماتحت کردو۔ پھر بچت کی ایک صورت بن جائے گی۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں ناں؟ مثلاً آپ اللہ کی راہ پر چل رہے ہیں، اللہ ہی آپ کی تمنا ہے، اُس سلسلے میں آپ کا ہمارے ساتھ تعلق ہے، جتنا ہونا چاہیے اُتنا تو نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی کافی ہے، فرض کریں آپ میں سے کسی نے جتنے مکان بنائے ہوئے ہیں، دنیاوی Achievement، حاصل جو ہے، وہ سارے کے

مسلمانوں تم شکر ادا کرو کہ میں نے اپنا حبیبؐ تم کو دیا۔ یہ احسان اللہ نے جتایا ہے۔ باقی یہ نہیں جتایا کہ روزے دو مہینے کے بجائے ایک مہینہ کر دیے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنا یہ احسان جتلایا ہے کہ آپ لوگوں کے اندر ہم نے اپنے محبوبؐ کو بھیجا ہے اور تمہیں خبر ہو کہ یہ بڑا احسان ہے۔ باقی تو اُس نے زندگی دے کر بھی نہیں جتایا، بینائی دے کر نہیں جتایا، سب کچھ دے کر بھی نہیں جتایا، جتایا تو اس ایک بات کو جتایا کہ میں نے یہ تم پر بڑا احسان کیا ہے کہ میں نے اپنے محبوبؐ کو تمہارے ہاں بھیجا ہے۔ تو روزے کی کمی وبیشی کی کوئی بات نہیں ہے۔ جب آپ روزہ رکھتے ہیں اور عید آتی ہے تو کچھ لوگ ہوتے ہیں جو عید کے خطبے پر رو رہے ہوتے ہیں، جب ''الوداع یا شہر رمضان'' کہتے ہیں تو ایسے لگتا ہے کہ جیسے کوئی دوست ہی الوداع ہو رہا ہے اور وہ باقاعدہ روتے ہیں کہ ایسا مہینہ جا رہا ہے، پھر پتہ نہیں کب آئے گا اور پتہ نہیں پھر اگلے سال ملاقات ہوگی بھی کہ نہیں ہوگی، ہم ہوں گے کہ نہیں ہوں گے، تم ہو گے کہ نہیں ہو گے.......... تو ایسے لگتا ہے کہ واقعی کوئی دوست آپ کے پاس سے گزر رہا ہے اور چلا جا رہا ہے۔ کیا آپ نے دیکھا کہ رمضان کے چاند کا استقبال کیسے کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ بسم اللہ، بڑی دیر کے بعد آئے ہو خیر ہو سلامتی کے ساتھ آ گئے ہو.......... تو رمضان کے ساتھ ایک دوستی سی بن جاتی ہے۔ سچی بات یہ ہے کہ یہ ایک مہینہ ہی ہے اور یہ ایک ہی مہینہ تھا، پانچ نمازیں اگر ہیں تو پانچ نمازیں تھیں۔ یہ تو آپ کو نمازوں پر لگانے کے لیے علماء صاحبان کی تدبیریں ہیں کہ ''شکر کرو ستر نمازیں تھیں اللہ نے پانچ کر دی ہیں، تم یہ بھی نہیں پڑھتے نامراد کہیں کے، مر جاؤ گے برباد ہو جاؤ گے اور چھ مہینے کے روزے ڈاؤن کراتے کراتے ایک مہینے کے کرائے لیکن اب بھی تم

روزے نہیں رکھتے ہو، بس تم نے بالکل ہی برباد ہو جانا ہے''۔ روزے کا ایک مہینہ فرض ہے، اسے رکھو۔ نمازیں پانچ ہیں جو حضور پاک ﷺ نے ادا فرمائی ہیں، اسی طرح ادا کرو۔ فرض کو فرض سمجھو اور تفسیر بیان نہ کرو۔ تو آپ فرائض کی فضیلتیں بھی بیان نہ کرو اور اُن کی تفسیر بھی بیان نہ کرو، اُن کی وضاحتیں بھی نہ کرو، بس فرض جو ہے وہ فرض ہے اور اُسے فرض کے طور پر پورا کرو۔ جس طرح پیدا ہونا فرض ہے اور آپ پیدا ہو گئے، مرنا بھی فرض ہے تو پھر مرنا ہوگا۔ تو بات ختم ہوگئی۔ تو جس جس کو فرض کہا گیا وہ آپ ادا کریں۔ ہمارے ہاں ایک رواج ہے کہ کہتے ہیں کہ روزہ جو ہے اس سے بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ اور اگر بیماری دور نہ ہو تو کیا آپ روزہ چھوڑ دیں گے؟ آپ یہ کہیں کہ بیماریاں دور ہوتی ہیں یا کہ نہیں ہوتی ہمیں بس اتنا پتہ ہے کہ روزہ فرض ہے اور اللہ چاہتا ہے تو اس سے کوئی فائدہ بھی ہوگا۔ اور کسی نے پوچھا کہ آپ کو اسلام کا کیا فائدہ ہے؟ تو وہ بولا کہ اسلام کے بڑے فائدے ہیں، ہماری زندگی بڑی آسان ہوگئی ہے، ہم امیر ہو گئے۔ تو پہلے شخص نے کہا کہ کافر تو ہم سے زیادہ امیر ہیں۔ ایک اور شخص کہتا ہے کہ آپ کو پتہ نہیں کہ حضور غوث پاکؒ کے بڑے لنگر تھے، آپ بڑے امیر تھے۔ وہ بالکل ٹھیک کہتے ہیں، بجا! اور اگر وہ پیسے کی وجہ سے غوث الاعظمؒ ہیں تو جس کافر کے پاس پیسہ زیادہ ہوگا تو آپ اُس کو کیا کہیں گے۔ تو وہاں صرف پیسہ ہی نہیں بلکہ ان کی بات ہی بڑی ہے۔ اس لیے جو بیان کرنے والا ہے وہ اور طرح سے بیان کرتا ہے اور اس کے مطابق کافر فوقیت میں چلا جاتا ہے۔ اس طرح لوگ کہتے ہیں کہ اُن کے پاس جو گیا اُس کو شفاء ہوگئی۔ یہ بات بجا لیکن یہاں پر ایک آدمی ہوتا تھا اُس کو دستِ شفا کہتے تھے، وہ پانی کے اندر ہاتھ ڈال کر اور دم کر کے دیا

کرتا تھا اور لوگ پانی لے جاتے تھے اور اُن کا نام میجر صادق صاحب تھا اور لوگ اُن کو دستِ شفا کہنے لگ گئے اور پھر ہم نے سنا کہ وہ خود بیمار ہو گئے۔ اسی طرح ایک پیر سپاہی تھے اور وہ ٹیلی فون پر پھونک لگاتے تو بیماری دور ہو جاتی تھی، تو سنا ہے کہ وہ بھی آج کل بیمار ہے۔ آپ کے اور ہمارے سب کے بزرگ ہیں جنہیں حضور کرماں والی سرکارؒ کہتے ہیں وہ بڑے دم کرتے تھے، بڑا درود پڑھتے تھے اور بڑے ہی نیک تھے اور جب اُن کو گردے کی درد ہوتی تھی تو کہتے ہیں کہ دور تک اُن کی آواز آتی تھی کہ گردے میں درد ہے۔ گردے کا درد بڑا تیز درد ہوتا ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ درد ہو کہ نہ ہو، اطاعت، اطاعت ہے۔ اطاعت کی وضاحت کرنے والا فیل ہو جائے گا۔ کہتے ہیں کہ وضو کے بڑے فوائد ہیں، انسان پاک صاف ہو جاتا ہے اور یہ بڑا ضروری ہوتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ ہم تو ویسے ہی پاک صاف ہیں۔ تو اب آپ کیا کرو گے۔ ہمارے فقراء نے کہا کہ ؎

جے ناتیاں دھوتیاں رب ملدا تے ملدا ڈڈواں مچھیاں نوں

جے رب جنگل بیلے پھریاں ملدا تے ملدا گاواں وچھیاں نوں

بلھیا رب ملدا اے نیتاں سچیاں اچھیاں نوں

تو رب جو ہے کسی اور کو نہیں بلکہ اچھی نیت والوں کو ملتا ہے۔ تو بات اتنی ساری ہے کہ اسلام کے احکام کا شعور رکھنے کے بغیر وضاحت کا نتیجہ یہ ہوا کہ سارا کام خراب ہو گیا۔ یہ کہنا کہ نماز کا یہ فائدہ ہے اور دیکھو یہ کتنا بڑا فائدہ ہے، زکوٰۃ کا یہ فائدہ ہے کہ ہمارے معاشرے میں کوئی غریب نہیں ہو گا۔ زکوٰۃ سے ملک میں انقلاب آئے گا۔ اب لوگ زکوٰۃ دے دے کر تھک گئے ہیں لیکن سارا معاشرہ اسی طرح غریب ہے، غریب کی بجائے وہ زکوٰۃ جو ہے وہ ''نئی روشنی اسکیم'' میں

چلی گئی۔ آپ بھی بڑے کاریگر ہو کہ اُدھر سے پیسے نکال کر ادھر رکھ دیتے ہو' رمضان شریف سے ایک دن پہلے لوگ اپنا اکاؤنٹ بدل لیتے ہیں' کرنٹ اور سیونگ کو بدل لیتے ہیں۔ تو زکوٰۃ کی افادیت یہ ہے کہ یہ اللہ کا حکم ہے' پس آپ حکم کو حکم کے طور پر مانو' افادیت نہ بیان کرو۔ یہ نہ کہو کہ زکوٰۃ سے من حیث القوم ہم امیر ہو جائیں گے کیونکہ یہ ممکن ہے کہ کافر قومیں ہم سے بہت امیر ہوں۔ یہاں پہ بڑا غور والا مقام ہے' آپ اس بات کو یاد رکھنا کہ ہم مسلمان ہونے کے ساتھ ترقی پر زور دے رہے ہیں اور ترقی کا ہمارے پاس جو Sample ہے یا جو نمونہ ہے وہ مغربی ترقی ہے یعنی ارتقاء۔ اب آپ یہ بات یاد رکھ لو کہ اگر ہمارا ارتقاء مغرب کا سا ہے اور پھر اسلام کے حوالے سے اگر وہ نہ ہو سکے تو پھر کیا کرنا چاہیے؟ تو یا تو آپ اسلام چھوڑیں گے یا ارتقاء چھوڑیں گے' نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر آپ نے اوزار لے کر ہی لڑنا ہے تو پھر اُن قوموں کے پیچھے چلو جو اوزار بناتی ہیں' ہتھیار بناتی ہیں اور اگر مسلمان ہونے کی حیثیت سے آپ کے پاس کوئی فوقیت نہیں ہے' ہتھیار کا علاج نہیں ہے' طاقت کا علاج آپ کے باطنی نظام میں نہیں ہے تو ظاہری نظام میں آپ اُن طاقتوں کے پیچھے پیچھے چلو' پھر جیسے وہ چلائیں۔ اگر ترقی کرنا اور اسلام پر چلنے میں فرق آ جائے تو پھر آپ کیا کرو گے؟ اور یہی سوال آپ کی ساری قوم کو اس وقت درپیش ہے۔ آج کا مسلمان کہتا ہے کہ وہ زندگی گزارتا ہوں تو اسلام نہیں گزرتا اور اسلام کی زندگی گزارتا ہوں تو زندگی نہیں گزرتی۔ اور یہ سوال قومی سطح کا ہے اور غور کرنے والا ہے! آج بادشاہ کو بادشاہی کرنے کے لیے اسلام کا سہارا لینا پڑتا ہے۔ ایک دفعہ کسی بادشاہ نے' ہیڈ آف دی سٹیٹ نے کہا کہ ہم تو اسلام کو ماننے والے ہیں اور اسلام پر چلنے

والے ہیں تو اُس کو ایک آدمی نے جواب دیا کہ ٹھیک ہے آپ اسلام کے ماننے اور اسلام پر چلنے والے ہیں تو آپ پھر اپنی صدارتی کرسی شاہی مسجد کے امام مولانا آزاد کو دے دو کیونکہ جو شاہی مسجد کا امام ہے اُس کو ملک کا بھی امام بنا دو یا اُس کو گورنر بنا دو یا پھر گورنر کو شاہی مسجد کا امام بھی بنا دو، مسئلہ حل ہو جائے گا۔ مگر یہ نہیں ہو سکتا۔ اب اگر شاہی مسجد کا امام اور ہو، گورنر اور ہو، پیر صاحب اور ہوں اور ڈپٹی کمشنر صاحب اور ہوں تو یہاں آ کر قوم پریشان ہو جاتی ہے کہ ہم کتنے حکم نبھائیں گے، کام ہمارا ڈی سی سے ہے اور زندگی پیر صاحب کے لیے گزر رہی ہے اور ڈی سی کو ہمارا پیر صاحب جانتا نہیں ہے۔ پھر یہ نتیجہ نکلا کہ لوگ اُن پیروں کے پاس جانے لگ گئے جن کا وزیروں کے ساتھ تعلق تھا۔ ایک مرید نے پیر صاحب کو سلام کیا اور کان میں کہا کہ سرکار ایک چھوٹی سی بات ہے۔ پوچھا کیا؟ ایک ٹرک میں اپنے بچے کو کین لا رہے تھے تو پولیس نے پکڑ لیا ہے، پیر صاحب نے کہا کہ میں ابھی ٹیلی فون کرتا ہوں اور انہوں نے ٹیلی فون کر دیا۔ تو ایسے میں پیر صاحب کی آپ کو ضرورت پڑتی ہے تا کہ آپ کا اوپر تک رابطہ قائم ہو جائے۔ تو یہ سارے کا سارا نظام Reconsider ہونے والا ہے، غور طلب بات ہے۔ مثلاً مشائخ کرام کا سلسلہ کیوں چل رہا ہے؟ کیونکہ وہ کام بڑے کرتے ہیں اور آپ لوگوں کو اُن سے کاموں کی بڑی ضرورت پڑتی ہے، آپ لوگوں کو دقت ہوتی ہے اور ان سے کام لینا پڑتا ہے۔ تو اب جہاں پریذیڈنٹ جائے گا وہاں کاروباری لوگ بھی جائیں گے۔ ایسے لوگ پوچھتے ہیں کہ کیا آپ کے پاس وہ آئے ہیں؟ جی آئے ہیں اور آتے رہتے ہیں۔ یہ جنازہ کس نے پڑھایا ہے؟ پیر صاحب نے پڑھایا ہے اور میرے اُن سے بڑے تعلقات ہیں۔ تو پھر پیر صاحب سے

ملاقات ہو جاتی ہے اور دو چار دن کے بعد وہ پیر صاحب کے پاس سلام کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ نے تو کمال کر دیا' بس اور کوئی خاص کام تو نہیں ہے۔ اس طرح پیر صاحب کی تعریف کر دی اور کام کرا لیا۔

تو اگر مرید عقل کریں کہ وہ کام لینے کے بغیر ہی اس سلسلے میں شامل ہوں تو مسئلے حل ہو جائیں گے' پھر نہ پیر بکیں گے اور نہ مرید بکیں گے اور نہ ہی کوکین بکے گی' نہ ہیروئن بکے گی' اور یہ بات آسان ہو جائے گی۔ اس لیے یہ بہت ضروری بات ہے کہ کرنا کیا چاہیے؟ اللہ تعالیٰ کے دین کی وضاحتیں نہیں کرنی ہیں بلکہ اللہ کے دین پر آپ چلتے جائیں' فضیلتیں ہی فضیلتیں ہیں' فائدے ہی فائدے ہیں' منفعت ہی منفعت ہے۔ اگر اللہ کے ایک حکم پر چلنے کی توفیق مل جائے تو بڑی بات ہے۔ اس لیے آپ دعا کیا کریں کہ اللہ ہمیں اپنے حکم پر آپ چلا اور ہمیں چلنے کی توفیق عطا فرما۔ یہ اللہ کی بڑی مہربانی ہے۔ وضاحت کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

سوال:

کہتے ہیں کہ سفر میں اگر نماز قصر نہ کریں تو ناشکری ہے' تو کیا اسی طرح سفر میں روزے نہیں رکھنے چاہییں۔

جواب:

اس بارے میں میرا جواب آپ ذرا غور سے سنو! سفر کی تعریف یوں نہ کرو کیونکہ جس پرانے زمانے کے سفر کا حکم ہے' اس زمانے میں پیدل سفر کے علاوہ مشکل سے کوئی اور سفر تھا۔ اس زمانے میں اگر ہجرت کا لفظ آ جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں سے وہاں پیدل دھوپ کے اندر چل کر جانا۔ آپ یہ نہ

کہنا کہ ایر کنڈیشنڈ جہاز میں بیٹھ کر ایک رات کا سفر کر کے آپ نے سنت پوری کر لی ہے مثلاً یہاں سے پنڈی پیدل جانا ہے تو لوگ اپنے گناہ بخشوا کر پیدل چلتے تھے اور پھر پنڈی پہنچتے تھے۔ انسان ایک دن کے اندر تیس میل آرام سے چل سکتا ہے' اس سے زیادہ نہیں چل سکتا۔ تو آپ یوں سمجھیں کہ اگر انسان لگاتار چلتا جائے تو پنڈی دس دن کا سفر ہے۔ یعنی آرام سے چلتا جائے راستے میں تھوڑا سا بریک بھی لیتا جائے۔ تو دس دن کے اس سفر کے اندر کھانا' پینا اور دوسری دشواریاں موجود ہیں' راستے میں کوئی تعلقات بھی نہیں ہیں' ایسے میں روزہ' نماز کی قصر کی تھوڑی سے اجازت ہو گی۔ آج کل آپ سیٹ بک کرواتے ہیں' آپ کی گاڑی آپ کو ہوائی جہاز پر چھوڑ آتی ہے اور آپ پچیس منٹ میں اسلام آباد میں شان وشوکت کے ساتھ بیٹھے ہوتے ہیں اور ٹھنڈے ٹھنڈے' رستے میں گرمی کا کوئی نام ونشان نہیں ہوتا' ایسے میں اگر آپ قصر کرو تو گناہ ہو گا۔ تو آپ کو میں منع کر رہا ہوں۔ سفر میں قصر کی اجازت ہے مگر اس کو سفر نہ کہو بلکہ سفر وہ ہے جس میں کم از کم اتنی تکلیف ہو جتنا کہ ساٹھ میل پیدل چلنے میں ہوتی ہے۔ یا تو کہیں باہر جا کر آپ کو ٹھہرنا پڑ جائے اور تکلیف ہو تو آپ مسافر بن جائیں۔ ایسے سفر کے دوران آپ مسافر نہ بنو۔ اس لیے یہ جو لوگ کہتے ہیں کہ قصر نہ پڑھنے سے گناہ ہو گا تو اگر آپ نماز پوری پڑھ لیں گے تو گناہ نہیں ہو گا۔ آپ یہ کہیں کہ میں نے تیری نماز نہیں پڑھی میں نے تو خدا کی نماز پڑھی ہے۔ اس کو یہ جواب دے دو۔ ایسا آدمی کہتا ہے کہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہم آپ کی نماز نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ ہم اللہ کی نماز پڑھ رہے ہیں' ہم شریعت کی بھی نہیں پڑھ رہے ہیں بلکہ ہم خدا کی نماز پڑھ رہے ہیں۔ اس لیے اے شخص میرے ساتھ مفتی نہ بن کیونکہ یہ

میرے اور میرے اللہ کے درمیان تعلق ہے اس لیے جناب آپ درمیان سے ہٹ جاؤ ۔

کوئی کیوں درمیان سے گزرے

اس لیے آپ کسی کو بتاؤ ہی ناں۔ ایسا آدمی کہتا ہے کہ میں ایسے کام کرتا ہی رہتا ہوں اور میری باقی زندگی بھی دوسروں کی زندگی سے تھوڑی مختلف ہی ہوگی۔ اللہ کا منشا تو یہ تھا کہ دین کی وجہ سے تمہیں تکلیف نہ ہو اور اگر آپ کو نماز پڑھنے میں راحت ہوتی ہے تو اللہ یہ نہیں چاہتا کہ اس راحت کو روک لیا جائے۔ اللہ نے آپ کو تکلیف سے بچایا ہے کہ اگر آپ بیمار ہیں تو اور دنوں میں روزہ رکھ لینا' اللہ اور کس طرح آپ سے کہے کہ بات کیا ہے' وہ کہتا ہے کہ اگر بیماری ہے تو کسی غریب کو کھانا کھلا دو' کسی Next days میں روزہ رکھ لینا۔ اگر آپ کو بیماری نہیں ہے تو اس کا میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے' پھر تو آپ کو روزے رکھنے ہی پڑیں گے۔ اب میں آپ کو اس کا راز بتاتا ہوں۔ اجتماعی عبادت کا اجتماعی فارمولا ہے اور علیحدہ عبادت کا علیحدہ فارمولا ہے' علیحدہ تعلق کا علیحدہ قانون ہے' اب آپ کا اگر اجتماعی تعلق ہے تو اجتماعی قانون ہوگا۔ اس لیے آپ اجتماعی فارمولا بھی رکھو اور اللہ کے ساتھ علیحدہ قانون بھی رکھو' اللہ کو راضی کرنے کے علیحدہ نسخے بھی آپ تجویز کیا کرو' اُس سے علیحدہ ملاقاتیں بھی کیا کرو' علیحدہ عبادتیں بھی کیا کرو۔ بس پھر بات ٹھیک ہو جائے گی۔ اس لیے کچھ لوگ اگر کہیں کہ وہ چیز ٹھیک ہے تو آپ کہیں کہ ٹھیک ہے' آپ ٹھیک کہتے ہو' لیکن میں نے کچھ اور سنا ہوا ہے۔ تو آپ چلتے رہیں جس طرح آپ چل رہے ہیں۔ اور قصر پڑھنے والی بات اگر آپ چاہتے ہیں تو پوری کر لیں۔ اسے کہو میں نے پوری پڑھی ہے۔ اللہ قصر کو منظور

فرمالے اور آپ کی عادت کے طور پر نماز بھی قبول کر لے۔ اللہ ہم پہ رحم کرنے میں کسر نہیں چھوڑتا تو ہم کیا قصر کرتے رہیں۔ میں آپ کو یہ بات بتا رہا ہوں کہ شریعت کے نام پر اتنا قانون بنا دیا گیا ہے اور حکومت والوں نے حکومت کے طور پر اتنا کچھ بنا لیا ہے کہ Common man کو بات سمجھ نہیں آتی ہے۔ تو آپ محبت کے قانون چلاؤ۔ کل کو کوئی اگر یہ کہہ دے کہ مزاروں پر جانا اچھی بات نہیں ہے، یہ کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ تم لوگ مرے ہوئے سے کیا Seek کرتے ہو جب کہ وہ تو مر گئے اور وہ تمہیں نفع نہیں پہنچا سکتے، کچھ نہیں کر سکتے۔ تو آپ اُن سے کہیں کہ ہمیں تو وہ مرے ہوئے نہیں لگتے، ہمیں نفع بھی پہنچاتے ہیں، ہمارے ساتھ دوستی کرتے ہیں اور باتیں کرتے ہیں۔ پھر وہ کہے گا کہ ہمیں دیدار کراؤ تو اُسے کہو ہم تجھے نہیں کرا سکتے۔ کیوں کہ تمہارا اپنا طریقہ کار ہے۔ اس لیے آپ اپنی محبتوں پر Common man کی، عام انسانوں کی مہریں نہ لگواؤ۔ آپ کو ذاتی چیزیں ملی ہوئی ہیں، یہ آپ کی ذاتی ہیں، یہ آپ کی محبت ہے، اس کو آپ اپنے طور پر قائم رکھیں۔ ورنہ تو کوئی ایسا طریقہ نہیں ہے جس پر ساری قوم اتفاق کرے۔ مثلاً ابھی آپ نے سیلاب زدگان کو، Victims کو معاوضہ دیا تو اخباروں میں شور مچ جائے گا کہ یہ معاوضہ اپنے آپ کو دے رہے ہیں، گھر والوں کو دے رہے اور پتہ نہیں کس کو دے رہے ہیں ہمیں تو کچھ نہیں ملا۔ لوگ کسی جگہ اتفاق نہیں کرتے، یہ جو واقعہ ہے اس پر اتفاق نہیں کرتے اور وہ جو واقعہ ہے اس پر بھی قوم کا اتفاق نہیں ہے۔ آخر صداقت کہیں نہ کہیں تو ہوگی۔ بس آپ اپنی صداقت اپنے پاس رکھیں۔ سکون کے ساتھ وقت گزاریں، نماز پڑھیں، دنیا کے لیے نہ پڑھو، شریعت کے لیے بھی ٹھیک ہے، اچھا ہے لیکن نماز کو اللہ کے لیے پڑھو،

Pure اللہ کے لیے۔ اللہ تعالیٰ آپ پہ راضی ہو اور توفیق دے اور وہ جب نماز کی توفیق دے دے تو سمجھو یہ نماز منظور ہے۔

سوال:

ایسا کیوں ہے کہ ہم دوسروں کے لیے مسئلہ کھڑا نہیں کرتے مگر دوسرے ہمارے لیے مسائل کھڑے کرتے رہتے ہیں؟

جواب:

آپ لوگ اپنی اہمیت نہیں سمجھتے مگر آپ کی اہمیت آپ کا دشمن سمجھتا ہے۔ دشمن پہچان گیا ہے کہ اس قوم کی کیا اہمیت ہے اور آپ نے ابھی تک اپنی اہمیت نہیں پہچانی۔ یہ جو خطۂ پاکستان ہے اس وقت Strategic طور پہ بھی بڑا اہم علاقہ ہے اور ملکی سطح پر بھی اہم ہے اور عقیدت کے لحاظ سے بھی بڑا اہم ہے۔ باقی عقیدتیں تقریباً خریدی جا چکی ہیں، ہر جگہ واقعات اُلٹ ہو چکے ہیں، کچھ خریدی جا چکی ہیں، کچھ آپس میں لڑائی ہو چکی ہیں، کہیں جھگڑا کیا جا چکا ہے، کسی کو باہر نکال دیا گیا ہے۔ تو میں عقیدتوں کی بات کر رہا ہوں۔ میری بات آپ کو سمجھ آ رہی ہے؟ آپ یہ دیکھو کہ ایران کو عراق کے ساتھ لڑا دیا گیا ہے، دونوں کا قومی سطح پر بھی نقصان ہوگا اور عقیدت کی سطح پر بھی دونوں کو نقصان ہوگا، دونوں کی کچھ نہ کچھ عقیدت مجروح ہوگی، اور ہوتی جا رہی ہے یا کم از کم اتنے بندے ان بندوں کو صحیح اسلام میں نہیں سمجھیں گے، ایران والے عراق کو نہیں سمجھیں گے اور کہیں گے کہ یہ صحیح مسلمان نہیں ہیں بلکہ منافق ہیں اور وہ کہیں گے یہ منافق ہیں، یعنی ایک امامؑ ہوگا، دوسرا یزید ہوگا اور دونوں ایک دوسرے کو وہی سمجھیں گے۔ کہتے ہیں یہ کدھر سے امامؑ والے آ گئے۔ امامؑ تو ہے ہمارے پاس، کربلا یہاں ہے، تو کربلا والے

وہ کیسے ہو سکتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اس طرح دقت ہو گی اور عقیدت کم ہو گی۔ افغانستان کے ساتھ بھی یہی ہوا کہ عقیدت کو علیحدہ بلکہ تقسیم کر دیا گیا یعنی Divide and Rule والی بات ہو رہی ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ ایسٹ پاکستان کے ساتھ کیا ہوا' اس کو بنگلہ دیش بنا دیا گیا۔ ہندوستان کی عقیدت کا حال دیکھو تو اُسے تقریباً نیم ہندو بنا دیا گیا ہے۔ پرکاش کمار تو ہندو نام ہے مگر مسلمانوں کے حساب سے نام ہو گیا ساجد کمار' یعنی آدھے مسلمان اور آدھے ہندو نام شروع ہو گئے۔ شادیاں بھی اسی طرح ہو گئیں۔ اور آپ کا یہ جو علاقہ ہے یہ آج بھی ایمان میں طاقت ور ہے کیونکہ اس علاقے کے اندر حضور پاک ﷺ کی تکریم موجود ہے' یہ اللہ کی کوئی خاص مہربانی ہے' یہاں بزرگوں کا اس قسم کا ڈیرہ ہوا' اس لیے یہاں یہ بات چلتی ہے' اور یہاں کے لیے Support' تقویت جو ہے وہ انڈیا سے بھی مل سکتی ہے یعنی جیسے اجمیر شریف ہے۔ یہ ساری Belt جو ہے یہ عقیدت کی بیلٹ ہے' آستانوں کی بیلٹ ہے۔ آستانوں والے جو ہیں وہ Shatter نہیں ہوتے ہیں' ختم نہیں ہوتے ہیں' غائب نہیں ہوتے' بھاگ نہیں جاتے ہیں۔ یہاں پر دو قسم کے دشمن ہیں ہنود و یہود یعنی کہ ہندو سمجھ لو اور یہودی سمجھ لو۔ ان کو آپ کے خلاف بڑی دقت ہو رہی ہے' ان کو یہ قوم کھٹکتی ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا کہ اس قوم سے عشقِ محمد ﷺ کو نکال دو تب جا کر یہ قوم برباد ہو گی لیکن آپ کا دشمن عشقِ محمد ﷺ نکال نہیں سکا۔ تو عشقِ نبی ﷺ آپ سے کوئی نہیں نکال سکا کیوں کہ یہاں وہ واقعہ موجود ہے۔ اگر آپ اپنے آپ کو سمجھیں تو آپ واحد قوم ہیں جو صحیح معنوں میں Spirit of Islam رکھتی ہے یعنی یہ قوم محبتِ مصطفیٰ ﷺ رکھتی ہے۔ دشمن جانتا ہے کہ یہ قوم مر نہیں سکتی۔ نتیجہ یہ ہے کہ وہ لوگ جو ہیں آپ کو تباہ

کرنا چاہتے ہیں، تخریب کاریاں کرنا چاہتے ہیں اور نقصان کرانا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اپنے آپ کو پہچان لیں تو پھر سب ٹھیک ہے۔ آپ خود کو دشمن کی نگاہ سے پہچانو کہ وہ آپ کو تباہ کرنے کے لیے بے چین ہے اور یہی آپ کی اہمیت ہے۔ حالانکہ آپ کمزور ہیں اور آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہے لیکن آج بھی دشمن پر بڑی ہیبت ہے۔ اس لیے اقبالؒ نے کہا تھا ؎

لڑا دے ممولے کو شہباز سے

کیا آپ کو اقبالؒ کا یہ مصرعہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اقبالؒ کہتا کیا ہے، کہ ممولے کا کیا تعلق ہے شہباز سے۔ ممولہ کیا ہے؟ چھوٹا سا پرندہ ہوتا ہے۔ ممولہ شہباز کے ساتھ لڑ جائے، یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ افغانستان نے روس کے ساتھ لڑائی کر دی۔ رشیا ان کے ملک میں آ گیا، فوج بھی لے کر آ گیا، اندر بھی آ گیا اور حاوی بھی ہو گیا۔ ان کے مُٹھی بھر دو چار مجاہدین تھے، منتشر Scattered قسم کا گروہ تھا لیکن وہ لڑ پڑے۔ تو یہ ہے لڑا دے ممولے کو شہباز سے۔ وہ ''شہباز'' ہی بھاگ گیا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے اور آپ کے سامنے یہ واقعہ ہوا ہے۔ اور پھر لوگ یہ کہتے ہیں کہ افغانستان کے آدمیوں کو لڑنے کی جرأت نہیں ہوسکتی بلکہ پاکستان نے کچھ کیا ہے۔ یہ تمہاری شان ہے ورنہ روس کے ساتھ پاکستان کا کیا مقابلہ ہے۔ یعنی کہ اگر دشمن پہ ہیبت طاری ہو جائے تو یہ آپ کی شان ہی ہے ورنہ تو ان کے ساتھ مقابلے کا ہمارا کوئی مقام ہی نہیں ہے۔ تو اس لیے آپ بڑی اہمیت کے لوگ ہیں، آپ اپنے آپ کو پہچانو۔ اپنے آپ کو ایک دوسرے طریقے سے اس طرح پہچانو کہ اس ملک کو بنانے کے لیے کم از کم جتنی شہادت ہوئی ہے تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اتنا خون نظر انداز بھی نہیں ہوتا۔ آپ نے پاکستان بنانے کے لیے بڑی

قربانیاں دی ہیں جب ۱۹۴۷ء کے اندر پاکستان بنا تب سے آپ لوگوں کے پاس ریکارڈ موجود ہے۔ آپ بتائیں کتنے آدمی شہید ہوئے ہوں گے؟ یہ آپ کے ریکارڈ میں ہے؟ یہ کہیں کہ بہت سارے انسان۔ اور شہید جو ہے وہ اللہ کے ہاں مقبول ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ تم انہیں مردہ نہ کہو جو اللہ کی راہ میں مرجائیں **ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات بل احیاء ولکن لا تشعرون** وہ زندہ ہیں اور تمہیں شعور نہیں ہوتا۔ وہ تو زندہ ہیں۔ اب اتنے لوگ جو اللہ کی راہ میں مرجائیں اور اللہ کہے کہ وہ زندہ ہیں تو آپ کے تحفظ کے لیے وہ نظام کافی ہے اور اللہ کے اتنے بزرگ جو اس خطہ کے اندر آ کر تشریف فرما ہوئے وہ بھی آپ کے لیے تحفظ کا ایک خاص مقام ہے۔ اس لیے آپ کی اہمیت اپنی جگہ پر بہت ہے۔ تو یہاں اللہ والے شہداء کی شکل میں ہیں' اولیاء کرام کی شکل میں ہیں 'اور یہاں کے علماء بھی معقول اور مناسب ہیں' مشائخ کرام بھی اچھے ہیں۔ سب کچھ موجود ہے مگر آپ لوگوں کے پاس ٹائم نہیں ہے کیونکہ آپ لوگ کاروبار میں لگے ہوئے ہیں' آپ لوگوں کو کمائیوں کا فکر ہے۔ اس لیے کبھی آپ کی قوم کو ہوش آ گیا تو پھر یہ قوم جو ہے دنیا میں واحد قوم ہوگی جو عظیم قوم ہوگی۔ ورنہ باقی تو ہر چیز ختم ہو چکی ہے۔ باقی سارے منشائے الٰہی کے برعکس جا رہے ہیں' اس قوم کے اندر کچھ اصلاح ہونے کی گنجائش ہے۔ اگر چین کلمہ پڑھ لیتا ہے تو پھر تمہیں مسلمان رہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہے گی' پھر منصب اس کو مل جائے گا۔ اس وقت تک جب تک چین کلمہ نہیں پڑھتا میرا خیال ہے آپ اللہ کے ہاں نمبرون قوم ہو اور اگر وہ کلمہ پڑھ لیتے ہیں تو پھر شاید کوئی اور واقعہ بن جائے۔ فی الحال تو وہ کلمہ نہیں پڑھ رہے۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اچھا مقام دیا ہے کہ آپ مذہب کا

ادب کرتے ہیں، عقیدت رکھتے ہیں، حضور پاک ﷺ سے آپ کی محبت ہے۔ اس قوم میں بڑی محبت ہے۔ یہ وہی علاقہ ہے۔

میرِ عرب ؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

تو یہ وہ علاقہ ہے۔ دشمن ٹھیک کرتا ہے، اس لیے خود کو دشمن کی نگاہ سے پہچانو۔ کسی نے سوال پوچھا کہ مسلمان کسے کہتے ہیں؟ کہتا ہے جس کو ہندو مسلمان سمجھے وہی مسلمان ہے۔ ہندو کی نگاہ سے دیکھو، جس کو وہ مارے گا وہ مسلمان ہوگا۔ ہندو جس جس کا دشمن ہے اُسے مسلمان سمجھو۔

سوال:

یہ کہا جاتا ہے کہ بینکوں میں جو زکوٰۃ کاٹی جاتی ہے یہ ٹھیک نہیں کیوں کہ اس کا استعمال ٹھیک نہیں ہوتا۔

جواب:

ٹھیک تو نہیں ہے مگر اس کا حل ایک تو یہ ہے کہ اس کا آپ خود انتظام کریں تو بہتر حالت ہو سکتی ہے لیکن آپ کی جواب دہی ختم ہو جاتی ہے جب گورنمنٹ زکوٰۃ کاٹتی ہے۔ فی الحال یہی نظام رائج ہے، پیسہ رکھنے کا آپ کے پاس نظام یہی ہے۔ آپ گھر میں رکھ نہیں سکتے، کہیں اور Scatter کر نہیں سکتے، پھیلا نہیں سکتے کہ کہیں Invest کر دیا جائے، کھپا دیا جائے۔ اس لیے بینک میں رکھتے ہیں، حکومت کا یہی فارمولا چل رہا ہے۔ دعا کرو کہ حکومت کو توفیق ہو جائے کہ وہ پیسہ غریبوں کے لیے استعمال کرے، یہ حکومت کو توفیق ہونی چاہیے باقی یہ کہ آپ کی جواب دہی ختم ہو جاتی ہے۔ جب حکومت نے اس سے زکوٰۃ کو کاٹ لیا تو بس آپ کی جواب دہی ختم ہوگئی۔ جب کبھی آپ برسرِ اقتدار آ جائیں

تو پھر یہ نظام درست کرنا چاہیے، ہیرا پھیری بند کرنی چاہیے۔ جو زکوٰۃ کا مستحق ہے اس کے پاس زکوٰۃ پہنچنی چاہیے۔ اسلام کے لیے اگر حکومت بنائی ہے کہ ہم اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تو کر ڈالو۔ مگر ہمارے ہاں یہ ٹریجڈی ہے کہ ایسا ہوتا نہیں۔ میں دوبارہ بات دوہرا رہا ہوں، میں نے آپ کو پہلے بھی بتائی ہے کہ ایوب مرحوم نے اعلان کیا کہ ہم اصل جمہوریت نافذ کریں گے یعنی Basic Democracy مگر اصل جمہوریت نافذ نہیں ہوئی۔ ایسا واقعہ ہوا کہ نہیں ہوا؟ بلکہ جھگڑا ہو گیا، مادرِ ملت کو ہی ختم کرا دیا گیا۔ تو اصل جمہوریت جو ہے وہ اپنی انا اور ضرورت کے درمیان ختم ہو گئی۔ تو پھر ایک اور نظام آیا کہ ہم سوشلزم نافذ کرتے ہیں، لوگوں نے کہا کہ نافذ تو کرو مگر اُس نے کہا ہم نہیں کرتے۔ اس زمانے میں سوشلزم پر اخبار میں تبصرہ آیا کہ پاکستان میں اب سوشلزم نہیں آئے گا کیونکہ سوشلزم کا نعرہ لگانے والا جاگیردار ہے۔ تو اگر تم کرنا چاہتے ہو تو کر ڈالو۔ سوشلزم کے اس زمانے میں Ejectment کے، بے دخلی کے بے شمار کیس چلے تھے، تب قانون بڑا تیز ہو گیا اور بے شمار لوگ بے دخلی کے مقدمات کی وجہ سے باہر ہو گئے کیونکہ مالکوں کو اندیشہ پیدا ہو گیا کہ کرایہ دار قابض ہو جائیں گے۔ اس لیے انہوں نے بے شمار لوگوں کو گھروں سے باہر نکال دیا۔ سب واقعات بڑے عجیب ہو گئے، پھر ایک نعرہ لگایا گیا کہ ہم اسلام نافذ کر رہے ہیں، وہ کہتے رہے مگر ابھی تک نافذ نہیں ہوا۔ جو شخص جو اعلان کرتا ہے وہ وہی کام نہیں کرتا۔ تو پھر تم کرتے کیا ہو؟ اگر اعلان کرتے ہو تو نافذ کر ڈالو، پھر دیکھا جائے گا، کتنا عرصہ ہو گیا ہے لیکن پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہو رہا اور اتنے سارے لوگ خود نافذ ہوئے بیٹھے ہیں۔ اس لیے دعا کرو کہ ان لوگوں کو توفیق ملے یا پھر توفیق والوں کو یہ مقام

ملے۔ دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں ناں۔ یہ آسان سی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی دنیا میں بار بار تو آپ نے آنا نہیں۔ پھر یہ نہ کہنا کہ ہم آئے تھے' بے بس رہے' بے بسی کو بے بس ہو کر دیکھتے رہے اور پھر ہم واپس چلے گئے' ہمارے دور میں ہم نے تو کوئی بات ہی نہیں کی ہے' اللہ تعالیٰ ہمیں ایک اور دور دے دے۔ وہ کبھی ایک اور دور نہیں دیتا۔ تو یہی دور ہے اور یہی زمانہ ہے' سچی بات جو دل میں آتی ہے وہ کر ڈالو۔ سچی بات یہ ہے کہ جو وعدہ کیا ہے اس کو پورا کرو' اگر اسلام نافذ کرنا ہے تو نافذ کرو۔ یہ جھگڑا ختم کرو تاکہ لوگ بے چارے اپنے کاروبار میں لگ جائیں۔ اگر یہاں کسی کیمپ میں دھماکہ ہوا تو بتاؤ کیا اب ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ اخبار تو یہی کہتا ہے کہ یہ ٹھیک ہو گیا ہے' یہ دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ آگ کو ٹھنڈا ہی کر دے۔ ینار کونی بردا وسلما علی ابراھیم یعنی اے آگ ٹھنڈی ہو جا اور سلامتی والی ہو جا۔

سوال:

سر! یہ شبِ قدر جو ہے کیا یہ مخصوص وقت کا نام ہے؟

جواب:

ایسا بھی علاقہ ہے کہ آپ کے ہاں رات ہے اور وہاں دن ہے۔ شب تو آپ کے پاس ہے' باقی دوسرے علاقے میں چاہے روزے کا دن ہو۔ آپ کو جب کبھی یہ شب مل جائے' جو بھی آپ کو بتایا گیا ہے' آپ اس وقت کیفیت میں بیٹھ جاؤ۔ اللہ کے لیے تو برابر ہے یہ وقت اور بے وقت۔ جب آپ اللہ کو کسی خیال کے حوالے سے Approach کرو' رابطہ کرو تو آپ کو اس کا کوئی نہ کوئی رزلٹ مل جائے گا یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے آج ملنا ہے اور کل نہیں ملنا۔ یہ تو ایک

وقت میں بیٹھنے کا سلسلہ بتایا گیا ہے کہ آپ اسے Approach کریں' آپ اس کی طرف رجوع کریں' پھر وہ واقعہ ہو جائے گا ورنہ شب قدر' لیلۃ القدر جسے کہتے ہیں تو پھر وہ لیلۃ القدر تھی جو اس زمانے میں تھی جب فرمایا گیا کہ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر یہ قرآن پاک کی بات ہے کہ انا انزلنہ فی لیلۃ القدر وما ادرک ما لیلۃ القدر یعنی جس رات میں قرآن نازل ہوا۔ اب یہ وہ رات نہیں جس میں قرآن نازل ہوا' وہ تو وہی رات تھی' یہ اس رات کی Memory بھی نہیں ہے' اس رات کی کاپی نہیں ہے۔ جس طرح کسی آدمی کا بیان ہو کہ آج ہم ''یوم بدر'' منا رہے ہیں۔ اب یوم بدر آج کے دن تو یوم بدر نہیں ہے' یوم بدر وہی تھا جس دن واقعہ بدر ہوا تھا۔ آج کے مقابلے کی بات نہیں ہے' وہ زمانہ وہ صدی اور وہ واقعہ پھر تاریخ عالم میں کبھی واپس نہیں آیا۔ اس کائنات میں کوئی لمحہ واپس نہیں آتا۔ یہ صرف اس کی یاد ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس طرح آپ لوگوں کو پرانے زمانے کی طرف رجوع کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ اس نام سے اپنے بزرگوں کی طرف رجوع کرلو۔ ورنہ یہ دن وہ نہیں ہے۔ اس لیے لیلۃ القدر کیا ہے؟ لیلۃ القدر یہ ہے کہ جس وقت بھی آپ ادھر رجوع کر رہے ہیں وہی لیلۃ القدر ہے' اور جس وقت آپ رجوع کرلو اُس وقت فرشتے نازل ہو سکتے ہیں اور یہ واقعہ ہو سکتا ہے۔ تمہیں بات سمجھ آئی؟ کہ کوئی رات دوبارہ نہیں ہوتی' کوئی دن دوبارہ نہیں آتا' کوئی Memory' یادوہ نہیں ہوتی جس کی ہم Memory' یاد منا رہے ہیں۔ ہو گیا جو وقت ہو گیا۔ وہ وقت پھر نہیں آتا۔ مثلاً کہتے ہیں کہ آج کا دن جو ہے وہ قائداعظمؒ کی پیدائش کا دن ہے۔ آج کا دن کیسے؟ ان کو تو مرے ہوئے مدت ہو گئی' آج کیسے پیدائش ہو گئی۔ اسی طرح اگر اقبالؒ کی پیدائش کا

دن ہے تو اقبال" کہاں ہے' اسے تو مرے ہوئے عرصہ ہو گیا۔ اس لیے یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ ہماری تقلید کا طریقہ ہے' تقلید پرستی کی رونق ہے۔

آخر میں دعا کرو۔ اللہ تعالیٰ ہماری تقلید کو بھی سلامت رکھے۔ صحیح تقلید کرنا بھی بڑی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح صداقت کی تقلید کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ ہماری صفوں کو انتشار سے بچائے۔ یارب العالمین ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ تیری عطا کی ہوئی نعمتیں جو ہیں وہ ہمیں تیری یاد سے غافل نہ کریں۔ یہ دعا ہمیشہ یاد کیا کرو کہ یارب العالمین تیری عطا کی ہوئی نعمتیں ہمیں تیری یاد سے غافل نہ کر دیں۔ اور تیری طرف سے آنے والی جو آزمائش ہے وہ تیری رحمت سے مایوس نہ کرے۔ بس یہ دعا قبول کرلو کہ تیری نعمتیں ہمیں تیری یاد سے غافل نہ کریں اور تیری آزمائش تیری رحمت سے مایوس نہ کرے۔ بس یہ دنیا اور وہ دنیا دونوں آسان بنا دے۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہٖ و نور عرشہٖ سیدنا وسندنا حبیبنا و شفیعنا محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین . آمین.

۵

ہم جو عمل کرتے ہیں اس کا کیسے پتہ چلے گا کہ وہ ہم صحیح کرتے ہیں یا نہیں؟

سوال:

ہم جو عمل کرتے ہیں اس کا کیسے پتہ چلے گا کہ وہ ہم صحیح کرتے ہیں یا نہیں؟

جواب:

ہمارا عمل دو نتیجے پیدا کرتا ہے۔ ایک تو یہ نتیجہ پیدا ہوتا ہے کہ ہمارے عمل سے دوسرے لوگ کس حد تک متاثر ہوتے ہیں اور دوسرا اس کا یہ اثر پیدا ہوتا ہے کہ اس عمل کا ہماری اپنی ذات پر کیا اثر پڑتا ہے۔ اور تیسرا اثر بتانے والے یہ بتاتے ہیں کہ اس عمل کا اللہ کے نزدیک کیا مقام ہے؟ تو ان تینوں چیزوں کو غور سے دیکھنا چاہیے کہ ہمارا عمل لوگوں پہ کیا تاثر پیدا کر رہا ہے' ہم عمل کے ذریعے لوگوں سے کیا چاہتے ہیں؟ اگر آدمی چلتے چلتے بے ترتیب ہونے لگے تو دوسرا آدمی کہتا ہے کہ ٹھہرو ذرا' اس ترتیب سے چلو۔ اس طرح وہ لوگوں میں نمایاں ہو جاتا ہے' خود بخود ہی ایک آدمی سوشل ورکر بن جاتا ہے اور وہ لوگوں کی اصلاح کرنے لگ جاتا ہے۔ تو لوگوں کو متاثر کرنے کا عمل یا عمل سے لوگوں کا متاثر ہونا' یہ ایک شعبہ ہے اور اس پر پوری وضاحت سے بات ہو سکتی ہے۔ دوسرا شعبہ یہ ہے کہ ہمارا عمل ہمارے اندر ایک تاثر پیدا کرتا جا رہا ہے اور تاثیر پیدا ہوتی جا رہی

ہے۔ ہم اپنے عمل کے ذریعے ہی مقبول ہوتے ہیں، جو بھی عمل ہے، چاہے نیک بد، اچھا برا ہے۔ اور عمل کرتے کرتے ہم وہ کچھ بنتے جا رہے ہیں جو کچھ اب ہم ہیں یعنی غم میں ہیں یا خوشی میں ہیں، پریشانی میں ہیں یا سُکھ میں ہیں، سکون میں ہیں۔ تو ہمارے یہ اعمال ہمارے اندر تاثیر پیدا کر رہے ہیں۔ اگلی بات یہ ہے کہ ہمارا عمل جو ہے وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں کیا نتیجہ پیدا کرے گا یا یہ کہ اس کا ہمارے مرنے کے بعد کیا نتیجہ نکلے گا۔

پہلا حصہ جو اعمال کا ہے وہ یہ ہے کہ ہم اپنے عمل سے لوگوں کو متاثر کرتے ہیں، مثلاً دنیاوی منفعت کے لیے، تو دنیاوی منفعت میں پیسے کا فائدہ بھی ہے اور فائدہ شہرت کا بھی ہے۔ شہرت کے لیے انسان پیسہ قربان کر سکتا ہے، بعض اوقات کچھ لوگ پیسے کے لیے شہرت قربان کر دیتے ہیں، اب یہ دونوں قسم کے مزاج ہیں۔ کچھ لوگ ایسے ہوں گے کہ پیسہ خرچ کریں گے تاکہ مشہور ہو جائیں، ایسے ہی ان کو عادت سی ہوتی ہے، پیسہ خرچ کر کے شہرت حاصل کر لی، جلسہ کر لیا، جلوس نکال لیا، خبر بنا دی، اخباروں میں شہرت کا واقعہ دے دیا، کہتے ہیں کہ کیا آج آپ نے ٹیلی ویژن میں میرا فوٹو دیکھا تھا؟ تو اپنے عمل سے لوگوں کو اس نیت سے متاثر کرنا کہ لوگ، ہمیں جاننے والے بن جائیں، یہ ہر آدمی کے اندر فطری سی بات ہوتی ہے یعنی کہ وہ لوگوں میں پہچانا جائے، ہر آدمی یہ چاہے گا، بچہ پیدا ہوتے ہی ایک چیخ مارے گا، یہ بتانے کے لیے کہ میں آ گیا ہوں اور اس طرح اس نے اپنی پہچان کرا دی۔ جوان آدمی اور طرح سے تقاضہ کرتے ہیں اور چھوٹا بچہ اور طرح سے، اس کی زبان تو نہیں ہے کہ کسی کو بتائے کہ مجھے تکلیف ہو رہی ہے، بس بچہ چیخ مارے گا اور ساری دنیا الرٹ ہو جائے گی کہ

بچے کو تکلیف ہے' ڈاکٹر بھی' والدین بھی اور اردگرد والے بھی کہ بچے کو کیا ہو گیا' بچے کو تکلیف ہو گئی۔ تو بچہ زور سے چیخ لگا کر ہر شے پر سناٹا طاری کر دیتا ہے اور اگر چُپ کر جائے تو اس کی خاموشی بھی لوگوں کے لیے پریشانی کا باعث بن جاتی ہے کہ بچہ چُپ ہے' صبح سے حرکت نہیں کر رہا' بچے کی آنکھ نہیں ہلتی ہے' کیا کیا جائے۔ بس شور مچ جائے گا۔ تو لوگوں کو متاثر کرنے کا بچے کے پاس یہ طریقہ ہے۔ ہر آدمی اپنے انداز سے اپنے سماج کو متاثر کرنے کا جذبہ رکھتا ہے اور سماج سے وہ شہرت کا' Respect کا اور بعض اوقات منفعت کا کریڈٹ لیتا ہے۔ وہ سوچتا ہے کہ اگر وہ مشہور ہو جائے گا تو فائدہ ہو جائے گا۔ ہم اپنے سینئرز کو متاثر کرتے رہتے ہیں کہ اس سے ہماری Confidential Report خفیہ رپورٹ بہتر ہو جائے گی' ہمیں کوئی کریڈٹ مل جائے گا' ہمیں کوئی ترقیاں مل جائیں گی' اس قسم کی شہرت ہماری زندگی کے راستے میں بہتری پیدا کرے گی اور ہم مشہور ہو جائیں گے۔ عام طور پر لوگ یہ کرتے ہی رہتے ہیں کہ دنیا کے اندر اپنے عمل و ایسے انداز سے کرنا کہ لوگوں میں وہ متعارف ہو جائے' شہرت ہو جائے' اس کا نام لیا جائے اور یہ بات ہر آدمی چاہتا ہے۔ بلکہ ایک بزرگ نے بھی یہ فرمایا کہ بھئی میں نے یہ کتاب لکھی ہے' تو یہ کتاب پڑھنے سے تمہاری نگاہ کھل جائے گی ور دوسرا یہ کہ میں بھی پہچانا جاؤں گا۔ اور آگے پتہ ہے کیا لکھتے ہیں؟ پہچانا جانا میرا حق ہے۔ داتا صاحبؒ کی کتاب ''کشف المحجوب'' میں یہ فقرہ ہے کہ یہ کتاب ایک تو اس لیے لکھ رہا ہوں کہ تمہیں راستہ ملے اور یہ تمہارے اس سوال کا جواب ہے کہ فقر کیا ہے' فقر کسے کہتے ہیں' زندگی کیا ہے اور دین کیا ہے؟ تو کتاب لکھنے کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ یہ کتاب پڑھ کر تمہارے لیے آسانی پیدا ہو جائے اور

دوسری وجہ کیا ہے؟ دوسری وجہ یہ ہے کہ میرا نام بھی باقی رہ جائے۔ آگے لکھتے ہیں کہ یہ میرا حق ہے۔ تو جس آدمی نے کتاب لکھی ہے اس کا یہ حق ہے کہ اس کا نام یہاں رہ جائے۔ تو کتاب جن کو لکھائی جاتی ہے یا جو لکھتے ہیں اس کا فائدہ ایک یہ ہے کہ کتاب سے لوگوں کو بھی منفعت ہوتی ہے اور لکھنے والے کو بھی ایک منفعت ہوتی ہے کہ اس کا حق ہے کہ وہ اپنے نام کو اپنے جانے کے بعد بھی چھوڑ جائے۔ ایسا لوگ کرتے ہیں۔ آج تک جتنے بھی لوگ ہیں جو آپ کی نگاہ میں باعزت لوگ ہیں، جو باعزت نام ہیں، یا تو کسی کام کے ذریعے آپ تک ان کی عزت پہنچی یا کسی کتاب کے ذریعے پہنچی۔ بلکہ ان کا مزار بھی باقیوں سے نمایاں ہوا جب کہ قبر تو موت ہی ہے لیکن وہ موت میں بھی نمایاں ہیں، ان کی الگ سی قبر بنی ہوگی، مزار بنا ہوگا، رونق ہوگی، قوالی ہوگی، کچھ اور واقعہ ہوگا، پھول چڑھائے جا رہے ہوں گے، کوئی قصہ ضرور ہوگا۔ گویا کہ جتنے بھی محترم نام ہیں یہ سارے کے سارے ہم تک جو پہنچے ہیں یہ ان کے جانے کے بعد پہنچے ہیں۔ گویا کہ عزت اور شہرت ایسی چیز ہے کہ اس کا ثبوت ہم خود دے رہے ہیں۔ کیا ثبوت دے رہے ہیں؟ کہ ہمارے پاس جتنے باعزت نام ہیں یہ ان لوگوں کے نام ہیں جو چلے گئے ہیں۔ گویا کہ عزت کے اندر اپنا نام داخل کر جانا جو ہے یہ اپنے جانے کے بعد کئی صدیوں تک قائم رہتا ہے، زمانوں تک قائم رہتا ہے۔ اسی طرح کچھ لوگ یہاں آئے، رہے اور چلے گئے اور پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ آئے تھے کہ نہیں آئے تھے۔

؎ کتنے باغ جہان میں لگ لگ سوکھ گئے

سارے باغوں کا تو کسی کو پتہ نہیں چلتا کہ کہیں پھول کھلے کہ نہ کھلے۔ تو کچھ لوگ جو ہیں وہ آتے ہیں اور چلے جانے کے بعد بھی وہ زندہ رہ جاتے ہیں۔ یہ شہرت یا

یہ عزت جو ہے یہ نصیب کی بات ہوتی ہے۔ تو یہ جو ہم دنیا کو متاثر کرتے رہتے ہیں ایک تو اس کی وجہ اس کی افادیت ہے' ہمیں ضرورت ہے دنیاوی مرتبے کی' دنیاوی منفعت کی اور اپنی انا پرستی کی کہ چلو جی عزت ہوگی' دس آدمیوں نے ہمیں سلام کرنا ہے۔ یہ جو مرتبہ ہے یہ مرتبہ ہماری کمزوری بن جاتا ہے۔ تو جہاں ہماری طاقت ہے وہاں پر ہماری کمزوری ہے۔ یہ بات یاد رکھنے والی ہے کہ جس چیز کو ہم طاقت سمجھ رہے ہیں وہی ہماری Weakness ہے کمزوری ہے' اور ہم اس طاقت کے حوالے سے اپنا عمل درست کر رہے ہیں کہ یہ ہمارا مرتبہ ہے' یہ ہمارا Rank ہے اور یہاں پر یہ ہماری عزت ہے اور یہ ہونی چاہیے۔ اور وہی چیز ہماری Weakness کمزوری بن جاتی ہے اور پھر اس کی وجہ سے بہت ساری چیزیں اِدھر اُدھر کر جاتے ہیں مثلاً آپ کہتے ہیں کہ یہ ہمارا مرتبہ ہے یہ نوکری ہے' گریڈ ہے' بڑی اچھی بات ہے' اس سے آسانی ملتی ہے' پیسہ ملتا ہے اور عزت ملتی ہے۔ یہ سب ٹھیک ہے مگر بعض اوقات اس مرتبے کے لیے آپ پیسے بھی ضائع کر بیٹھتے ہیں اور عزت بھی گنوا بیٹھتے ہیں۔ تو جس وجہ سے آپ وہ مرتبہ حاصل کرتے ہیں اس کے برعکس عمل شروع ہو جاتا ہے۔ پھر آپ کہتے ہیں میرا یہ مرتبہ لوگوں میں میری بڑی عزت والا ہے مگر اب ایسا عمل ہو گیا کہ لوگوں میں بے عزتی ہے۔ اب آپ سیاست کے میدان میں دیکھیں بادشاہت کے میدان میں اور حکومت کے میدان میں' عزت کے ساتھ آنے والے اکثر عزت کے بغیر چلے گئے حالانکہ وہ آنے کے عمل کو عزت سمجھ رہے تھے مگر عزت ایک مقام کا نام ہے' ایک عمل کا نام ہے اور اس مرتبے میں آنے کے بعد وہ عمل ان سے سرزد نہ ہوا نتیجہ یہ ہوا کہ جانے کے بعد وہ سُرخروئی نہ رہی اور پریشانی ہوگئی۔ آپ اپنی ملکی

سیاست میں دیکھیں کہ قائداعظمؒ کے نام کے بعد کوئی نام عزت کے میدان میں ٹھہرا ہی نہیں۔ مطلب یہ ہے کہ صرف وہ ایک نام ہے جو سیاست کے میدان میں قائم ہے اور آج بھی لوگ احترام کے ساتھ ان کا نام لیں گے‘ پکاریں گے۔ ان کے بعد جتنے بھی سربراہانِ مملکت آئے بس سب کا ملا جُلا رجحان رہا کہ ان کا آنا زندہ باد اور جانے سے پہلے زندہ باد کے علاوہ مردہ باد تک بات نکل گئی۔ لوگ تو یہ کرتے رہے ہیں اور پرانے زمانے سے یہ دستور رہا ہے‘ اس میدان میں کم لوگ ایسے ہیں کہ جو عزت کے ساتھ آئے اور عزت کے ساتھ رخصت ہوئے...... تو ہمارا عمل بعض اوقات Intention ‘ارادے کے برعکس ہو جاتا ہے‘ ارادہ کچھ اور ہوتا ہے اور ہم کچھ اور کر بیٹھتے ہیں اور یہ یاد رکھنے والی بات ہے کہ عمل کا وہ حصّہ جس کا تعلق لوگوں کو متاثر کرنے کے ساتھ ہے‘ اس حصّے میں ہمیشہ غلطی ہو سکتی ہے۔ اس لیے بڑی احتیاط کرنی چاہیے۔ عمل کا وہ حصّہ جس سے ہم لوگوں کو متاثر کرنا چاہ رہے ہیں ہم اسی میں غلطی کر جاتے ہیں بلکہ اسی کے اندر غلطی ہو جاتی ہے‘ مثلاً یہ کہ ہم پیسے کے ذریعے عزت حاصل کرتے ہیں اور سیاسی عمل سے ہی ہم عزت سے محروم ہو جاتے ہیں‘ حکومت کے ذریعے ہم عزت حاصل کرتے ہیں اور حکومت کے اندر ہی ہم ظلم کر بیٹھتے ہیں۔ تو وہی عمل جو ہمیں باعثِ عزت بنا رہا تھا اسی عمل کے اندر اگر ہم Intensity بدل دیں‘ تو عزت سے محروم ہو جاتے ہیں۔ مثلاً آپ پولیس کو لے لیں‘ پولیس کا کام احتیاط کے ساتھ طاقت کا استعمال کرنا ہے‘ تاکہ مجرموں سے یا ان کی زَد سے معاشرہ بچ جائے‘ یہ بڑا اچھا کام ہے اور ان کے پاس طاقت ہونی چاہیے تاکہ شریف آدمی کی زندگی آسانی سے گزرے اور مجرم کے اوپر طاقت کا استعمال ہو لیکن پریشانی کا وقت تب آتا ہے

جب طاقت استعمال کرتے وقت سمجھ نہیں آتی کہ مجرم کون ہے اور غیر مجرم کون ہے۔ پولیس والا کہتا ہے کہ گاڑی چیک کروتا کہ کہیں کوئی نامناسب انسان کوئی نامناسب شے لے کر نہ جارہا ہو۔اور اگر ایک مناسب آدمی مناسب شے لے کر جارہا ہے اور پولیس والے بے تحاشہ قسم کی چیکنگ کرتے ہیں تو وہ سارا اثر جو ہے وہ غلط ہو جاتا ہے' Intention صحیح ہے' نیت صحیح لیکن عمل جو ہے وہ اور طرح کا نتیجہ پیدا کردے گا اور پھر آہستہ آہستہ لوگ بولنا شروع ہو جائیں گے کہ دیکھو جی شریف شہری کی زندگی پریشان ہوگئی ہے اور مفلوج ہوگئی ہے۔اس لیے یہ واقعہ ہے طاقت کی مقدار یا استعمال کا کہ جہاں طاقت کا استعمال نہیں ہونا چاہیے وہاں بھی ہو جاتا ہے۔ مثلاً حکومت مجرموں کو پابند کرتی ہے لیکن بعض اوقات معصوموں کو بھی پابند کردے گی کیونکہ وہ حکومت ہے۔ پھر یہ بات پھیلتی ہے' آگے چلتی ہے اور پھر سارے کا سارا سنگھاسن اُڑ جاتا ہے۔ایسا آپ نے بارہا دیکھا ہوگا۔تو ایک عمل تو یہ ہے۔تو عمل کا وہ شعبہ جس سے ہم دوسروں کو متاثر کرتے ہیں اس میں بڑی احتیاط چاہیے کہ دوسروں کو متاثر کرنے کے ساتھ ساتھ ہم ایک ایسا عمل کر بیٹھتے ہیں جو دوسروں کو عام طور پر Negatively' منفی طور پر متاثر کرتا ہے۔اس کے اندر ایک اور ضروری بات میں نے آپ کو بتائی تھی کہ شہرت یا عزت حاصل کرنا سب کا حق ہے۔ داتا صاحبؒ نے یہ اپنی کتاب میں لکھا ہے' یہ بات آپ کو دوبارہ بتا رہا ہوں کہ داتا صاحبؒ نے کتاب میں کیوں لکھا؟ ایک تو یہ ہے کہ پڑھنے والے کو راستہ ملے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اُن کا نام رہ جائے اور انہوں نے کہا ''یہ میرا حق ہے''۔تو ہم لوگوں میں باقی رہنا چاہتے ہیں اور یہ خواہش کوئی نامناسب نہیں ہے۔ لوگوں کے دلوں میں رہنا

نامناسب خواہش نہیں ہے کیونکہ لوگ، لوگوں کو یاد کرنے کا نام ہے۔ یہ لوگ ہیں کیا؟ ایک دوسرے کو دیکھنا، ایک دوسرے کے ساتھ ڈیل کرنا، ایک دوسرے کو یاد رکھنا، ایک دوسرے کو پسند کرنا، ایک دوسرے کو ناپسند کرنا، ایک دوسرے کے حق میں بولنا اور ایک دوسرے کے خلاف بولنا۔ لوگوں کے درمیان اور تو کوئی بات ہی نہیں ہوتی، بس یہی لوگ ہیں۔ ایک آدمی ہوتا ہے اور باقی سب لوگ ہوتے ہیں یعنی ایک انسان ہوتا ہے اور باقی سب لوگ ہوتے ہیں۔ تو انسان اپنے آپ کو لوگوں کے آئینے میں دیکھتا رہتا ہے۔ باقی سارا جہاں جو ہے وہ انسان کے لیے آئینہ ہے اور آپ اکیلے سفر کر رہے ہو کیونکہ آپ کا ساتھ کسی نے نہیں دینا، بس صرف آپ کے خیال کی داد دے دے گا مگر کوئی آپ کے خیال میں شامل نہیں ہوگا، تکلیف کا علاج کر دے گا مگر آپ کی تکلیف میں شامل کوئی نہیں ہوگا۔ آج کل خوشی میں کوئی شامل نہیں ہوتا تو تکلیف میں کون شامل ہوگا۔ اگر سر آپ کا ہے تو درد بھی آپ کا ہوگا، لوگ دوائی دے سکتے ہیں لیکن سر درد کا حصے دار کوئی نہیں بنے گا۔ یہ تو سر کی بات ہے، دل کے درد کا پھر کون حصے دار ہوگا؟ کوئی بھی نہیں ہوگا بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کا دلبر بھی نہیں بنتا۔ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ہم دوسروں کو متاثر کرتے کرتے بھول جاتے ہیں کہ ہم کن لوگوں کو متاثر کر رہے ہیں۔ اچھے لوگوں کو متاثر کرنا اچھی بات ہے اور بُرے لوگوں کو متاثر کرنا بُری بات ہے، اور آپ یہ بھول جاتے ہیں۔ اب خلاصہ یہ نکلا کہ متاثر کرنے کا عمل آپ کی مجبوری ہے، متاثر کرنے کا عمل آپ کا حق ہے، ودیعت اور پیدائشی۔ اچھے لوگوں کو متاثر کرنا اچھی بات ہے اور بُرے لوگوں کو متاثر کرنا بہت بُری بات ہے۔ ہم جب تک یہ تمیز نہ کریں کہ اچھا کون سا ہے اور بُرا کون سا ہے تو متاثر کرنے کا عمل

جہالت ہے۔ تو متاثر کرنے کا عمل سماج کے ساتھ رابطہ ہے۔ کیا رابطہ ہے؟ اپنے آپ کو مشہور بنانے کا عمل۔ مثلاً وہ بڑا مشہور ہے۔ کن لوگوں میں مشہور ہے؟ کہتے ہیں کہ جواء بہت اچھا کھیلتا ہے اور ان لوگوں میں مشہور ہے اور یہ اس کی شہرت ہے۔ تو شہرت کا دائرہ دیکھو کہ شہرت کا دائرہ کہاں ہے؟ جو جس دائرے میں مشہور ہوگا وہی دائرہ اس کی عبرت ہے اور وہی اس کی عاقبت ہے۔ تو اللہ کی طرف سے دنیا کے اندر کسی کی عاقبت دیکھنی ہو تو اس آدمی کا دائرہ تاثیر دیکھو۔ ہر چیز اپنی تاثیر رکھتی ہے' اپنے اپنے دائرے رکھتی ہے' ہر آدمی کسی دائرے میں تاثیر پیدا کرے گا' ضرور کرے گا بلکہ خالی چہرہ بھی تاثیر پیدا کرے گا۔ تو دائرہ تاثیر دیکھنے کے بعد لوگوں کے بارے میں فیصلہ کیا کرو کہ یہ لوگ کیا ہیں؟ تو آپ اپنے آپ کو دیکھیں کہ لوگوں کو متاثر کرنے والا جو دنیاوی عمل ہے اگر وہ صحیح دائرے میں تاثیر نہیں پیدا کرتا تو وہ کامیابی بھی ناکامی ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ غالبؔ بہت مشہور آدمی تھا تو غالبؔ سے بڑھ کر کون مشہور ہو سکتا ہے کیونکہ وہ شاعر تھا مگر غالبؔ جو ہے وہ مسجدوں میں مشہور نہیں ہے۔ آپ مولانا نورانی کی مسجد میں چلے جائیں اور کہیں کہ غالبؔ جو ہے وہ بہت اچھا آدمی تھا تو وہاں غالبؔ کی بات ہی نہیں ہوگی وہاں قال اللہ اور قال رسولؐ اللہ کی بات ہوگی۔ اس لیے غالبؔ کا شعبہ ادب میں ہے اور غالبؔ کا شعبہ عبادت میں نہیں ہے۔ وہ بے شک ادب کی دنیا کا بادشاہ ہو لیکن عبادت کی دنیا میں اسے شاید جگہ ملے یا نہ ملے۔ یہ الگ بات ہے۔ پھر ہم اس کے کلام میں غالبؔ کی بخشش کا کوئی مقام نکالیں گے کیونکہ اس نے کہا ہے کہ:

ے دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اُن کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

اور یہ بھی کہ

ے غالبؔ ندیمِ دوست سے آتی ہے بوئے دوست
مشغولِ حق ہوں بندگی بُوترابؓ میں

غالبؔ یہ بات تو کر گیا ہے ناں...... اس لیے اس کی آخرت تو ٹھیک ہے، اسے معافی تو مل سکتی ہے مگر مرتبہ نہیں۔ مرتبہ ادب میں ہے اور معافی کا تعلق دین کے ساتھ ہے۔ دین کا مرتبہ جو ہے وہ امام غزالیؒ کو ملے گا۔ اب آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ غالبؔ اور غزالیؒ ایک ہی ہیں۔ آپ یہ بھی نہیں کہہ سکتے کہ غزالیؒ شعر کہتے تھے۔ وہ غالبؔ کے برابر غزل نہیں کہہ سکتے۔ بس غالبؔ، غالبؔ ہے اور غزالیؒ، غزالیؒ ہیں، ہر چند کہ اپنے اپنے شعبے کے شہہ سوار ہیں مگر اُن کا مقام اور انداز کا ہے اور اُن کا مقام ایک اور انداز کا ہے۔ اسی طرح اگر اب آپ موجودہ کرکٹ کے کسی کھلاڑی کا نام لیں اور ماضی کے کسی شخص سے پوچھیں تو وہ کہے گا کہ مجھے تو پتہ نہیں، کیونکہ یہ شعبہ اور ہے۔ تو کرکٹ کی موجودہ ٹیم کا شعبہ اور ہے، وہ ضرور مشہور ہو گا لیکن آپ اس کا دین کے حوالے سے جائزہ نہیں لے سکتے۔ اگر ایک آدمی حج کر کے آیا تو اس کا اور مقام ہے اور دوسرا آدمی کرکٹ کا میچ جیت کر آیا تو اس کا اور مقام ہے۔ تو یہ شعبے الگ الگ ہیں۔ اس لیے تاثیر پیدا کرنے والا اپنے دائرہ تاثیر کو پہلے دیکھے اور پھر تاثیر پیدا کرے۔ یہ بہت ضروری بات ہے۔ تو عمل کے ضروری حصے یہ ہیں کہ ایک حصہ ہے جو دنیا میں اثر پیدا کرتا ہے، عمل کا دوسرا حصہ وہ ہے جو ہمارے اندر اثر پیدا کر رہا ہے۔ مثلاً آپ

عمل کے ذریعے کوئی چیز خرید کے لائے، اب خرید کے لانا ایک عمل ہے اور اس خریدی ہوئی چیز نے گھر کے اندر جو فساد مچانا ہے تو وہ الگ کہانی ہے۔ بکری خرید کے لائے تو اب گھر میں گھاس بھی پالو اور بکری بھی پالو۔ بس یہ ناممکن سا ہے کیونکہ اس کا اثر اور ہوگا۔ تو آپ پر اس چیز کا اثر پڑے گا۔ گھر کے اندر اگر آپ کوئی چیز لائیں گے، کوئی عمل کریں گے تو اس عمل سے آپ کے اندر آہستہ آہستہ تاثیر پیدا ہوتی جائے گی، آہستہ آہستہ آپ کا کردار بنتا جائے گا، اگر آپ مصلیٰ خرید کے لائیں گے تو کسی وقت نماز بھی پڑھ لیں گے۔ تو اس کی تاثیر ایسی پیدا ہو جائے گی۔ تو آپ پر آپ کے عمل کی کیا کیا تاثیر پیدا ہوتی ہے۔ اگر آپ اچھے ماحول سے گزر کے آئیں گے تو آپ کی کیفیت اچھی ہوگی اور اگر بُرے ماحول سے گزرے تو یہ نہ کہنا کہ

بازار سے گزرا ہوں خریدار نہیں ہوں

بازار سے گزرنے کا اثر ضرور پڑتا ہے۔ بیٹھنے کے لیے سب سے اچھی جگہ مسجد ہے اور بیٹھنے کے لیے سب سے بری جگہ بازار ہے۔ ہم بزنس کے خلاف نہیں بول رہے لیکن یہ فرمایا فرمانے والوں نے کہ بیٹھنے کے لیے سب سے اچھی جگہ مسجد ہے اور بیٹھنے کے لیے سب سے بری جگہ بازار۔ بازار سے مراد As such جسے بازار کہتے ہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ ہمارے اوپر بھی ہمارے عمل کا اثر پڑتا ہے۔ نیک عمل جو ہے وہ چہرے کے اوپر، خیال کے اوپر اور احساس کے اوپر اچھا اثر پیدا کرتا ہے۔ اس کا آپ اس طرح کہہ سکتے ہیں جیسے آپ خوشبو بیچنے والے کے پاس گئے، عطار کے پاس آپ گئے تو اس کی کوئی نہ کوئی خوشبو آپ کو آئے گی اور آپ کوئلے والے کے پاس بیٹھیں تو کہیں نہ کہیں کوئلے کا داغ ہی

لگنا ہے۔ تو بات یہ ہے کہ آپ کی محفل، خیال کی محفل بھی آپ کے اندر تاثیر پیدا کرتی جاتی ہے۔ اس لیے کہتے ہیں کہ اپنے خیال کی اصلاح کرو تاکہ آپ کے اندر اچھی تاثیر پیدا ہو، اچھے لوگوں میں رہا کرو تاکہ آپ کے اندر اچھی تاثیر پیدا ہو، اچھے مقامات دیکھا کرو کیونکہ صرف دیکھنے سے آپ کے اندر اچھائی پیدا ہو جائے گی اور اگر بُرے مقام سے گزرو، عمل نہ بھی کرو تو بھی بُرائی پیدا ہو جائے گی۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ ہم اُدھر سے گزر کے جائیں گے تو کچھ بھی نہیں ہوگا، پھر آپ گزر گئے اور گزرنے کا عمل جو ہے وہ آپ کے اندر بے شمار باتیں پیدا کر گیا۔ ناواقف کی زبان سے سنا ہوا فقرہ بے شمار عمل پیدا کر جائے گا، صرف سنا ہوا فقرہ۔ اسی طرح ناواقفی کا دیکھا ہوا منظر بے شمار عمل پیدا کر جائے گا۔ اس لیے اچھے مناظر سے گزرو، اچھے الفاظ سے گزرو اور اچھے دوستوں سے گزرو۔ کہتے ہیں کہ اگر بیٹھنا ہے تو بیٹھنے کے لیے یا تو تم کسی دانا کے پاس بیٹھو یا تم کسی رعنا کے پاس بیٹھو، کسی Beautiful کے پاس بیٹھو تاکہ ضیافتِ نگاہ ہی ہو، یا پھر وقت ضائع نہ کرو اور تنہا ہی بیٹھو۔ مطلب یہ ہے کہ بیٹھنے کا طریقہ یہ ہے کہ آپ منتشر Gathering میں نہ بیٹھو، جہاں چار آدمی مختلف عقیدے کے بیٹھے ہوں، آپ اگر وہاں بیٹھ جاؤ گے تو آپ ضدی ہو جاؤ گے، اڑیل ہو جاؤ گے، اکھڑ ہو جاؤ گے، شرارتی ہو جاؤ گے، جھگڑالو ہو جاؤ گے اور پریشان ہو جاؤ گے کیونکہ چاروں کے عقیدے آپس میں جھگڑا شروع کر دیں گے۔ اس لیے ایک عقیدے والے کے ساتھ رہو تو وہ ایک عقیدہ آپ میں کیفیت پیدا کر دے گا چاہے خدانخواستہ ہندو کے عقیدے میں ہو۔ ہندو جو اچھے ہیں وہ بھی بہت اچھے ہیں اپنے دھرم میں لگے ہوئے ہیں، بت کے آگے سجدہ کرتے ہیں یا چاہے جو مرضی کرتے جا رہے

ہیں۔تو جھگڑا پیدا کرنے والے میں اگر آپ صرف بیٹھے رہو گے تو بھی وہ ایک Repel پیدا کرے گا' Waves پیدا کرے گا۔تو آپ کا عمل آپ کے اندر جو تاثیر پیدا کرے گا وہ بہت اہم ہے' وہ سکون پیدا کرے گا یا سکون کم ہو جائے گا۔ صرف محفل ہم آہنگ بناؤ۔ایک آدمی صبح ایک جگہ جاتا ہے اور شام کو اس کے برعکس جاتا ہے تو سارا دن اس کے اندر Tension رہے گی۔ایسا آدمی کہتا ہے کہ اب مجھے وہاں جانا ہے۔پھر اس سے پوچھو کہ اب یہ کیا بات ہے؟ تو کہتا ہے کہ ہم نے وہاں بھی جانا ہے۔تو آدمی کیا ہوا؟ پریشان! ایسے آدمی کو ہم کہیں گے کہ یہ پریشان ہے کیوں کہ یہ صبح اِدھر کو جاتا ہے اور شام کو اُدھر کو جاتا ہے۔اس لیے اپنا قبلہ جو ہے وہ درست کر لیں' قبلہ کا معنی جو ہے رجوع ہے' تو آپ اپنے رجوع کو ایک طرف کا کر دو تا کہ آپ کو آسانی ہو......تو خیال کا دوسرا حصّہ وہ ہے جو ہمارے اندر تاثیر پیدا کر رہا ہے۔ہمارے اندر ہمارے خیالوں کی تاثیر ہوتی ہے۔اچھا خیال جو ہے اچھی کیفیت پیدا کرے گا' اچھی یادداشت اچھی کیفیت پیدا کرے گی' اچھے دوستوں کے خطوط اچھی کیفیت پیدا کریں گے' اچھے مناظر اچھی کیفیت پیدا کریں گے' صرف نیک لوگوں کے درباروں سے گزر جاؤ' کچھ بھی نہیں کیا صرف گزر گئے' تو خالی جانا جو ہے وہاں سے آپ کو کوئی نہ کوئی تاثیر مل جائے گی۔اس لیے آپ سلطان باہوؒ کے آستانے پر جاؤ' یہاں سے وہاں گڑھ مہاراجہ' وہاں کچھ بھی نہ ہو' بس آپ ہو کے آجاؤ مگر پھر کچھ دنوں بعد آپ کو محسوس ہو گا کہ میں تو بہت اچھی جگہ سے ہو کر آ گیا ہوں۔تو یہ ہے اچھی جگہ پر جانے کا عمل' یہ نتیجہ کچھ بھی پیدا نہ کرے مگر یہ نتیجہ بذاتِ خود نتیجہ ہے۔تو نیکی کے سفر پر صرف نکلنا ہے' آپ حاصل یا محرومی کو چھوڑ دو' نکلنا بذاتِ خود نیکی ہے اور

بدی کے سفر پر نکلنا بذاتِ خود بدی ہے۔ تو آپ کے اپنے اندر آپ کا عمل تاثیر پیدا کرتا رہتا ہے۔ تیسری بات جو ہے وہ یہ ہے کہ ہم بعض اوقات لوگوں کو متاثر کرتے ہوئے' اپنے آپ کو ٹھیک کرتے ہوئے یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارا عمل خدا کے آگے کیا مقام پیدا کرے گا' یہاں آ کے پتہ چلتا ہے کہ دونوں باتیں غلط تھیں' دنیا کے ساتھ جو کچھ ہم نے کیا وہ بھی غلط' اپنے ساتھ جو کچھ کیا وہ بھی غلط' اور آگے تو بات کچھ اور نکلی۔ آدھی زندگی تو میں Fight کرتا رہا اپنے رینک کی لیے' عہدے کے لیے' آدھی زندگی اپنے رشتے داروں کے لیے' کچھ زندگی میں نے اپنے آپ کو درست کیا' بڑا مطالعہ کیا مگر یہاں پر تو اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کوئی اور ہی بات پوچھ لی ہے۔ تو نتیجہ یہ ہے کہ یہاں کی کامیابی بھی آگے کام نہ آئی۔ لہٰذا آپ کامیابیوں سے بھی بچو' ایسی کامیابیاں جو اللہ کے ہاں کامیاب نہیں ہیں۔ ایک آدمی بہت زیادہ مشہور ہو جائے' غالبؔ جیسا مشہور ہو جائے تو اللہ کے سامنے غالبؔ کیا ہوا؟ اور اللہ تعالیٰ نے میٹر اسلامیات والا لگا دیا تو غالبؔ کیا جواب دے گا' غالبؔ تو وہاں جواب نہیں دے سکتا' ایسے ہی کسی کرکٹر سے اللہ تعالیٰ اسلامیات کے حوالے سے پوچھ لے تو وہ بیچارہ تو کہے گا کہ میں تو پاکستان کا نام ہی روشن کرتا جا رہا ہوں۔ تو پاکستان کا نام تو یوں روشن نہیں ہوتا۔ ایک گانا گانے والا یا گانا گانے والی کیا بتائیں گے کہ پاکستان کا نام روشن کیسے ہوتا ہے' اللہ تعالیٰ تو کہے گا کہ پہلے اپنا حساب دو اور وہ حساب اسلام کے حوالے سے مشکل ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے آپ سے جو کچھ پوچھنا ہے یا جیسے آپ کو لینا ہے' جس طرح نتیجہ ہونا ہے اس کا بھی خیال رہے۔ عام طور پر دیکھا جائے گا کہ دنیا کے اندر ہماری کوششیں اور ہمارا حاصل شاید ہماری عاقبت کے حوالے سے صحیح

نہ ہو اور ہمیں دنیا کے اندر نتیجہ بھی نہیں ملنا۔ کہتا ہے کہ دیکھو آپ حلال کی روٹی کمایا کرو، کہتا ہے کہ حلال کی بات تو ضرور ہے ابھی تو حرام کی بھی نہیں مل رہی، ابھی تو وقت وہ ہے کہ حرام کا کھانا بھی نہیں مل رہا حلال کے ملنے کا وقت تو آپ بعد میں پوچھو، فی الحال تو ہم لوگ دِقت میں ہیں۔ تو جس بے چارے کو حرام کا بھی نہیں مل رہا اس کو حلال کا پیغام کس طرح سمجھ آئے گا، یہ ناممکن ہے۔ اس لیے اپنی ذات کے حوالے سے، خدا کے حوالے سے اور سماج کے حوالے سے اپنے اعمال کا جائزہ لیتے رہا کرو کہ آپ کا عمل جو ہے کیا نتیجہ پیدا کر رہا ہے۔ کہتے یہ ہیں کہ بد عمل سے بے عمل اچھا ہے۔ کہتا ہے کہ تم نے کیا کیا ہے؟ کہتا ہے کہ کچھ نہیں کیا ہے، آرام سے بیٹھے ہیں، زندگی میں کوئی بھی عمل نہیں کیا ہے۔ اگر آپ نے برائی نہیں کی تو برائی نہ کرنا کیونکہ آج کے دور میں یہ بڑی نیکی ہے، اچھی نیکی ہے۔ تو نیکی کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بدی سے بچنا۔ برے عمل سے بچنا بھی نیک عمل ہے، برے علم سے بچنا بھی اچھا علم ہے۔ تو Uneducated ہونا بہت بہتر ہے ill educated ہونے سے۔ تو بری تعلیم سے بہتر ہے کہ انسان بغیر تعلیم کے رہے کیوں کہ بد تعلیم کا اصلاح کرنا بڑا مشکل ہے اور بے تعلیم کی اصلاح ہو جائے گی۔ اس لیے ہمیں یہ بہت غور سے دیکھنا چاہیے کہ ہم زندگی کے اعمال کا کیا نتیجہ نکال رہے ہیں کیوں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو یہ زندگی پیش کرنی ہے اور اس زندگی میں ہی اللہ کے علاوہ باقی نام ہیں۔ تو دھیان کرنا چاہیے اور ہمیں اپنی عاقبت کا خیال کرنا چاہیے۔ اس کا میں آپ کو راز بتاتا ہوں، مثال کے طور پر اگر آپ دنیا دار ہو تو اپنی دنیا کے حاصل کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار رہا کرو۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کوئی ہرگز فلاح نہیں پائے گا جب تک کہ وہ خرچ نہیں کرے گا جس کو وہ

پسند کرتا ہے۔ تو گویا کہ انسان پسند کرنے کا مال کمائے گا اور اب اللہ کی راہ میں اس مال کے ذریعے سے نجات یہ ہے کہ اسے اللہ کی راہ میں خرچ کر دو۔ اس راستے پہ چلا جائے تو کچھ حد تک وہ عمل Condone ہو جاتا ہے اور کچھ حد تک اس کی اصلاح ہو جاتی ہے۔ اس لیے ان باتوں کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ آپ کی زندگی کس رخ پر جا رہی ہے کیوں کہ جو کچھ آپ نے کمایا ہے وہ چھوڑ کر تو ضرور جانا ہے اور یہ آپ ساتھ نہیں لے کر جا سکتے۔ اگر غلطی سے کمایا اور صحیح راستے پر خرچ ہو جائے تو یہ بھی نیکی ہے۔ رشوت کے پیسے سے انسان حج ہی کر آئے تو حج کا منظر اس پر ضرور تاثیر پیدا کرے گا' وہ وہاں رشوت سے توبہ بھی کر سکتا ہے' ہم یہ نہیں کہتے کہ رشوت ضرور لیے جائے۔ اگر برے پیسے کو بھی برائی میں استعمال کیا تو دو برائیاں ہو گئیں۔ تو رشوت لینے والے نے برے پیسے کو کم از کم نیک راستے پر استعمال کیا' چلو کچھ نہ کچھ اس کی اصلاح کا پہلو نکل آیا' وہ پیسہ کسی اور نیک آدمی کے کام آ گیا' کسی غریب کے کام آ گیا۔ ایک شخص کہتا ہے کہ میں نے ناجائز پیسہ کمایا ہے اب میں اس کا کیا کروں؟ کہتا ہے کہ غریب کی مدد کر دو۔ اس نے غریب کا مکان بنا دیا' غریب کی اصلاح کر دی۔ پھر وہ کہتا ہے کہ میں نے غریب کے لیے گناہ کیا۔ عین ممکن ہے کہ اس کی عاقبت بچ جائے۔ دنیا میں آپ اکثر غلط اعمال کے ذریعے ہی چل رہے ہیں' غلط اعمال بالکل نہیں کرنے چاہییں اور غلط عمل اگر کر ہی لیا ہے تو اپنی عاقبت اچھے عمل کے ذریعے درست کر لو۔ اس کی یوں مثال ہے کہ ایک آدمی گناہ گار رہا اور پھر وہ اللہ کی راہ میں شہید ہو گیا تو اب گناہ کا ذکر کیا۔ اس کے گناہ کے حوالے سے آپ اس کا ذکر نہیں کر سکتے کیوں کہ وہ تو شہید ہو گیا ہے۔ تو یہ عین ممکن ہے کہ گناہ گار کو پیسے کے باوجود

اللہ کی طرف سے کوئی ایسا نصیب مل جائے کہ وہ شہید ہو کے بغیر ہی اعمال کے ما پا جائے' یہ عین ممکن ہے اور ایسا ہو سکتا ہے۔ اس لیے اس بات کا ضرور خیال رکھا جائے کہ مغفرت کمائی نہیں جاتی' مغفرت مانگی جاتی ہے' کمائی کی بات نہیں ہے کہ انسان اعمال کے ذریعے کما لے گا لیکن یہ مانگنے کی چیز ہے کہ یا اللہ ہمیں ہمارے اعمال کی زد سے بچا۔ ہمارے اعمال تو ہمارے ہاتھ سے نکل گئے اور اب ہم ایسے آگے نکل گئے کہ واپس نہیں آ سکتے کیوں کہ اب تو غلطی عادت ہی بن گئی ہے' اب مجبوری بن گئی ہے' اب زندگی ایسی کھل گئی ہے کہ اس کا سمٹنا مشکل ہے یعنی کہ اب کہیں پہ تقاضہ' کہیں پہ کوئی مجبوری' کہیں کوئی اور مجبوری...... یا اللہ اب تو ہی ہمیں کچھ سمیٹ کر نکال...... پھر آپ کے لیے کوئی بہتر صورت نکل آئے گی۔ اس لیے اگر اللہ کی عبادت نہیں کر سکتے تو بھی پکارنے کا عمل جاری رکھو تا کہ پکارنے کے عمل سے اللہ کے ساتھ رابطہ رہے۔ یہ عمل جو ہے بہت سارے غلط اعمال سے آپ کو بچا سکتا ہے۔ اعمال کے کتنے ہی شعبے ہیں یعنی سماج کو متاثر کرنا اور اپنے آپ کو متاثر کرنا۔ خدا کے نزدیک عمل کیا ہے؟ ان شعبوں کے لیے اللہ کو پکارتے رہا کرو تو آپ کو ان سے نجات حاصل ہو سکتی ہے:

چھڑا کے دامن بتوں سے اپنا

غبارِ راہِ حجاز ہو جا

پھر عین ممکن ہے کہ راستہ مل جائے۔ اس لیے آپ ان باتوں کا ضرور خیال رکھا کرو کہ سب سے اچھا عمل وہی ہے جب نیک راستے میں انسان کا دَم نکل جائے۔ تو آپ نیک راستوں پر گامزن رہا کرو اور اس راستے پر اگر آپ کا سانس ختم ہو گیا تو آپ کو اسی راستے کی منزل کا ثواب ملے گا جس منزل کی طرف

آپ جا رہے تھے، جس وقت دَم نکلا اُسی منزل کا ثواب ملے گا۔ نیت جو ہے اللہ رکھا کرو تو انجام اللہ ہے۔ سفر اللہ کی طرف تو اللہ ساتھ، بس اس میں اور کوئی راستہ طے نہیں کرنا ہے۔ اگر آپ کا ارادہ اللہ ہے، آپ کا سفر اللہ ہے تو آپ کا نتیجہ بھی اللہ ہی ہے۔ تو اپنی نیت کو آپ اللہ کی طرف مائل رکھو تو نتیجہ صحیح نکل آئے گا۔ تو آپ اپنے اعمال کا خود جائزہ لیا کرو ورنہ اعمال میں انتشار جو ہے یہ سکون چھین لے گا۔ تو اعمال کا انتشار کیا ہے؟ محفل کا انتشار، چند منتشر لوگوں سے ملنا، اس سے بھی ملنا، اس کے پاس بھی جانا اور ملنا، یہاں بھی گئے، وہاں بھی گئے

بیٹھے ہم ہر بزم میں جا کر
جھاڑ کے اُٹھے اپنا دامن

تو وہ ہر طرف گئے اور بے اثر ہو کر آ گئے۔ تو یہ نہیں ہونا چاہیے۔ آپ اپنا رنگ پہچان لو اور اپنے ہم رنگ پہچان لو، یہ ضروری بات ہے۔ کیا کہا؟ کہ پہلے اپنا رنگ پہچانو، پھر ہم رنگ پہچانو اور پھر ہم رنگ کے ہمراہ ہو جاؤ۔ بس یوں کھیل ختم ہو جانا ہے۔ یہ سب کام زندگی میں کرنا ہے اور مرنے کے بعد نہیں کرنا ہے۔ یہ نہ کہنا کہ ابھی ہم سوچ رہے ہیں کیوں کہ اگر آپ سوچ رہے ہو تو موت کچھ اور سوچ رہی ہے۔ اس لیے ایسے نہ ہو کہ سوچتے ہی رہ جاؤ اور سفر ہی ختم ہو جائے۔ بس یہ سارا کام زندگی میں کرنا ہے۔ پہلے کون سا رنگ پہچانو؟ تو پہلے آپ اپنا رنگ پہچانو کہ آپ کدھر کو جانا چاہتے ہو اور پھر اپنے ان رنگ بھرے لوگوں کو پہچانو، ان کے ساتھ رہو تو سفر ٹھیک ہو جائے گا۔ تو آپ کے اعمال کا حوالہ یہ ہونا چاہیے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ حکم ہے کہ اعمال نیت کے ساتھ ہیں، نیت کی وجہ سے ہیں اور نیت اللہ ہونی چاہیے، بس پھر اعمال آپ کو اللہ کے قریب لے جائیں گے

ضرور ایسی کوئی نہ کوئی صورت نکل آئے گی اور ہمیں ہمارے اعمال سے اللہ بچائے گا۔ اعمال نے ہی ہمیں گناہ گار بنایا یا غلط بنایا کیوں کہ پیدائشی طور پر تو بچہ معصوم ہے، معصومیت تو پہلے دن سے لے آیا ہے اور آج سب سے بڑا مسئلہ کیا ہے؟ دوبارہ معصوم ہونا! تو گویا کہ جو کچھ کیا ہم نے ہی کیا' جب تک ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے معصوم ہی رہے تھے' تو جو ہم نے کیا اس سے معصومیت ختم ہوگئی۔ تو جو ہم نے کیا وہی غلطی ہے۔ اب اپنے آپ میں سے اپنا آپ نکالنا ہے تا کہ ہم اپنا آپ اوریجنل بنا جائیں۔ بس اتنی چھوٹی سی کہانی ہے' لمبی چوڑی بات کوئی نہیں ہے' اپنے اعمال سے وہ اعمال نکالنے ہیں جنہوں نے ہمیں یہاں تک لا کھڑا کیا کہ ہم اپنی نگاہ میں ہی مجرم ہو گئے۔ اس لیے آپ اپنے آپ کو اپنے آپ سے بچاؤ۔ ہمارے اعمال جو ظاہر ہیں وہ ہو سکتا ہے کہ دنیا کو دھوکا دے دیں مگر جو باطن کے مخفی اعمال ہیں وہ ہمیں دھوکا نہیں دے سکتے' ہم اس کے خود گواہ ہیں' اپنی برائیوں کے ہم خود گواہ ہیں کسی اور کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے' ہم اپنے خلاف گواہی میں آج بھی کھڑے ہیں' ہم نیند کے وقت بھی گواہی میں ہوتے ہیں' وہ جرم جو کیا تھا دیکھنے والا کوئی نہیں تھا' کسی کی چیز ہم نے چوری چوری کھالی تھی' تو یہ جو یادداشت ہمارے ساتھ ہے یہ یادداشت سزا دے گی۔ بعض اوقات ایک خاص واقعہ ہوتا ہے۔ جب سزا دینے والا کوئی نہیں ہوتا جیسے ایک آدمی کسی بادشاہ کو قتل کر دے اور خود بادشاہ بن جائے تو اب اس کو سزا کون دے کیوں کہ وہ تو آپ ہی بادشاہ بن گیا ہے۔ اب یہ ایک ایسا جرم ہے جس کی سزا دینے والا اس کے دور میں موجود نہیں ہے۔ تو یہاں آ کے ضمیر سزا دیتا ہے۔ جب کوئی سزا دینے والا نہ ہو تو ضمیر سزا دیتا ہے اور پھر اپنے اندر ہی اس کو احساس ڈستا رہتا ہے پھر

نیند پریشان ہوگی' Disturbance ہوگی۔ اگر آپ نے غلطی کی اور وہ غلطی جو دنیا والوں کے سامنے نہیں آ سکتی تو اب آپ کیوں پریشان ہیں؟ کسی نے کسی کو مار دیا۔ اب پولیس کو رپورٹ ہی نہیں ہے تو پھر ڈرنا کیسا...... اب جھگڑے والی کیا بات ہے؟ جھگڑا تو آپ کے اندر ہے اور بات یہ ہے کہ انسان کا اپنا ضمیر جو ہے یہ آدھا الٰہیات ہے' ضمیر عاقبت ہے اور ضمیر اندر سے اندر اس انسان کو کہتا جائے گا اور پھر انسان جو ہے وہ چلا اُٹھے گا کہ یہ کیا ہے۔ کہتا ہے کہ پتہ نہیں کیا ہوتا ہے اندر ہی اندر کچھ ہوتا رہتا ہے۔ تو یہ اندر ہی اندر کیا ہوتا رہتا ہے؟ گناہ کی یاد آتی ہے۔ تو جب ایسی یادیں آئیں جو اندر ہی اندر کچھ کرنے لگ جائیں تو پھر توبہ کر لینی چاہیے اور توبہ کی منظوری کب ہوتی ہے؟ جب وہ یادیں ختم ہو جائیں۔ اگر اندر سے آواز آنا بند ہو جائے تو سمجھو ٹیوننگ ٹھیک ہوگئی۔ پھر کوئی آواز نہیں آئے گی۔ تو کرنا کیا چاہیے؟ جب اندر Disturbance ہو جائے' خرابی ہو جائے تو توبہ کر لینی چاہیے۔ Disturbance ظاہر کرتی ہے کہ کہیں کوئی ایسی غلطی ہوگئی ہے جس کا ابھی واضح طور پر آپ کو شعور نہیں ہے۔ اس لیے ہم دعا کرتے ہیں کہ یا اللہ ان غلطیوں کو معاف کر جن کی ہمیں سمجھ ہے اور ان غلطیوں کو بھی معاف کر جن کی ہمیں سمجھ ہی نہیں ہے' وہ بھی ہم سے ہی سرزد ہوئی ہیں۔ تو وہ غلطیاں جب معاف ہو جائیں گی تو سکون اور چین آ جائے گا' نیند آ جائے گی۔ پھر انسان کہتا ہے کہ اب کیا ہو گیا؟ کہتا ہے کہ اب چین آ گیا ہے' اب ہم نے سب کچھ اللہ کے حوالے کر دیا ہے کہ ڈبو دے یا اِسے تُو پار کر دے' یہ کشتی اب تیرے حوالے ہے۔ اس طرح انسان اطمینان میں آ جاتا ہے۔ اگر دوسروں کو سزا دینے کا عمل چھوڑ دو تو اپنی سزا سے بچ جاؤ گے اور اگر سزا کا عمل آپ نے کیا تو پھر اپنے لیے بھی سزا لینی

ہوگی۔ خاکسار موومنٹ آپ نے دیکھی ہوگی، وہ بڑی شان دار موومنٹ تھی، جو نماز نہیں پڑھتا تھا اس کو امیرِ سالار کی طرف سے سزا ملتی تھی اور دُرّے مارتے تھے، اگر بیٹے نے نماز نہیں پڑھی تو باپ نے مارا باپ سے کوئی غلطی ہوگئی تو بیٹا باپ کو مارتا تھا۔ عمل ایک جیسا تھا مگر درمیان میں رشتہ ڈسپلن کی وجہ سے منقطع ہو گیا...... کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اتنا بھی دین کو ڈسپلن نہ بناؤ کہ پہچان ختم ہو جائے کہ باپ نے نماز نہیں پڑھی اور بیٹا دُرّے مارنے لگ جائے۔ اس طرح سارا مرتبہ اور رعایت ختم ہوگئی۔ تو دین کو اتنا ڈسپلن بھی نہ بناؤ، دین میں تھوڑی سی رعایت بھی رکھو۔ آپ کے دین نے تو بڑا ہی کمال کیا۔ سب سے پہلا واقعہ ہی دین نے یہ کیا کہ ان لوگوں کو ساتھ ملایا جو مخالف تھے۔ تو دین کے مخالفوں کو دین کا ساتھی بنا کے پیش کر دینا اس بات کی دلیل ہے کہ سزا نہیں ہے۔ دین نے کہا کہ چلو کلمہ پڑھ لو تو سزا نہیں ہے، آپ خود کلمہ پڑھ لو تو آپ کو سزا نہیں ہے۔ فرض کرو پچھلی زندگی کافرانہ گزری ہے، اب اگر کلمہ پڑھ لو تو پھر مومنانہ شروع ہو جائے گی۔ تو دین نے ایک بات یہ سکھائی ہے کہ توبہ کرنے والے کو نئی زندگی ملتی ہے، کلمہ پڑھنے والے کو نیا ایمان ملتا ہے، تو نیا کلمہ پڑھنے والے کو نیا ایمان مل جاتا ہے۔ تو پچھلی بات کو پچھلے حالات میں رکھو اور توبہ کر کے نیا کلمہ پڑھو تو آج سے نئے مومن بن جاؤ گے...... کافر ایک بار کلمہ پڑھے تو اس کا ۸۰ سال کا کفر دُھل جاتا ہے اور اگر ہم ایک بار پڑھیں تو کیا ہوگا؟ بلکہ ہم تو بار بار پڑھتے ہیں، اب بات اتنی ہے کہ دل سے کلمہ پڑھ لیا جائے، دل سے معذرت کر لی جائے، توبہ کر لی جائے تو مسائل حل ہو جاتے ہیں۔ تو میں زندگی کے حوالے سے بات بتا رہا ہوں۔ پھر اپنی زندگی کا جائزہ لیا جائے تو ہم زندگی میں دو کام کرنا چاہتے ہیں،

ایک یہ کہ اس میں کچھ چیزوں کا اضافہ ہو جائے' یا اللہ ہماری یہ باتیں زندگی میں پوری کر دے اور دوسرے لوگ کہتے ہیں کہ یہ یہ چیزیں ہماری زندگی سے نکال دے۔ اس زندگی میں تو یہ ہوتا رہتا ہے کہ کچھ پسندیدہ چیزیں غائب رہتی ہیں اور کچھ ناپسندیدہ چیزیں حاضر رہتی ہیں' اور یہ ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔ تو زندگی میں بعض اوقات پسندیدہ چیزیں غائب رہتی ہیں اور ناپسندیدہ حاضر رہتی ہیں۔ دعا یہ کیا کرو کہ حاضر اور غائب دونوں پر ہی انسان کی رضامندی رہے۔ یہ ہمیشہ ہوتا ہے کہ اپنے آپ ہی چیز پسندیدہ ہو جاتی ہے اور کچھ عرصہ کے بعد آپ دیکھیں گے تو اپنے اعضاء جو ہیں وہ ناپسند ہو جائیں گے اور آپ کہیں گے کہ یار ہاتھ تو کانپنے لگ جاتا ہے۔ آج نہیں تو کل یا پھر چار سال بعد ہاتھ کانپے گا' تو ہاتھ نے کانپنا ضرور ہے۔ پھر انسان کہتے ہیں اور لوگ کتابوں میں بھی لکھتے ہیں کہ آپ بزرگ ہو گئے یا والدین ہو گئے اور جب بہت بوڑھے ہو گئے تو ان کو ذرا الگ بٹھا دیا جاتا ہے' اور کہتے ہیں کہ ان کی طبیعت ذرا ناساز رہتی ہے اور آج گھر میں مہمان آنے ہیں۔ ایسا لوگ کرتے ہیں کہ ابا حضور کو اُدھر ایک صرف بٹھا دیا کہ ان کی طبیعت اچھی نہیں ہے بلکہ بڑے ادب کے ساتھ ان کو اُدھر بٹھا دیا۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آہستہ آہستہ مالک جو ہے اپنی ملکیت کھونے میں لگ جاتا ہے' بناتے بناتے خود باہر نکل جاتا ہے۔ تو آپ جن چیزوں کے مالک ہیں یہ چیزیں کچھ عرصہ کے بعد آپ کو قبول نہیں کریں گے۔ جن چیزوں کے آپ آج مالک ہیں' یہ چیزیں تو یہاں رہیں گی' مکانات یہیں رہیں گے اور چیزیں آپ کی ملکیت کو قبول کرنے سے باغی ہو جائیں گی' تو جہاں پر آپ کا حکم چلتا ہے وہاں پر آپ کے حکم نامے چلنے بند ہو جائیں گے کیونکہ وہاں Major

دوسرے حاکم پیدا ہو جائیں گے چاہے وہ آپ کی اولاد ہی ہو..... تو وہاں ان کا حکم چلنا شروع ہو جائے گا' پھر اور طرح کے واقعات ہو جائیں گے اور بس والا انسان' اختیار والا انسان بے بس ہو جائے گا'۔ اس لیے آپ اپنے آپ کا ضرور جائزہ لیں' آپ اپنی قدرتوں کے زمانوں میں توبہ کرو تاکہ بے بسی کا زمانہ نیکی میں گزرے' آسانی میں گزرے کیوں کہ یہ بے بسی کا زمانہ ضرور آ جاتا ہے۔ اس لیے اپنی طاقت کو کبھی طاقت ورنہ سمجھنا کیوں کہ طاقت جو ہے ہمیشہ بے بس ہو جاتی ہے طاقت جبر پیدا کرتی ہے' طاقت اطاعت پر مجبور کرتی ہے اور جس کو آپ نے اطاعت پر مجبور کر دیا' جب ذرا مجبوری دور ہوئی تو وہ اطاعت سے باہر ہو جائے گا۔ تو کسی کو اطاعت پر مجبور کرنے کی بجائے اس کے دل میں محبت پیدا کر دو۔ یہ بات دین نے سکھائی ہے۔ محبت جب پیدا ہو گی تو مجبوری جو ہے وہ آسانی میں بدل جائے گی ورنہ طاقت کا جبر بغاوت ہی پیدا کرے گا۔ انسان صرف اسی وقت تک جبر میں رہے گا جب تک طاقت ہے اور طاقت ذرا ہٹی تو بغاوت کر دے گا۔ ہمیشہ یہی ہوا ہے۔ بڑے بڑے ظالم بادشاہ' طاقت ور بادشاہ ہمیشہ بغاوت کے ذریعے الٹے کیوں کہ جس کے پاس طاقت تھی اس نے طاقت استعمال کیے رکھی ہے اور پھر لوگوں کے اندر آہستہ آہستہ بغاوت پلتی رہی اور پھر بغاوت ہو گئی۔ ہمیشہ ہی ایسے ہوتا ہے۔ اس لیے آپ اپنے آپ کا ضرور جائزہ لو۔ زندگی اللہ کے حوالے کرنی ہے' اللہ کے پاس جانا ضرور ہے' زندگی کا عمل آپ نہیں چھوڑ سکتے' استعفیٰ آپ نہیں دے سکتے ورنہ تو آسان بات ہوتی کہ استعفیٰ آ جاتا' پرانی زندگی آ جاتی جس طرح پہلے زمانے میں تھی' اسلام کے ابتدائی زمانے میں' کہ ہم بھی گزارہ کر لیتے۔ مگر وہ بات نہیں ہے کیوں کہ زندگی آج کی ہے

مسائل آج کے ہیں، واقعات آج کے ہیں اور دین کل کا ہے۔ بس جھگڑا یہاں پر ہے۔ کہتے ہیں دین اگر آج کے زمانے کا ہوتا تو پھر اس کو استعمال کر لیتے مگر بہت Busy Life ہے، ہفتے میں ایک دن کے لیے نماز ہوتی، اتوار کے دن صبح کے وقت جاگنا ہی مشکل ہو جاتا ہے، دین وہی ہے اور حالات کا پریشر زیادہ ہے، مصروفیت زیادہ ہے، زندگی کے اندر Communication زیادہ ہو گئی ہے اس لیے یہ واقعہ بڑا مشکل ہو گیا کہ آج دین کو سمجھنا بڑا مشکل ہو گیا ہے۔ حالانکہ دین کو سمجھنا بڑا آسان ہے مگر زندگی کو آپ چھوڑ نہیں سکتے، استعفیٰ دے نہیں سکتے، شہروں کے اخراجات آپ پورے نہیں کر سکتے، گھبراہٹ زیادہ ہے، واقعات زیادہ ہیں...... تو آپ توبہ کا سفر جاری رکھیں، توبہ کے بعد نیکی کریں اور اللہ پر بھروسہ کریں، دعا کریں کہ یا اللہ تو ہمیں ان تمام مشکلات سے نجات دے اور تو مہربانی کر کیونکہ ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ بات کیا ہے؟ آج کل شہروں میں ٹریفک کے مسائل زیادہ ہیں اور اگر آپ خیریت سے گھر پہنچ جاؤ تو خدا کا شکر ادا کرو کہ یا اللہ آج کا ایک اور دن خیریت سے گزر گیا اور بس یہ بھی تیری مہربانی سے گزرا۔ شہر کوئی بھی ہو، اس کے اندر خیریت کا سفر ہو جائے تو اللہ کی بڑی مہربانی ہے کہ آج کا دن بھی خیریت سے گزر گیا۔ اور یہ بڑی مہربانی ہے۔ ایک ایک دن گزارو لمبی چوڑی زندگی کا نہ سوچا کرو۔ رات کو سونے سے پہلے سوچو اور کہو یا اللہ آج کے دن کی غلطیاں آج ہی معاف کر۔ وہیں پہ توبہ کرو۔ کل کے نیک عزائم آج ہی طے کر لو اور رات کو سوتے وقت آپ Peaceful ہو کے، سکون سے سو جاؤ اور یہ کہو کہ یا اللہ یہ غلطیاں ہیں، ہم نے معافی مانگ لی ہے، نیا پروگرام جو ہے تیرے نام سے کل شروع کریں گے اس لیے تو ہمیں معافی عطا فرما۔ تا کہ تازہ

اکاؤنٹ ساتھ ہی ساتھ معاف ہو جائے۔ بچوں کے لیے دعا کیا کرو اور والدین سے دعائیں لیا کرو۔ یہ آسان سی بات ہے۔ بُرے راستے سے بچو' نیکی کا راستہ خود بخود پیدا ہو جائے گا۔ بس نیک راستہ' نیک لوگ' نیک مقاصد ہوں۔ اور نیکی تو آپ کو پتہ ہے کہ نیکی کیا ہے؟ دل میں نیکی رکھو تو پھر بھی نیکی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ ایک خاص راز فرمایا ہے کہ بَدی جو ہے وہ بَدی کرنے سے ہوتی ہے اور نیکی صرف سوچنے سے ہو جاتی ہے' نیک نیت کو نیت کا پھل ملتا ہے اور بَد نیت کو عمل کے بعد سزا ہوتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ بڑی رعایت رکھی گئی ہے کہ اگر تیری نیت نیک ہے تو تجھے نیک عمل ملا' نیک انعام ملا' اور اگر نیت بَد ہے تو عمل کا انتظار کرو۔ بدی کی سزا ہو گی عمل سرزد ہونے کے بعد اور نیکی کو انعام ملے گا صرف نیک نیتی سے۔ اس لیے اس بات کا بہت زیادہ دھیان کرنا چاہیے......اور یہ کہ اللہ کا ذکر کرنا بڑی بات ہے' یعنی جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں مثلاً ''اللہ ھُو'' کرتے ہیں تو ذکر جو ہے یہ ان کی توجہ ایک طرف کراتا ہے یعنی اللہ کی طرف۔ ذکر کرنے والا بہت ساری آلائشِ نفس سے بچ جاتا ہے۔ اور ذکر کا ایک درجہ ہے فکر' ذکر کے بعد ایک مقام آتا ہے جسے فکر کا مقام کہتے ہیں' ذکر کا معنی اللہ کو پکارنا ہے اور فکر ہے اللہ کو سوچنا' آپ اس کے بارے میں سوچو' اس کی کائنات کے بارے میں سوچو' اپنے ہونے کے بارے میں سوچو' اپنے نہ ہونے کے بارے میں سوچو' اپنے خیالات کے اندر اللہ کا تذکرہ' اللہ کا ذکر' اللہ والوں کا ذکر' اللہ کی یادیں' اللہ والوں کی یادیں رکھو تو فکر کا مقام پیدا ہو جائے گا۔ تو اپنے ذکر کے بعد اپنے فکر کا مقام پیدا کرو۔ تو آپ اپنے اللہ کو تنہائی میں پکارو' خاموشی میں پکارو' آنسوؤں میں پکارو' سجدے میں پکارو اور جب آپ نے اس کو آنسو اور سجدے میں پکارا تو یہ ذکر کی کیفیت

ہے۔اللہ کی اس بنائی ہوئی کائنات کو محبت کی نگاہ سے دیکھو تو یہ بھی ذکر ہے۔اس کو اطاعت کی نگاہ سے دیکھو تو یہ بھی ذکر ہے' اللہ کے نام پر لوگوں کو معاف کرنا شروع کردو تو یہ بھی ذکر ہے' اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کرنا شروع کردو تو یہ بھی ذکر ہے......تو یہ سارے اللہ ہی کے ذکر ہیں۔اللہ تعالیٰ نے فرمایا **اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِکْرِی** یعنی حکم ہو رہا ہے کہ نماز قائم کر میرے ذکر کے لیے۔تو گویا کہ نماز کا قائم کرنا ذکر ہے اور قرآن کو اللہ نے خود تذکرہ کہا ہے۔ یہ ذکر العالمین ہے۔ قرآن کا پڑھنا اللہ تعالیٰ کا ذکر ہے اللہ کی کائنات میں اللہ کے جلووں کے تلاش کرنا ذکر ہے **فسیروا فی الارض فانظروا کیف کان عاقبة المکذبین** دنیا میں سیر کرو اور دیکھو کہ جھوٹوں کی کیا عاقبت ہوئی۔تو اللہ کے حکم سے سیر کرنا بھی ذکر ہے۔گویا کہ اس کائنات کے اندر اللہ کے حوالے سے سفر کرنا جو ہے یہ اللہ کا ذکر ہے۔آپ اللہ کا ذکر کیا کرو' اللہ کا فکر کیا کرو' اللہ کے بارے میں سوچا کرو' ماں باپ کی اس لیے عزت کرو کہ وہ آپ کے ماں باپ ہیں اور یہ اللہ کا حکم ہے......اس لیے یہ ذکر بن جائے گا۔اللہ کی راہ میں پیسہ خرچ کرو گے یا اللہ کی راہ میں جو کچھ بھی آپ کرو گے یہ ذکر ہے۔تو اپنے آپ کو اللہ کا ذکر کرنے والا بناؤ' اللہ کو یاد رکھنے والا بناؤ۔آپ اپنے اعمال کی خود نگرانی کرو' اپنے اعمال کا خود محاسبہ کرو۔آپ معاف کرنے کا عمل شروع کریں گے تو معافی مل جائے گی۔ آپ اچھے وقت کا انتظار کریں گے تو زندگی اچھی گزر جائے گی۔ Hope اور Fear یہ دو چیزیں آپ میں پیدا ہوتی رہتی ہیں یعنی ڈر اور امید' ڈر بھی خود بخود پیدا ہوتا رہتا ہے اور امید بھی خود بخود پیدا ہوتی رہتی ہے' تو جب ڈر پیدا ہونا شروع ہو جائے تو سمجھو کہ اعمال غلط ہو گئے۔تو جب ڈر پیدا ہونا شروع ہو جائے

تو اس وقت استغفار ضروری ہے کہ یا اللہ میری توبہ، مجھے میرے اندیشوں سے بچا، یا اللہ مجھے میری عبرت سے بچا، تو پھر زندگی ڈر سے نکل جائے گی۔ حالانکہ کہتے ہیں کہ ڈر اچھی چیز ہے کیوں کہ ایمان جو ہے وہ ڈر اور امید کے درمیانی راستے کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب میں کسی پر راضی ہو جاتا ہوں، جب وہ مجھے راضی کر لیتا ہے، تو اس کا مقام اللہ نے خود بتایا کہ **لا خوف علیھم ولا ھم یحزنون** ان لوگوں کو پھر میں خوف نہیں دیتا اور حزن نہیں دیتا۔ اب حزن اور خوف کیا ہوتا ہے؟ خوف ہے آنے والے وقت کا اندیشہ اور حُزن ہے گزرے ہوئے زمانے پر افسوس۔ تو اللہ کا احسان کب ہوتا ہے؟ نہ گزرے ہوئے پر افسوس ہو اور نہ آنے والے کا اندیشہ ہو۔ تو جو ہوا ٹھیک ہوا۔ کیسے ٹھیک ہوا؟ جو غلط کر گیا تھا وہ کیسے ٹھیک ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ جو غلط کر گیا تو ہم نے بس معاف کر دیا۔ اب گزرے ہوئے کا افسوس نہیں رہے گا۔ اگر کوئی گالی دے گیا اور بُرا کر گیا تو ایمان والا کہتا ہے کہ یہ اس کا عمل ہے اور ہمارا عمل یہ ہے ہی نہیں۔ اب آپ کو گزری ہوئی بات جو ہے وہ حزن نہیں دے گی۔ مثلاً پیسہ ہاتھ سے نکل گیا، کمال کا پیسہ تھا کہ وہ سارا چلا گیا مگر یہ **لا یحزنون** والا کہتا ہے کہ جو نکل گیا وہ میرا تھا ہی نہیں۔ اس لیے جو چیز گئی وہ گئی، جو ہوا سو ہو گیا اور جو ہوا ٹھیک ہو گیا۔ اب آپ ماضی کو یک لخت توبہ کے ساتھ معاف کر دیں۔ آپ اپنے ماضی کو خود آپ ہی معاف کر دیں تو حزن نکل جائے گا اور خوف کب نکلے گا؟ جب آپ کہیں گے کہ جو ہوگا بہتر ہی ہوگا۔ مثلاً کوئی کہتا ہے کہ پاکستان پر تو بڑے اندیشے آنے والے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ کوئی اندیشے نہیں آنے والے کیوں کہ اندیشہ تو انسان پر آتا رہتا ہے اور ہر آدمی کو بڑا اندیشہ موت کا ہے اور جس ملک پر حملہ نہیں

ہوتا اس ملک میں بھی لوگ مرتے رہتے ہیں۔ اسی طرح لوگ ڈرتے ہیں کہ وباء پھیلنے والی ہے مگر وباء کے بغیر ہر علاقے میں قبرستان ہوتا ہے' وباء تو بعد میں پھیلے گی قبرستان پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تو جس پہ یہ وباء نہیں آئی اس نے بھی مرجانا ہے۔ مثلاً کوئی شخص بڑا سخت بیمار ہو گیا اور مر گیا مگر جو بیمار نہیں ہوا وہ کہاں گیا' وہ بھی مر گیا' اور یہ بھی مرجائے گا' بس دو دن کی بات ہے۔ گویا کہ یہ اندیشہ جو ہے یہ موت سے زیادہ خطرناک ہے۔ اندیشہ پیدا ہو گیا تو مصیبت پیدا ہو گئی اور خطرہ پیدا ہو گیا۔ مثلاً اندیشہ ہوتا ہے کہ پتہ نہیں لوگ کیا کہیں گے؟ تو کیا لوگوں نے کبھی اچھے آدمی کو اچھا کہا؟ لوگ تو کبھی نہیں کہتے۔ لوگ اگر برا کہیں گے اور تم اچھے ہو تو اچھے ہی رہو گے۔ لوگوں نے تو پیغمبروں کو نہیں مانا' رشتے داریوں کے باوجود نہیں مانا' قرابت داریوں کے باوجود نہیں مانا' لوگ تو خدا کو نہیں مانتے' اس کا مال کھاتے رہتے ہیں' اس کی دی ہوئی زندگی گزارتے ہیں لیکن کہتے ہیں کہ ہم نہیں مانتے۔ تو اللہ کہتا ہے کہ چلو نہیں مانتے تو نہ مانو مگر یہ کھانا لو' اور کھاؤ کھاؤ پیو اور وقت گزارو' پھر تمہاری ہماری بات ہو گی جب وہ وقت آئے گا پھر ہم بتلائیں گے کہ یہ وہ دن ہے جس کو تم جھٹلاتے تھے اس وقت کافر کہے گا **ویقول الکفر یلیتنی کنت ترٰبا** کاش میں مٹی ہوتا' کاش یہ دن دیکھنا ہی نصیب نہ ہوتا۔ وہ ایک وقت اللہ تعالیٰ نے ''وکھرا'' رکھا ہوا ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک درویش کو سزا ہوئی اور اس کا سر دھڑ سے الگ کر دیا گیا۔ اس نے اپنے سر کو اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور جامع مسجد کی سیڑھیاں چڑھنے لگ گیا اور ''انصاف' انصاف' انصاف'' کی صدا لگائی۔ تو اس کے پیر صاحب نے اسے روک دیا اور کہا کہ بات یہ ہے کہ جو انصاف تو مانگ رہا ہے یہ تو قیامت کو ہو گا کیوں کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے

ایک دن رکھا ہوا ہے اور اگر تو آج ہی وہ انصاف مانگے گا تو آج ہی وہ دن آ جائے گا۔ اس لیے اپنے مسئلے کو ایک آنے والے دن' پہلے سے مقررہ دن کے لیے چھوڑ دو۔ تو انہوں نے اپنا سَر چھوڑ دیا۔ اس درویش کا نام تھا سَر مدؒ اور ان کے پیر صاحب کا نام تھا ہرے بھرےؒ۔ گویا کہ انصاف کا ابھی وقت نہیں ہے اور زندگی میں انصاف کا ہونا بھی ممکن نہیں ہے کیوں کہ اس کے لیے یومِ انصاف وہاں ہوگا **ذٰلک الیوم الحق** اور اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا تھا **یوم یقوم الروح** وہ دن ہے جب روحیں قائم ہو جائیں گی **ذٰلک الیوم الحق** کوئی اس دن بول نہیں سکے گا' سب بندے اس دن خاموش ہوں گے' اب حاضر ہیں اب بولو' تو اب کیا بولیں' اعمال سامنے ہوں گے۔ اب بولنے کا مقام ہی کوئی نہیں ہے پھر اللہ تعالیٰ پوچھے گا اب بتاؤ **لمن الملک الیوم** آج کے دن کا مالک کون ہے؟ پھر فرمایا ہے کہ اب بتاؤ بادشاہی کیا ہوتی ہے **للہ الواحد القھار** آپ کی بادشاہی ہے' آپ کی بادشاہی انصاف کی بادشاہی ہے یعنی اب انصاف کی بادشاہی اس کی بادشاہی ہے' اس میں ہمارا کیا دخل ہے...... اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو عزت یافتہ بنا ہوا ہے اندر سے اس کا کردار اچھا نہیں ہے اور جو اچھے کردار کا ہے وہ بعض اوقات فرقہ ملامتی میں سے گزر رہا ہوتا ہے۔ ایک نیک آدمی' درویش آدمی نے روزہ رکھا ہوا تھا تو شہر والوں کو پتہ چل گیا کہ بزرگ آ رہے ہیں' تشریف لا رہے ہیں' اس شہر والوں نے صف بندی کر لی' اور جلوس بنا کے سب بزرگ کا استقبال کرنے کے لیے پہنچ گئے' جب بزرگ شہر میں داخل ہوئے تو کھانا شروع کر دیا جب کہ رمضان شریف کا مہینہ تھا۔ شہر والوں نے بہت برا بھلا کہا تو مرید کہنے لگے سرکار آپ نے یہ کیا کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ بات سنو ساٹھ

روزے رکھنے آسان ہیں مگر غلط لوگوں میں مشہور ہونا میں برداشت نہیں کرسکتا تھا' جھوٹے لوگوں میں شہرت حاصل کرنا میرے بس سے باہر تھا' یہ مجھے گمراہ کر جاتے' مار دیتے مجھے' یہ بہتر ہے کہ میں نے اپنا راستہ لے لیا' روزے ہی رکھنے ہیں تو میں رکھتا چلا جاؤں گا بلکہ ساری عمر روزے رکھ لوں گا.....تو ان لوگوں میں مشہور ہونے سے بچو۔ یہاں سے ملامتی فرقہ شروع ہوگیا۔ ملامت کا مطلب کیا ہے؟ کہ ہمیں بُرے لوگوں میں عزت نہیں چاہیے۔ لوگوں نے اسی طرح کئی کہانیاں بتائی ہیں کہ ملامتی فرقے کہاں سے بنے ہیں۔ مقصد یہ تھا کہ شہرت کو غلط راستوں پر جانے سے روکنے کے لیے ملامت اختیار کی جائے...... ہوتا درویش ہے مگر کہتا ہے کہ جی ہم تو بس ایسے ہی ہیں۔ دو درویش تھے' وہ دونوں ہمعصر درویش تھے' ایک مائی صاحبہ ان کے پاس گئی' اس کے رزق کا ذریعہ گانا تھا' گانا گا کر پیسہ کماتی تھی' اس نے ایک درویش سے کہا کہ آپ ہماری دعوت قبول فرمائیں' انہوں نے کہا کہ دیکھو ہمارے پاس دعوت کے لیے وقت نہیں ہے اس لیے ہم قبول نہیں کر سکتے۔ وہ دوسرے درویش کے پاس چلی گئی' تو انہوں نے دعوت قبول کر لی اور اس کے گھر کھانا کھالیا۔ وہ پھر پہلے بزرگ کے پاس واپس گئی اور بولی کہ آپ نے دعوت کو قبول نہیں کیا اور وہ بزرگ دیکھیں کیسا بزرگ ہے کہ اس نے ہم غریبوں کی دعوت قبول کر لی۔ انہوں نے کہا کہ مائی صاحبہ بات یہ ہے کہ دراصل ہم ٹھہرے ایک دریا کا پانی اور وہ بزرگ ہے سمندر' اس کے اندر کوئی چیز جائے' چاہے رزق' پاک کا پاک رہے گا' ہمارے پاس تھوڑا سا پانی ہے اس لیے میں نے تیرے رزق سے گریز کیا' سیدھی سادھی بات یہ ہے۔ خیر وہ اس بے باک بیان سے بڑی خوش ہوئی۔ پھر وہ دوسرے بزرگ کے پاس گئی

جس نے کھانا کھالیا تھااور اسے بتایا کہ میاں میر صاحبؒ نے آپ کو سمندر کہہ دیا ہے' آپ کی بڑی شان بن گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ بات یہ ہے کہ میری کیا شان ہونی ہے' اصل بات یہ ہے کہ وہ سفید چادر ہے وہاں داغ نمایاں ہو جاتا' ہم تو پہلے ہی کالی چادر ہیں ہم نے کیا لینا اور کیا دینا' ہمارے پاس ہے ہی کیا' اس لیے ان پر اثر پڑتا ہے ہم تو ہیں ہی ایسے' ہم پر کیا اثر پڑنا ہے' تو ہمارا مطلب یہ ہے کہ وہ مقام ہی اور ہے اور بزرگ وہ ہیں...... ہوتا یہ ہے کہ ایسے واقعات بھی ہوتے ہیں کہ جب ملامت جو ہے وہ بعض اوقات ذریعۂ نجات بن جاتی ہے۔ جہاں شہرت بے وجہ ہو وہاں چھپ کر گزر جائیں' لوگوں میں شہرت سے بچنا چاہیے' بیجا سلاموں سے بچنا چاہیے' یہ انا کا سفر ہو جاتا ہے' اس سے خود کو بچاؤ' آپ بہت نمائش میں نہ رہو۔ اگر کوئی جاننے والا تعریف کرے تو وہ تعریف ہے اور نہ جاننے والا تعریف کرے تو سمجھو کہ بدتعریفی ہے۔ اس لیے ناواقف سے بچ کے رہو' جھوٹے آدمی سے بچ کے رہو' شہرت جو ہے وہ خوشامد نہ بن جائے۔ خوشامد سے بچو! خوشامد کی تعریف یہ ہے' خوشامد اس کلام کو کہتے ہیں' ان الفاظ کو کہتے ہیں کہ سننے والا جسے سمجھے کہ سچ ہے اور بولنے والا جانتا ہو کہ یہ جھوٹ ہے' یعنی ایک خوشامد کرنے والے نے اس کی جھوٹی تعریف کی ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ ہاں یہ ایسے ہی ہے۔ ایک آدمی خوشامد نہیں سنتا تھا اور اس کا دعویٰ تھا کہ میں خوشامد نہیں سنتا۔ اور ایک دوسرے آدمی کو دعویٰ تھا کہ میں ہر کسی کی خوشامد کر سکتا ہوں۔ کسی نے کہا کہ کیسے پتہ چلے گا کہ تو اس کی خوشامد کر سکتا ہے۔ اس نے کہا کہ چلو دیکھو کہ میں کیسے تعریف کرتا ہوں۔ وہ اس کے پاس چلا گیا اور کہنے لگا کہ جناب میں نے آپ سے کہنا کچھ نہیں ہے مگر ایک بات مجھے کہنے کی اجازت دیں

کہ آپ واحد آدمی ہیں جو خوشامد نہیں سنتے۔ تو خوشامد نہ سننے والا کہتا ہے کہ ہاں ایسی ہی بات ہے...... تو خوشامدی کہتا ہے کہ یہی تو خوشامد ہے۔ اور اس نے خوشامد کر کے دکھادی۔

تو آپ اب دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو آسانیاں دے، پاکستان کی بقاء کی دعا کریں، آج کل پاکستان اپنی چالیس سالہ منزلیں پوری کرر ہا ہے، اللہ تعالیٰ اب اس کے اندر آزمائشیں نہ ڈالیں اور معاف فرمائے اور نئے راستے کامیابی کے راستے عطا فرمائے...... اور حق والوں کو حق مل جائے۔ یا رب العالمین دین اگر نافذ کرنا ہے تو آسانی سے نافذ فرمادے۔ یا اللہ تو ہمیں معاف کر اور دین کو نافذ ہی کر دے اور اچھے لوگوں کو سربراہی کا موقعہ عطا فرما۔ لوگوں کو ان کے حقوق اور فرائض ادا کرنے کی توفیق عطا فرما۔

آمین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین.

٦

۱ اللہ تعالیٰ کی تو کوئی شکل نہیں ہے مگر بیدہ الملک کے مطابق اللہ کے ہاتھ کا کیا مطلب ہے؟

۲ آج شبِ معراج ہے اس کے حوالے سے کچھ فرمائیں۔

۳ کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں، اس کی ذرا وضاحت فرمادیں۔

۴ کہتے ہیں کہ جو لوگ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں وہ فقیر ہی ہوتے ہیں اور وہ نظام چلاتے ہیں۔

۵ جو یہ اصطلاحات ہیں جیسے ابدال ہوں یا غوث ہوں تو یہ سب ڈیوٹی والے لوگ ہیں۔

۶ جیسے ماضی میں کچھ ابدال تھے تو وہ اب بھی ہوں گے یا ہوتے ہیں؟

۷ لوگ ایک پیر کو پکڑ کر دوسرا پیر کیوں پکڑتے ہیں؟

۸ جب کسی کو ایک راستہ مل گیا تو پھر وہ کسی اور کی محفل میں تو نہ جائے……

۹ اسلام کے کتنے راستے ہیں؟

سوال:

اللہ تعالیٰ کی تو کوئی شکل نہیں ہے مگر بیدہ الملک کے مطابق اللہ کے ہاتھ کا کیا مطلب ہے؟

جواب:

جب ہم کہتے ہیں بیدہ الملک یعنی اس کے ہاتھ میں ملک ہے' بادشاہی ہے تو "ہاتھ" کا لفظ ایک ایسی ذات سے وابستہ ہے جس ذات کی شکل نہیں ہے' تو شکل نہ ہو تو پھر ہاتھ کیسے ہو سکتا ہے اور اگر ہاتھ ہے تو کیا پوری شکل بھی ہے؟ ان کا اصل سوال یہ ہے۔ یہ اللہ کریم کی انسانوں سے بات ہو رہی ہے۔ تو جب لفظ "ھو" ہے تو "وہ" کہنے سے شکل تو بنتی ہے' پوری شکل بنتی ہے۔ "ھو اللہ" یعنی کہ "وہ اللہ" ایک اشارہ ہے' ضمیر ہے۔ اللہ خود فرماتا ہے "اَنَا" اور یہ کہ "نَحنُ" یعنی "میں" اور "ہم" نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا ۔ یہاں پر "ہم" جمع کا صیغہ ہے جب کہ اللہ واحد ہے۔ یہ کوئی عجیب ہی بات ہے! تو اللہ خود اپنے ساتھ یہ صیغہ استعمال کرتا ہے یعنی کبھی "ہم" اور کبھی "میں"۔ مثلاً یہ کہ میں چھپا ہوا خزانہ تھا' میں نے چاہا کہ ظاہر ہو جاؤں پس خلق کو پیدا کر دیا۔ پھر یہ فرمایا کہ نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون یعنی ہم نے یہ ذکر اتارا اور ہم ہی اس

کے حفاظت کرنے والے ہیں۔ کبھی اللہ تعالیٰ اپنے لیے ''اَنَـــا'' کہتا ہے' کبھی ''نَــحْنُ'' فرماتے ہیں اور کبھی اپنے لیے ''هُوَ'' کہتے ہیں۔ کبھی اپنے لیے کیا فرماتے ہیں اور کبھی کچھ اور فرماتے ہیں۔ سب ٹھیک فرماتے ہیں! جب آپ اللہ کریم کی ذات سمجھو گے تو پھر پتہ چلے گا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی کمالِ وضاحت سے بات بیان فرمائی ہے کہ اللہ کا چہرہ نہیں ہے لیکن خود فرمایا ہے فاینما تولوا فثم وجه الله تم جدھر جاؤ ادھر اللہ کا چہرہ ہے۔ اس نے ''وجه الله'' کا لفظ بنا دیا کہ جدھر بھی آنکھ اٹھا کر دیکھو گے تو چہرہ اسی کا ہے۔ کیا انسان کا چہرہ اللہ کا چہرہ ہے؟ ناں' خبردار! پھر اللہ کا چہرہ کیسے ہے؟ اور پھر یہ دیکھو کہ ''صبــغة الله'' یعنی اللہ کا رنگ۔ تو کیا اللہ کا رنگ ان سات رنگوں میں سے ہے جو ہم قوس وقزح کے رنگ دیکھتے ہیں' ان رنگوں میں ہے جو لال' پیلا' ہرا وغیرہ وغیرہ ہیں؟ تو پھر اللہ کا رنگ کیا ہے؟ سب سے اچھا رنگ ہے۔ پھر ''عین'' کا لفظ ہے یعنی عین اللہ' اور پھر ینظر بنور الله کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اور پھر فرمایا اور تم بھی دیکھو انی معـکـم مـن الناظرین' میں بھی دیکھنے والا ہوں۔ وہ دیکھے گا کیسے؟ آنکھ سے دیکھتا ہے' سمیع وبصیر ہے' سنتا ہے' دیکھتا ہے' وہ بولتا بھی ہے' زبان کے بغیر بولتا ہے' آنکھ کے بغیر دیکھتا ہے' پھر اللہ تعالیٰ جو ہے وہ کیسے ہے؟ اور یہ بات کیا ہے؟ وہ قریب بھی ہے' دور بھی ہے' مکان بھی رکھتا ہے لامکاں بھی رکھتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بڑی خوب صورت بات ہے۔ کہتا ہے کہ یہ ہے مکان اللہ کا'' بیت اللہ'' یعنی اللہ کا گھر ہے اور وہ بیت النبیؐ ہے جو حضور اکرم ﷺ کا گھر ہے۔ اگر اللہ کا گھر ہے اور یہ اللہ کا گھر ہے تو کیا اللہ اس میں رہائش رکھتا ہے۔ انسان اپنے گھر سے تو چھوٹا ہوتا ہے' وہ گھر سے تو بڑا نہیں ہوتا۔ تو اللہ گھر کے اندر بھی ہے اور باہر بھی ہے'

زمین پر بھی اس کا مکان ہے' آسمان پر لامکان ہے اور کتنوں کے دل میں اللہ رہتا ہے۔ یعنی کہ یہ ہے اللہ تعالیٰ کی بات۔ آپ اس کے آگے سجدہ کرتے ہیں تو کیا خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے سے اللہ قریب ہو جاتا ہے؟ کیا دوسری طرف سجدہ کرنے سے اللہ دور ہو جاتا ہے؟ جب آپ دعا مانگتے ہیں تو آپ بڑی خاموشی سے دعا مانگ رہے ہوتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ کہیں پاس ہی بیٹھا ہوا سن رہا ہوتا ہے' پھر دعا منظور ہو گئی حالانکہ کوئی Message convey نہیں کیا' کوئی پیغام بھیجا نہیں گیا' چٹھی ٹائپ نہیں ہوئی بلکہ کوئی پرنٹ نہیں نکلا' کوئی پریس نہیں چلا' تو پھر بات کیسے پہنچ گئی؟ بس پہنچ گئی۔ یہ سارے قواء جتنے بھی ہیں یہ سارے کے سارے اللہ کے ہاں استعمال ہوئے' اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے وہ الفاظ استعمال کیے' مثلاً ہاتھ کا استعمال کیا یداللہ فوق ایدیکم تمہارے ہاتھ کے اوپر اللہ کا ہاتھ ہے۔ اور یہ کہ ومارمیت اذرمیت ولکن اللہ رمی کہ وہ کنکر تم نے نہیں پھینکا بلکہ ہم نے پھینکا ہے۔ تو کیا اللہ تعالیٰ کا ہاتھ ہے؟ کیا اللہ Receive کرتا ہے؟ یہی تو اللہ کی خوبی ہے کہ ایسا ایسا بیان کیا کہ شکل پھر بھی نہیں بنتی' وہ اول بھی ہے آخر بھی ہے اور تم درمیان کے لوگ ہو' تو تمہیں کیا پتہ کہ اول کیا ہے' آخر کیا ہے؟ اول کب سے شروع ہوا؟ اول تو اول ہوتا ہے۔ اور ہم تو درمیان میں ہیں' زمانے کے درمیان میں ہم ہیں کیونکہ ہم سے پہلے کچھ زمانہ بیت چکا ہے۔ ثبوت اس کا یہی ہے کہ قبرستان کو دیکھو کہ یہاں کچھ لوگ تھے جو چلے گئے۔ لہٰذا ہم سے پہلے کچھ زمانہ چلا گیا زمانے کی ابتداء سے پہلے' اول کا لفظ جہاں بھی آئے گا وہاں اللہ ہے' جو ابتداء آپ سمجھ سکتے ہیں اس ابتداء کے وقت اللہ ہے بلکہ ہر ابتداء سے پہلے اللہ ہے' ہر انتہا کے بعد اللہ ہے' اول بھی اللہ ہے' آخر بھی اللہ ہے اور ظاہر بھی

اللہ ہے، باطن بھی اللہ ہے۔ جب ظاہر ہو جائے تو وہ باطن میں ہوتا ہے۔ اگر آپ باطن میں اسے پہچان لو تو وہ خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ یہ ایسی بات ہے کہ ؎

جے میں تینوں اندر دیکھاں تے باہر کس نوں جاناں

جے میں تینوں باہر سمجھاں تے اندر کون سماناں

حق بات یہ ہے کہ اندر بھی تو اور باہر بھی تو ہے۔ بلھے شاہؒ کہتا ہے اس مقام کی سمجھ نہیں آتی کہ میں موسیٰؑ نہیں ہوں، میں فرعون نہیں ہوں تو آخر میں کون ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ خود آپ ہی موسیٰؑ پیدا فرماتا ہے اور آپ ہی فرعون پیدا فرماتا ہے اور پھر آپ ہی جھگڑا کرا دیتا ہے ؎

اسے صبح ازل انکار کی جرأت ہوئی کیونکر؟

مجھے معلوم کیا! وہ رازداں تیرا ہے یا میرا

اللہ تعالیٰ یہ تو آپ ہی بتا کہ وہ رازداں تیرا ہے کہ نہیں، ہمیں تو پتہ نہیں ہے کہ شیطان کیا ہے۔ اگر اس نے انکار کر دیا تھا تو اس کا وہیں گلا دبا دینا تھا بلکہ پھر اسے کھلی چھٹی دے دی کہ جاؤ انسانوں کے پاس چلے جاؤ۔ اللہ نے کہا تمہیں وہ گمراہ کرے گا لیکن عباد المخلصین کو نہیں کرے گا۔ تو اللہ کریم کی جو باتیں اپنے بارے میں ہیں وہ بڑی خوب صورت ہیں اور جو باتیں انسان کے بارے میں ہے وہ بھی خوب صورت ہیں مگر اللہ کی شکل تم بنا نہیں سکتے۔ ''ہاتھ'' کا لفظ وہ استعمال کرے گا، اس لفظ ''ہاتھ'' کا معنی ہاتھ ہی ہے یعنی اللہ کا ہاتھ۔ وہ غالب ہے للہ جنود السمٰوٰت والارض۔ اگر اللہ کے لشکر ہیں اور اس کے زمین اور آسمان کے خزانے ہیں، تو کیا اس کو پیسے کی کوئی ضرورت ہے؟ ناں! وہ محتاج بھی نہیں ہے بلکہ وہ تو سخی ہے، مالک ہے، مقصد یہ ہے کہ آپ اس کو Form میں نہیں

لا سکتے، شکل میں نہیں ر سکتے، اس کی صفات ہیں اور ساری صفات آپ سمجھ سکتے ہیں لیکن ذات کا ابلاغ آپ نہیں کر سکتے۔ آپ کو بات سمجھ آئی؟

یہ کہتے ہیں وہ دستِ حق باطل شکن ہے، تو وہ کیسے ہے؟ یعنی ''اللہ کا ہاتھ'' کیسے ہوتا ہے۔ یہ آپ نہیں جان سکتے، اللہ کا رنگ کیسے ہوتا ہے؟ یہ آپ نہیں جان سکتے۔ اعضاء کی تمام باتیں جو ہیں وہ وہی کی وہی ہیں، اللہ کے ساتھ تمام صفات موجود ہیں مگر آپ نہیں جان سکتے۔ اس لیے انسانوں کی دنیا میں اللہ کا ذکر عجب بات ہے، انسانوں کی دنیا میں اللہ کا ذکر بہت عجیب بات ہے، انسانوں کی زبان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو سمجھایا، انسانوں کی زبان میں آپ کو سمجھایا، اور یہ بڑی عجب بات ہے۔ ورنہ اگر اللہ اپنی زبان میں ہر چیز بولے تو آپ کو سمجھ ہی کچھ نہ آئے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ تمہیں تمہارے انداز کے مطابق سمجھا رہا ہے، کہ میں رزق دیتا ہوں، ہم سخی ہیں اور تم دعا کرو تو میں منظور کرتا ہوں۔ تو ساری باتیں جو ہیں وہ انسانی لیول کی ہیں تا کہ تمہیں کچھ ابلاغ ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات کا ابلاغ نہ سمجھ آئے تو پھر اس کے قریب جاؤ جو اللہ کے قریب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر یہ لوگ مجھ سے محبت چاہتے ہیں، ان سے آپ ؐ کہہ دیجئے کہ ہماری محبت چاہتے ہیں تو یہ آپ ؐ کا حکم مانیں، پھر ہم خود ہی ان سے محبت کرنے لگ جائیں گے، کیونکہ یہ مجھے پہچان نہیں سکیں گے، پا نہیں سکیں گے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کو پانے کا اور جاننے کا طریقہ کیا ہے؟ اللہ کے محبوب ﷺ کے قریب ہو جاؤ۔ بس کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ بس اللہ جانے اور اس کا حبیب ﷺ جانے۔ آپ لوگ کیا جان سکتے ہو۔ یہ تو کوئی بھی نہ بتا سکا آج تک کہ اللہ تعالیٰ کی Form، شکل کیا ہے؟ ایک وقت میں ایک کو نظر آتا ہے

دوسرے کونہیں پتہ چلتا۔ موسیٰ علیہ السلام کی امت نے کہا کہ آپ بولتے رہتے ہیں' ہم پیچھے ہٹ کر سن لیں گے' اللہ کی بات سن لیں گے۔ موسیٰؑ نے کہا کہ نہیں' یہ واقعہ ہی اور طرح ہے۔ اس لیے اللہ بولتا ہے لیکن زبان کے بغیر' سنتا ہے لیکن کان کے بغیر' دیکھتا ہے لیکن نگاہ کے بغیر' ساری باتیں کرتا ہے سب باتوں کے بغیر' یہ ہے اس کی شان! اس لیے آپ Form نہیں بنا سکتے' شکل نہیں بنا سکتے' تو وہ Form کے بغیر ہی ایک فارم ہے۔ بس وہ اللہ ہے' ذات ہے اور اس کی ذات کی Dimensions' جہت آپ بیان نہیں کر سکتے' بس ایسی ذات ہے کہ قریب بھی ہے اور دور بھی ہے اور وہ ہر آغاز سے پہلے ہے اور ہر انجام کے بعد ہے' اور جب اس کے بارے میں کہا جائے کہ کیا وہ کوئی انسان ہوگا تو اللہ تعالیٰ انسان نہیں ہوسکتا' نہ اس کا کوئی باپ ہے نہ اس کی کوئی اولاد ہے' وہ باپ سے بے نیاز ہے' اولاد سے بے نیاز ہے۔ پہلے کیا ہوتا ہے؟ آپ ''پہلے'' کے لیے تو اوّل کا لفظ بول رہے ہیں اور وہ تو اول سے بھی پہلے ہے۔ اس لیے آپ اللہ کے بارے میں تشویش نہ کیا کرو۔ بزرگوں نے کہا کہ اللہ کو جاننے کا فکر نہ کیا کرو' اللہ کو ماننے کا فکر کرو۔ کیا کرو؟ ماننے والی بات کرو۔ اور اگر جاننا چاہو تو انسانوں کو جانو اور اپنی زندگی کو جانو' اپنے چند روزہ اوقات کو جانو کہ کب تک آپ ہو اور کب کے بعد آپ کیا ہو جاؤ گے۔ آپ کا وقت تھوڑے عرصے کی بات ہے' اس کو جانو اور ان لوگوں کی بات کرو جنھوں نے اللہ تعالیٰ کی بات کی ہے اور سب سے زیادہ مقرب ہستی وہی ہے جس کا آپ کلمہ پڑھ رہے ہو۔ بس آپ اس ہستی کے قریب ہو جاؤ' اللہ کو جاننے کا فکر نہ کرو' بس وہ اللہ ہے' اس کو جاننا نہیں ہے۔

سوال:

اللہ جو کہے ہو جاتا ہے تو پھر اس نے لشکر کیوں رکھے ہوئے ہیں؟

جواب:

اللہ تعالیٰ نے لشکر تو رکھا ہوا ہے یعنی **للہ جنود السموت والارض**، لیکن اس کا کوئی دشمن نہیں ہے۔ But He has no ememy. جس کی خاطر اس نے لشکر رکھا ہوا ہے He has no enemy to frighten him تو ایسا دشمن کوئی نہیں ہے جس سے اللہ ڈرتا ہو اور جس کی خاطر اس نے فوجیں رکھی ہوں۔ میں نے آپ کو پہلے بھی بتایا ہے کہ اللہ کے پاس خزانے ہیں لیکن اس کو ان خزانوں سے کوئی چیز خریدنے کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے۔ تمہیں خزانے چاہییں تا کہ تم مال خرید سکو۔ اللہ کو کوئی اور چیز خریدنے کی ضرورت کوئی نہیں ہے کیونکہ جو خریدنے والی چیز ہے وہ بھی اس کے خزانے میں شریک ہے۔ تو اس لیے اس کو ان باتوں کی ضرورت کوئی نہیں ہے کہ اس کا کوئی دشمن ہوگا، دشمن تب ہو جب کوئی اور اللہ ہو، یعنی دو اللہ ہوں تو دشمن ہو سکتا ہے، دو اللہ تو ہیں ہی نہیں، وہ تو ہے ہی ایک! لٰہذا ایک کا دشمن تو ہو نہیں سکتا۔ بلکہ یہاں تک فقراء کہتے ہیں کہ اس کا شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ تو تمہیں سمجھانے کے لیے اللہ نے فرمایا کہ شریک نہ بناؤ۔ شرک یہ نہیں کہ تم اللہ کا شریک بنالو گے بلکہ شرک یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی فرمائی ہوئی بات کے علاوہ کسی بات کو مان لینا شرک ہے۔ اللہ کا تو شریک ہو ہی نہیں سکتا۔ شریک وہ ہے جو کنفیوژن پیدا کرے کہ یہ اللہ ہو سکتا ہے۔ وہ اللہ جو نظر نہ آئے، اس کا شریک کون ہو سکتا ہے۔ یہ ناممکن ہے۔ ایسا اللہ جو اول بھی ہو اور آخر بھی ہو، اس کا شریک آپ نہیں بنا سکتے۔ ایک واقعہ لاہور میں ہوا تھا کہ ایک

آدمی نے اپنے آپ کو خدا کہہ دیا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ خدا کا خوف کر، سنا ہے کہ تو اپنے آپ کو خدا کہتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ میں خدا ہوں۔ اسے کہا گیا کہ اس خدا نے تو یہ آسمان بنایا ہے تو وہ کہتا ہے کہ میں نے یہ آسمان بنایا ہے۔ کہتا ہے کہ تیرے پاس ثبوت کیا ہے کہ تو نے آسمان بنایا ہے؟ کہتا ہے کہ اس نے کون سا ثبوت دیا ہے، تم مانتے چلے آ رہے ہو اس کو کہ وہ خدا ہے اور مجھے مانتا کوئی نہیں ہے اس لیے میں بندہ ہوں۔ بس یہی بات ہے۔ کیونکہ آپ لوگ مانتے ہیں اس لیے خدا کا ثبوت کیا ہے؟ کہ تم مانتے ہو! ورنہ ابلیس کے پاس خدا کے نہ ہونے کے بے شمار ثبوت ہیں۔ ایک دفعہ ایک درویش خدا کے ہونے کا ثبوت بیان کر رہا تھا، اس نے ثبوت دیا تو ابلیس نے اسے توڑ دیا۔ اس درویش نے کہا کہ اللہ رزق دیتا ہے، ابلیس نے کہا کہ پھر غریب کیوں ہیں، اس نے کہا کہ اللہ زندگی دیتا ہے، ابلیس نے کہا کہ پھر مارتا کون ہے؟ تو وہ جو بات کرے ابلیس اس کے برعکس ایک بات لے آیا۔ درویش نے کہا کہ اللہ جو ہے وہ اول ہے، ابلیس نے کہا کہ پھر آخر کون ہے؟ اللہ صحت دینے والا ہے تو ابلیس نے کہا کہ پھر بیماریاں کون دیتا ہے۔ تو ساری باتوں کو شکست ہوتی گئی۔ تب اس درویش کے پیر صاحب نے آواز دی کہ اب اس کو یہ لفظ کہہ دو۔ تو اس درویش نے شیطان سے کہا کہ دیکھو میں نے اللہ کو بغیر دلیل کے مانا ہے اب کر لو جو کرنا ہے۔ شیطان نے کہا کہ یہ ہے تیرے گُر کی بات، دلیل سے تو ثابت نہیں کر سکتا کہ اللہ ہے۔ تو اللہ کو ماننا ہے تو دلیل کے بغیر ہی ماننا ہے کہ اللہ ہے۔ تو ثبوت کیا ہے؟ تیرا ماننا ہی ثبوت ہے۔ ماننے والا کہتا ہے میں اس کو مانتا ہوں اب تو میرے سے بات کر، اللہ سے اگر کوئی تیرا اختلاف ہے تو تم اپنے اللہ سے خود ہی بات کرو اور اگر میرے اللہ کے خلاف تو

نے بات کی تو تیرا گلہ دبا دوں گا۔ جب کوئی شخص محفل میں اللہ کے خلاف بات کرے تو وہ دراصل اپنے اللہ کی بات نہیں کر رہا بلکہ وہ تمہارے خلاف ہے اور وہ تمہارے خلاف بات کر رہا ہے ورنہ تو اس کا اپنا اللہ ہے اور وہ خود جا کر تنہائی میں اپنے اللہ سے فیصلہ کرے۔ اس لیے محفل کے اندر اپنے اللہ کے خلاف اپنی موجودگی میں بات نہ ہونے دیا کرو۔ ماننے والے کے ساتھ نہ ماننے والے کا کیا ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ثبوت کیا ہے؟ سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ ہم اس کو سجدہ کرتے ہیں اور یہ آخری ثبوت ہے۔ نہ ماننے والے سے کہو کہ عقل میں ہم تم سے زیادہ ہیں، طاقت میں بھی ہم تم سے زیادہ ہیں، اور اللہ کو ہم مانتے ہیں۔ تو یہ ثبوت ہو گیا۔ باقی ثبوت یہ ہے کہ ہم ایسی ذات پر ایمان لائے ہیں جس ذات کے بارے میں کافروں نے بھی یہ کہا کہ آپؐ سچ بولتے ہیں۔ اس ذات نے کبھی سچ کے علاوہ نہیں بولا اور انہوں نے فرمایا کہ اللہ ہے تو بس اللہ ہے۔ گویا کہ ایمان کی تائید کیا ہو گئی؟ ایمان ہے اعتمادِ شخصیتِ پیغمبرؐ۔ بس! اگر شخصیتِ پیغمبر ﷺ پر اعتماد ہے تو ایمان ہے ورنہ ایمان کی اور کوئی بات نہیں ہے۔ ایمان یہ بھی ہے کہ اللہ پر ایمان لانا، فرشتوں پر ایمان لانا یہ تو ٹھیک ہے۔ مگر ایک دفعہ حضور پاک ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ ایمان تم لوگوں نے سمجھ لیا؟ عرض کیا گیا کہ سمجھ لیا۔ آپؐ نے پوچھا کہ کیا سمجھے ہو؟ انہوں نے کہا کہ اللہ پر ایمان لانا، فرشتوں پر ایمان لانا، کتابوں پر ایمان لانا، تو آپؐ نے فرمایا کہ ہاں یہ ٹھیک ہے، ایمان کی یہ بھی تعریف ہوئی ہے۔ ایک آواز آئی کہ ہم تو ایک بات جانتے ہیں کہ ایمان یہ ہے کہ ایمان بھی آپؐ پر نثار ہے۔ بس اصلی ایمان یہ ہے کہ آپ کہو کہ ایمان بھی آپ ﷺ پر نثار ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ جو آپؐ نے فرمایا وہ ایمان ہے، آپؐ نے

فرمایا کہ بس اللہ ہے تو پھر اللہ ہے، ثبوت کی ضرورت ہی کوئی نہیں کیوں کہ بتانے والا صادق ہے اور آپؐ سچ بول رہے ہیں کہ اللہ ہے۔ آگے ہمیں جانے کی ضرورت ہی کوئی نہیں ہے کیونکہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ ہے۔ پھر معراج شریف کا واقعہ ہوا تو پھر کافروں نے کہا کہ لو اب آپ کے دوست کیا کہہ رہے ہیں، آپ کے بزرگ، آپ کے پیغمبر ﷺ کہہ رہے ہیں کہ وہ آسمانوں کی سیر کر آئے ہیں، تو ماننے والے نے کہا کہ اگر آپؐ نے فرمایا ہے تو پھر ٹھیک ہے، ایسا ہی ہو گا۔ کوئی اور کہے تو پھر ہم تحقیق کریں گے اور حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ہے تو پھر بات سچ ہے۔ لہٰذا اس صداقت پر آپ کا اعتماد ہونا چاہئے۔ بس یہی اللہ ہے اور اللہ کی کوئی Form نہیں بنائی، شکل نہیں بنائی، شکل بنانے سے شکل نہیں بنے گی۔ اللہ نے پوری متضاد صفات رکھ دی ہیں، تو یہ راز رکھ دیا، اس نے کہا میں رحیم ہوں، قہار بھی ہوں۔ اب آپ کدھر جاؤ گے کہ وہ ذات جو رحیم بھی ہے اور قہار بھی ہے۔ تو بات تو مشکل ہو جائے گی، یعنی کہ جبار بھی ہے اور منتقم بھی ہے، آپ اندازہ کرو کہ منتقم بھی ہے مذلِ عظیم بھی ہے یعنی کہ ایسی بات بھی ہے کہ ذِلت میں بھی گرا دیتا ہے، انتقام بھی لینے والا ہے، معزول بھی کرنے والا ہے۔ اور پھر توبہ والے کے قریب بھی ہے۔ اصل میں سب اس کی صفات ہیں اور کوئی بھی ایسا نہیں۔ وہ جبار ہے، قہار ہے، منتقم ہے، طاقت والا ہے، رب ذوالجلال والاکرام ہے اور اور رحمٰن و رحیم بھی ہے۔ بات یہ ہے کہ جو صفت آپ کو سمجھ آتی ہے آپ اس صفت کے ماتحت سفر طے کر لو، باقی صفات باقیوں کے لیے چھوڑ دو۔ مثلاً آپ رحمٰن کے حوالے سے سفر کر رہے ہو تو پھر آپ میں رحمانیت کی صفات پیدا ہو جائیں گی۔ پھر سمجھو کہ آپ اللہ کے قریب ہو گئے، اللہ ستار العیوب ہے اور اگر

آپ نے لوگوں کے عیوب اورلوگوں کی خامیاں چھپانا شروع کر دیں تو آپ ستار کے قریب ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ کی جس صفت کے آپ قریب رہنا چاہتے ہو' تو وہ صفت آپ اپنے اندر پیدا کر سکتے ہو۔ اس لیے یہ صفات بیان کی گئی ہیں۔ یعنی کہ اللہ کے حکم پر چلنے والا یا اٹھنے والا ہاتھ اللہ کا ہاتھ کہلاتا ہے۔ کیا کہا؟ کہ اللہ کے حکم پر اٹھنے والا ہاتھ اللہ کا ہاتھ کہلاتا ہے' اللہ کے حکم پر حرکت کرنے والی زبان جو ہے وہ اللہ کی زبان کہلاتی ہے' اللہ کے حکم پر دیکھنے والی آنکھ جو ہے وہ اللہ کی آنکھ کہلاتی ہے۔ لوگوں نے ایک کہانی بتائی ہے۔ ایک آدمی اللہ کے حکم پر تھا۔ دریا کے کنارے وہ بیٹھا تھا' دریا کے دوسرے کنارے سے دوست نے کھانا بھیجا کہ جاؤ اس کو دے آؤ' اس نے کھانا کھایا' کھانا کھا کر اس نے برتن واپس کر دیے تو اس نے کہا کہ اسے جا کر کہنا کہ وہ شخص جس نے زندگی بھر کھانا نہیں کھایا' وہ تمہیں سلام کہہ رہا ہے۔ کھانا اس شخص کے سامنے کھایا تھا تو وہ شخص سوچنے لگا کہ کھانا اس نے میرے سامنے کھایا ہے اور پیغام یہ دے رہا ہے کہ جس نے زندگی بھر کھانا نہیں کھایا وہ تمہیں سلام کہہ رہا ہے۔ اس نے کہا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ میں نے کبھی نہیں کھایا' زندگی بھر نہیں کھایا کیوں کہ میں نے کبھی کھایا ہی نہیں جب تک وہ نہیں کھلاتا' میں مانگتا ہی نہیں ہوں۔ اس لیے وہ جس کو اللہ کھلائے وہ کہتا ہے کہ میں نے نہیں کھایا اِلاّ یہ کہ اس نے کھلایا ہو' اب اس کا کھانا جو ہے اللہ کا کھلانا ہے۔ اس لیے یہ ہاتھ جو ''یداللہ'' ہیں وہ انسان کے ہاتھ ہیں۔ کون سے انسان کے؟ جس کا رضائے الٰہی کے ماتحت ہاتھ اٹھتا ہو۔ تو عین اللہ کون ہے؟ وہ آنکھ جو اللہ کے حکم سے دیکھتی ہو' وہ کان جو اللہ کے حکم سے سنتا ہو' وہ چہرہ جو اللہ کی پسند کے مطابق عمل کرتا ہو' وہ ہے

"وجہ اللہ"۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اس طرح محبوب کا لفظ ہے اور اسی طرح سارے لفظ ہیں۔ تو اللہ کے اِذن کے مطابق چلنے والوں کو وہی نام دے دیا جاتا ہے جس نام کے ماتحت وہ چل رہے ہوں، جس محبت میں وہ چل رہے ہوں۔ چلتے چلتے دیکھنے والے آخر کار اس کا نام ہی بدل دیتے ہیں اور وہی نام رکھتے ہیں جو اس کے مدعا کا نام ہو۔ تو جو اس کے مدعا کا نام ہو وہی اس کا نام رکھ دیتے ہیں کہ یہی نام ہے۔ وہ اس کا مدعا دیکھ لیتے ہیں کہ یہ صحرا کا سفر کرتا ہے، یہ کدھر کو جا رہا ہے، تو وہ کہتا ہے کہ ادھر کو جا رہا ہے، کہتا ہے کہ ہاں بالکل ادھر کو جا رہا ہے، تو کہتا ہے پھر اس کا نام بھی وہی رکھ دو۔ پھر وہ بات ہو جاتی ہے۔

رانجھا رانجھا کردی نی میں آپے رانجھا ہوئی

یعنی کہ محبوب کے ساتھ نسبت کی صداقت سے محبّ کا نام محبوب ہی ہو جاتا ہے۔ آپ بات سمجھے؟ کہ محبوب سے محبت کی صداقت کی استقامت کے دم سے محبّ کا نام محبوب ہی ہو جاتا ہے۔ تو اس کا نام وہی رکھ دیا کرتے ہیں۔ کہتا ہے کہ اصلی بات یہی ہوئی کہ پھر آپ وہی ہوئے ناں۔ یہاں پر درویشوں نے کہا کہ "م" کا فرق ہے باقی ساری بات ایک ہی ہے۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ نہیں انا بشر مثلکم 'تو بشر تو ہیں لیکن وحی کا فرق ہے اس لیے بشر ہی کہو۔ ہوا یہ تھا کہ آپؐ کی ساری صفات ایسی تھیں کہ Tally کرتی جا رہی تھیں، تو لوگوں نے کہا کہ ہم پہچان گئے کہ آپ ہی ہیں! انہوں نے فرمایا کہ ہم وہ نہیں ہیں یعنی کہ ہم بشر ہیں، کیوں کہ اگر ہم سجدہ کرتے ہیں تو پھر ذات اور ہے، اور ہم اور صفات ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ عین اس کے تابع اور اس کے مطابق ہیں لیکن آپؐ اور ہیں اور وہ اور ہے، وہ مسجود ہے اور آپؐ ساجد ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ اس چکر میں پڑ جانا،

سب کچھ ٹھیک ہے لیکن بشر کا اور خالق کے تقاضے کا فرق کر دیا گیا ہے۔ اسے یہ کہہ لیا کرو کہ وہ مالک ہے' یہ کہہ دیا کہ وہ والد ہیں' انسانوں کی تاریخ پیدائش ہے' تاریخ وصال ہے اور اللہ جو ہے وہ تاریخِ پیدائش سے پہلے ہے اور تاریخِ وصال کے بعد بھی زندہ رہتا ہے' وہ تو اللہ ہے۔ تو یہ بتایا گیا ہے۔ آپ بات کو سمجھ گئے ہیں؟ لہٰذا بات پہ دھیان کرو۔ اللہ تعالیٰ کی بات کو سمجھنا بہت آسان ہے اگر پہلے آپ انسان کو سمجھ لو اور اپنے آپ کو سمجھ لو' پھر سمجھ آ جائے گی۔

سوال:

آج شبِ معراج ہے اس کے حوالے سے کچھ فرمائیں۔

جواب:

روشنی ہی روشنی ہے' جیسے سنتے آ رہے ہو ویسے کرتے جاؤ۔ دعا کرو' نفل پڑھو' عبادت کرو' درود شریف پڑھو' بہت درود شریف پڑھو۔ جس کا خیال اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کی طرف آ گیا' آپؐ کی طرف خیال کا آ جانا ہی عبادت ہے' یہ عبادت کرتے جاؤ' غافل نہ ہو جاؤ' سو نہ جاؤ۔ آج جمعرات بھی ہے اور شبِ معراج بھی ہے۔

سوال:

کہا جاتا ہے کہ کچھ لوگ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں' اس کی ذرا وضاحت فرما دیں۔

جواب:

ڈیوٹی سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ جس علاقے میں کسی درویش کو بھیجا جائے وہ اس علاقے کے Customs کے مطابق ہی جائے گا یعنی رواج کے مطابق جائے گا اور اس علاقے میں جا کر ان میں تعلیم و تبلیغ کرے

گا یعنی ان کے مطابق، تو بعض اوقات ایسا علاقہ ہوتا ہے کہ جہاں لباس کی اور قسم کی حالت ہوتی ہے' وہاں اور قسم کی حالت کے لباس میں ہی جائے گا اور اسی زبان میں بولے گا۔ اب یہ نہیں ہے کہ آپ انگریزوں میں جا کر تبلیغ کرنے لگو تو آپ عربی بولنا شروع کر دو' وہاں وہ اسی ماحول کے اندر ہوگا' اسی جگہ ہوگا اور پھر اللہ تعالیٰ کی رحمت جو ہے ان میں سے ان کا مبلغ چنتی ہے۔ اس مبلغ کا کچھ حصہ ان جیسا گزرتا ہے پھر جب وہ Transformation کا' تبدیلی کا اعلان کرتا ہے تو اس کے ساتھی بھی اعلان کر دیتے ہیں۔ ایسے ہو جاتا ہے اور ایسا ہوتا رہا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ کچھ قوموں کے اندر ایسے لوگ موجود ہوں جو اسلام کے جاننے والے یا ماننے والے ہوں اور پھر وہ توبہ کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں۔ ایسے بے شمار لوگ ہیں۔ کتنے انگریز لوگ Convert ہوئے ہیں' Convert ہونے سے پہلے وہ مسلمان ہی تھے اور انہوں نے اعلان بعد میں کیا' جب کہ وہ پہلے اپنا کام سارا کر چکے تھے۔ پھر انہوں نے اعلان کر دیا کہ ہم مسلمان ہوتے ہیں' پھر ان کے ساتھی جتنے بھی ماننے والے تھے پورے درویش کے درویش ہو گئے۔ جوگی بھی مسلمان ہو گئے۔ دراصل وہ مسلمان ہی تھے۔ داتا صاحبؒ جب تشریف لائے تو جوگی سارے مسلمان ہو گئے' جوگیوں کے چیلے سارے مسلمان ہو گئے۔ وہ جوگی پہلے ہی طاقتور تھے اور چیلے بنا کر بیٹھے تھے' ان کا آدھا خیال تو پہلے سے اللہ تعالیٰ کے نظام میں طے شدہ تھا' پھر اعلان کر دیا کہ میں مسلمان ہوتا ہوں اور پھر اس کے سارے ساتھی مسلمان ہو گئے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی اس طرح آمد ہوئی۔ اجمیر شریف میں ایسا واقعہ ہوا۔ جوگی جو ہیں وہ On duty کہلاتے تھے' لوگ ان کو مانتے تھے' ان کی پوجا کرتے تھے' ان کے حکم پر

چلتے تھے، جب جوگی نے اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تو پھر باقی سارے لوگ اسلام میں داخل ہو گئے اور گروہ در گروہ اسلام میں داخل ہو گئے۔ اس لیے ایسا ہو سکتا ہے کہ ان لوگوں میں تبلیغ ہو رہی ہو۔ پرندوں کی دنیا میں تو پہلے کوئی پرندہ ہی مسلمان ہوگا اور جنات کی دنیا میں جنات مسلمان ہوں گے۔ تو جن جو ہے وہ جنوں میں تبلیغ کرے گا، تعلیم کرے گا، ایسا ہو سکتا ہے۔

سوال:

کہتے ہیں کہ جو لوگ ڈیوٹی پر ہوتے ہیں وہ فقیر ہی ہوتے ہیں اور وہ نظام چلاتے ہیں۔

جواب:

مسلمانوں کے اندر جو ہوگا وہ ان کی طرح ہی ہوگا۔ میں ان کی بات ہی نہیں کر رہا۔ مسلمان گروہ کے اندر کسی مسلمان کا اسلام کے علاوہ انداز کا ڈیوٹی پر ہونا غلط ہے۔

سوال:

جو یہ اصطلاحات ہیں کہ جیسے ابدال ہوں یا غوث ہوں تو یہ سب ڈیوٹی والے لوگ ہیں؟

جواب:

غوث، قطب، ابدال، قلندر سارے ٹھیک ہیں، آپ نے اِن کو دیکھے بغیر مان لیا۔ کیسے مان لیا؟ یہ سارے ٹائیٹل Use ہو چکے ہیں اور جن لوگوں کے ساتھ Use ہوئے، صحیح استعمال ہوئے ہیں۔ تو دورِ حاضر میں آپ نے یہ ٹائیٹل کہاں سُنے ہیں؟ کیا آج کل کسی آدمی نے غوث ہونے کا اعلان کیا؟ آج کل نہیں کیا

ہے تو پھر اس میں دِقت کیا ہے......

سوال:

جیسے ماضی میں کچھ ابدال تھے تو وہ اب بھی ہوں گے یا ہوتے ہیں؟

جواب:

اگر اب ہوں گے تو ان کا اعلان تو نہیں ہوا۔ پھر تو دِقت نہیں ہونی چاہیے۔ جب تک کوئی شخص اعلان نہ کرے آپ کو تشویش نہیں ہونی چاہیے۔ جب تک ابدال نہ آئے آپ کو تشویش نہیں ہونی چاہیے۔ آپ پر کسی ولی کو ولی ماننے سے انکار کرنے پر کُفر لازم نہیں آئے گا اور پیغمبر کا انکار کیا تو آپ کافر ہو گئے۔ مسلمان ہونے کے بعد کسی ولی کی ولایت سے آپ نے انکار کیا تو آپ کافر نہیں ہوں گے اور آپ تحقیق کر کے بات کر سکتے ہیں، یہ آپ کا حق ہے۔ اگر کوئی آپ سے کہتا ہے کہ میں اللہ کا دوست ہوں، ولی ہوں تو وہ اپنی عاقبت کو درست کرے اور آپ اپنی عاقبت کے حوالے سے چلتے جائیں۔ ولی کو ماننا فرض نہیں ہے۔ کوئی کہے کہ میں غوث ہو گیا، قطب ہو گیا، تو اس میں نہ آپ اقرار کرو اور نہ آپ انکار کرو، بس خاموشی سے چلتے جاؤ۔ آج کل یہ ٹائیٹل عام طور پر بزرگوں نے استعمال نہیں کیے۔ اُس زمانے میں یہ تھا کہ ہندو ٹائیٹل والے لوگ تھے، کافر ٹائیٹل والے لوگ تھے تو یہ بھی اپنے ٹائیٹل بتایا کرتے تھے اور یہ بزرگ بڑی فتوحات کرتے تھے اگر آپ لفظ ''غوث'' کا معنی دیکھو تو آپ کو پوری بات سمجھ آ جائے گی۔ لفظ ''غوث'' کا ایک مطلب ہے اور یہ ایک فنکشن ہے یعنی ''مدد کرنا''۔ تو جو شخص دُکھی انسانوں کی مدد کر رہا ہے وہ غوث ہے اور یہ ٹائیٹل ہے اور یہ روحانی ٹائیٹل بھی ہے اور یہ جب تک آ رہا ہے اور جہاں سے آ

رہا ہے ٹھیک آ رہا ہے۔ آپ اتنی بات کرو کہ کسی شخص کے اقرار یا انکار کے اندر دخل نہ دو' اُس سے کوئی اچھی بات ملتی ہے تو ضرور سُنو اور باطن جو ہے روشن کرنا فرض بھی نہیں ہے' بس آپ اُس Form میں عبادت کرتے جاؤ' جو شخص آپ کو سمجھائے کہ یہ بات یوں ہے تو آپ اُس سے سمجھ لو۔ وہ اگر ٹائیٹل دے رہا ہے اور یہ اُس کا خیال ہے تو دیتا جائے۔ اگر قلندر ہے تو ہونے دو' غوث ہے تو ہونے دو' کوئی قطب ہے تو ہونے دو۔ کہتے یہ ہیں کہ چالیس آدمی اگر کسی کے حق میں اچھی گواہی دے دیں تو کبھی شک نہ کرو۔ ادب سے اس کے پاس جاؤ اور دُعا کے لیے اس سے سوال کرو' شاید آپ کے لیے بہتر ہو جائے۔ چالیس انسانوں کی گواہی معتبر ہوتی ہے' چالیس ذمہ دار آدمی کسی کے حق میں اچھا کہیں تو وہ اچھا انسان ہے۔ اچھے آدمی سے اپنے حق میں اچھی بات کہلوا لیا کرو۔ آپ سے یہ نہیں پوچھا جائے گا کہ اُس کی ولایت کے اوپر آپ ایک نوٹ لکھو' کیا پوچھا جائے گا؟ کہ جو آپ کو زندگی میں اچھا انسان ملے اس سے آپ اچھی بات اپنے حق میں کہلوا لو کہ آپ پر گمان ہے' آپ کے بارے میں خیال ہے' People talk well of you لوگ آپ کے بارے میں اچھی بات کرتے ہیں' تو آپ ہمارے لیے کوئی دعا کا تحفہ عنایت فرمائیں۔ یہ آپ کے لیے کافی ہے۔ آپ تحقیق کرنے نہیں آئے۔ اگر آپ غوث ہوں تو پھر معلوم ہو سکے گا کہ وہ غوث ہے کہ نہیں ہے۔ غوث کو جانے غوث اور قطب کو جانے قطب! تو آپ کہو کہ آپ جو بھی ہیں ہمارے لیے دعا کریں' لوگ آپ کے بارے میں اچھی بات کرتے ہیں' وہ جانتے ہیں کہ نہیں جانتے ہیں' میں یہ جانتا ہوں کہ آپ میرے لیے دعا کریں۔ تو دعا لے لینی چاہیے۔ مثلاً آپ کی ماں غوث نہ ہو تو بھی وہ آپ کے

لیے غوث کا کام کرے گی۔ ماں جو ہے وہ بہت کافی ہے' والد جو ہے وہ بہت کافی ہے' ماں باپ دونوں ہوں تو سارے غوث قطب ابدال قلندر سب کچھ اس کے اندر آ گیا۔ تو بات یہ ہے کہ آپ ادب سے دُعا لینا اور آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ لوگوں کے ٹائیٹل نہ دیکھو کہ اس پہ لیبل کیا ہے اور وہ کون ہے' کیا ہے اور کس درجے کا ولی ہے۔ آپ دیکھو کہ ولی کسی بھی درجے کا ہو' تجھے کام آیا کہ نہیں آیا۔ تو آپ نے دیکھنا یہ ہے۔ یہاں سے بے شمار لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ولی سمجھ کر اس کے پاس گئے تھے اور ساڑھے چار سال کے بعد پتہ چلا کہ وہ ولی نہیں ہے۔ تو منزل کس کی کھوٹی ہوئی؟ وہ آپ کی ہو گی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ اپنی منزل جاری رکھیں۔ اچھی بات جہاں سے ملے آپ اس پر عمل کرتے جائیں۔ عمل کی سند فوری طور پر مل جاتی ہے۔ ایسا نہیں ہوتا کہ دس سال کے بعد گمراہی کا پتہ چلے۔ آپ کا دل اگر صحیح ہے' نیت صحیح ہے' سُوئے کعبہ چلا جا رہا ہے دل' تو یہ منزل صحیح ہے' راستے میں رُک جائے تب بھی صحیح ہے۔ حج کے دوران راستے میں یا پہلے انتقال ہو جائے' تب بھی حج ہے۔ اس لیے کبھی کسی کے مقام کا فکر نہ کرنا بلکہ آپ اپنے سفر کا فکر کرنا۔ اپنا سفر جو ہے اچھی نیت کے ساتھ کرتے چلے جاؤ۔ یہ فیصلہ کر لو ہمارے ساتھ آج۔ کیا فیصلہ کر لو؟ کہ آپ اچھی نیت کے ساتھ سفر کریں گے' اچھے رُخ پر سفر کریں گے۔ آپ صرف اچھے رُخ پر اچھی نیت کے ساتھ سفر کرتے جاؤ' پھر کسی انسان کی کسی حالت میں ہونے سے آپ پر کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپ اپنی عبادت جاری رکھیں۔ اسلام نے واضح طور پر بتا دیا کہ یہ عمل ہے' یہ نماز ہے' یہ روزہ ہے' یہ حج ہے' یہ زکوٰۃ ہے۔ تو یہ سب تو آپ پکے کر لو۔ اب رہ گئی بات اللہ سے محبت نامے کی' تو وہ آپ پھر کرتے

جانا۔تو وہ شخص جو آپ کو اللہ کی محبت کی طرف لے چلے وہ صحیح ہو گا کیوں کہ چلنا تو آپ نے ہے۔ کسی کی پٹاری میں آپ دیکھ نہیں سکتے جب تک آپ ویسے نہ ہوں۔ ویسا ہونے تک تو پھر

؎ آہ کو چاہیے اک عمر اثر ہونے تک

پھر لمبی کہانی بن جاتی ہے۔ اس لیے آپ کے لیے یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اگر آپ دیکھیں کہ سائیں کانواں والے دریا کے کنارے لنگوٹہ باندھ کر بیٹھے ہیں تو آپ دِقت میں نہ پڑنا کہ کیا وہ ولی ہیں' یہ کون سی ڈیوٹی ہے جس پر وہ بیٹھے ہیں' لوگوں کے کام ہوتے ہیں' لوگوں کو تبلیغ ' باطنی تعلیم بھی دیتے ہیں۔ آپ اُن کو نہ چھیڑو کیوں کہ آپ کے مزاج کے ساتھ وہ بات Agree نہیں کرے گی۔ لنگوٹہ باندھ کر تبلیغ کرنے والے بندے کی بات ایک شریعت کے پابند انسان کو سمجھ نہیں آئے گی' راس نہیں آئے گی۔ اُسے کہو کہ بس یہ راز ہے' ہم اس کو بُرا نہیں کہتے' یہ جو راز ہے آپ اس پہ چلتے جاؤ اور ہمیں اس راز کی تعلیم دو کہ یہ راز کیا ہے۔

ایک چشتی بزرگ کے پاس لوگ گئے اور کہا کہ آپ چشتی لوگ بھی صحیح ہیں مگر مجھے ذاتی طور پر نقشبندی پسند ہیں' اس بارے میں کیا خیال ہے۔ ان بزرگوں کے پاس اندر وہ فنکشن بھی ہوتے ہیں۔ تو اس بزرگ نے کہا کہ کل آنا۔ وہ شخص دوسرے دن گیا تو اُس کو نقشبندی فیض دے دیا۔ مقصد یہ ہے کہ اس طرح ہر مزاج کو انہوں نے الگ الگ Cater کیا' اُن کے مزاج کے مطابق انہیں فیض دیا۔ اس لیے میں یہ بات بتا رہا تھا کہ فقراء جس قسم کے ماحول میں رہیں اور جس ڈیوٹی پر ہوں' آپ ان سے الجھنا نہیں۔ اور میں بار بار بتا رہا ہوں کہ اگر صحیح آدمی غلط جگہ پر چلا گیا تو صحیح آدمی کو منزل ضرور ملے گی بلکہ اُس غلط آدمی کی خوش قسمتی

یہ ہے کہ اُس کو صحیح مرید مل گیا۔ ایک صحیح مرید مل جائے تو پیر کی عاقبت درست کر دیتا ہے۔ صحیح بیٹا گھر میں پیدا ہو جائے تو ماں باپ کی عاقبت روشن ہو جاتی ہے۔ اس لیے آپ اس غلط پیر کی خوش قسمتی بن کر اس کی خدمت میں جاؤ اور کہو کہ آپ کی مہربانی سے مجھے یہ ملا کیوں کہ میں نے کچھ عرصہ آپ کو اپنا بزرگ مانا ہے اور مجھے یہ بات مل گئی ہے اور یہ آپ ہی کے دم سے ہے۔ اس طرح اس کے طبق روشن ہو جائیں گے۔ کئی دفعہ ایسا ہوا کہ بینائی مل گئی، روشنی مل گئی تو اس نے دیکھا کہ وہاں پر پیر نہیں ہے تو وہ سٹپٹایا اور اللہ سے عرض کرنے لگا کہ یا اللہ میں اس راستے سے آیا یعنی پیر صاحب کے حکم سے آیا اور یہاں مجھے روشنی ملی مگر پیر صاحب مجھے نظر نہیں آرہے۔ تو اس نے کہا کہ میری دعا صرف ایک ہے کہ اس کو بھی روشنی دو ورنہ میں یہ نہیں لیتا۔ تو اس کے دم سے اس کو بھی فیض مل گیا۔ تو مرید بھی پیر کو فیض دیتا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں۔ اور یہ بھی ہے کہ پیر بھی مرید کو فیض دیتا ہے۔ یہ محبت کا فیض ہے اور محبت کی بات ہے' اس لیے نفرت کر کے بیدم ہو کر واپس نہ مُڑنا۔ جب نکلے ہیں تو پھر اُس کو بھی ساتھ رکھنا' پیر صاحب کو چھوڑنے والی بات جو ہے یہ جھوٹ ہے اور بے وفائی ہے۔ کسی کو آپ صرف اس وقت جھوٹا کہو جب آپ سچ دریافت کر لو۔ اول تو پیر جھوٹے ہوتے نہیں اور خدا نخواستہ کوئی پیر جھوٹا ہو جائے تو پیر کو جھوٹا کب کہنا ہے؟ میرا مطلب ہے کہ آپ نے جھوٹ کب دریافت کرنا ہے؟ جب آپ سچ دریافت کر لو۔ پھر کہنا کہ اب جب میں سچ پر پہنچا ہوں تو مجھے معلوم ہو گیا ہے کہ وہاں پر کوئی غلطی تھی۔ سچ پر پہنچے ہو تو سچ اٹھا کر پیر صاحب کو دے دو۔ بے شمار لوگوں نے ایک جگہ پر بیعت کی اور اٹھارویں جگہ پر جا کر فیض لیا' پوری گنتی کی اٹھارہ تک...... اٹھارویں آدمی نے کہا

کہ جو یہ میں فیض دے رہا ہوں یہ پہلے آدمی کا فیض ہے۔ تو آج باقی سارے سترہ پاس ہو گئے۔ اور فیض کس نے دیا؟ اٹھارویں نے فیض دیا۔ آپ کو بات سمجھ آئی؟ آپ کو کہانی سناتا ہوں۔ ایک سادھو نے ایک گرو سے پوچھا کہ مجھے یہ بتا کہ میرا اصل گرو کون ہے، میرا پیر کون ہے؟ اُس کی نشانی بتاؤ۔ اس نے کہا کہ تجھے تیرا پیر ملے گا ضرور ملے گا، اس کی نشانی تجھے میں بتاتا ہوں، نشانی یہ ہے کہ یہ ایک خشک لکڑی ہے اس کو زمین میں گاڑ دے، جو سادھو آئے اس کے پاؤں دھو اور وہ پاؤں کا پانی اس میں ڈال دے، جس دن اس کے اندر سے کوئی شاخ نکل آئی یا کوئی پتہ نکل آیا یا پھول نکل آیا تو وہ آدمی تیرا گرو ہوگا۔ وہ بیچارہ لوگوں کے پاؤں دھوتا رہا اور پانی ڈالتا رہا، دو سال، تین سال یا کچھ وقت گزر گیا، ایک دن اس نے ایک درویش کے پاؤں دھوئے اور اس نے پانی ڈالا تو اس کے اندر سے ایک پتی نکل آئی۔ اس نے پیر صاحب کو پکڑ لیا، کہتا ہے کہ اب آپ جانے نہ پائیں گے، میں تو مدت سے آپ کا انتظار کر رہا ہوں، آپ ہی میرے پیر ہو۔ اس نے کہا کہ میں تو مسافر ہوں میں تیرا پیر کیسے ہوں تو نے مجھے اچھا کھانا کھلایا کہ پھر مجھے پکڑ کر بیٹھ گیا، میں تیرا پیر نہیں ہوں۔ اس نے کہا کہ آپ ہی میرے گرو ہیں کیوں کہ اس کی میرے پاس نشانی ہے۔ اس نے کہا کہ کیا نشانی ہے؟ اس نے کہا کہ یہ نشانی برآمد ہوئی ہے۔ اس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ ہوں تو میں گرو اور آیا ہوں تیرے پاس فیض دینے کے لیے، اب گُر کی بات مجھ سے لے لے اور تو میرا حکم ماننے کے لیے تیار ہو جا، کہتا ہے کہ میں تیرا پیر ہوں لیکن یہ کمال جو ہے ان تمام لوگوں کے پاؤں کے پانی کا ہے جنہوں نے آج تک اس شاخ کو قائم رکھا۔ تو ان کو بھی دعا دو جو راستے میں ملے۔ گمراہی کے راستے والا اگر منزل پہ

آ جائے تو اس گمراہی کو بھی سلام کرے۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ انسان جب سچے آدمی کے پاس پہنچتا ہے تو تمام جھوٹے سفر کو بھی سلام کرتا ہے کہ یہ راستہ بھی صحیح طرف آ گیا۔ اگر غلط راستے سے صحیح منزل آ جائے تو پھر وہ راستہ غلط کیسے تھا بلکہ وہ صحیح ہو گیا۔ تو سچا انسان اور سچی منزل ہی چاہیے۔ کیا چاہیے؟ کہ چلنے والا طالب یا سالک سچا ہو اور اس کے نصیب میں منزل ہو تو پھر ایسے جھوٹ کو بھی سلام۔ تو جس راستے سے سچ نے آپ کو قبول کر لیا اور آپ جس راستے سے بھی آئے ہیں وہی راستہ صحیح ہے۔ اب الجھنے والی کیا بات ہے؟ اور جن کو راستہ نہیں ملا یعنی اگر وہ سچ ہی سچ ہے اور منزل نہیں ملی ہے تو پھر کوئی بات تو نہ بنی۔ تو دیکھنا یہ ہے کہ منزل کیا ہے؟ اگر آپ کو منزل قبول کر لے' Destination قبول کر لے تو پھر کامیابی ہے۔ آپ منزل کی تعریف کر لو کہ منزل کیا ہے؟ منزل جو ہے وہ تقربِ پیغمبرِ اسلام ﷺ ہے اور اگر وہاں تک نہ پہنچے تو پھر تمام بولہبی ایست۔ تو پھر وہ نماز کیا ہوئی' حج کیا ہوا اور روزہ کیا ہوا کیوں کہ آپ وہاں تک ہی نہ پہنچے اور آپ اپنی اَنا کے مسافر رہے۔ ایسے شخص میں بڑی اَنا ہوتی ہے' عبادت کا غرور جو ہے یہ بڑی خطرناک چیز ہے۔ کہتے یہ ہیں کہ گناہ گار کی عاجزی عابد کے غرور سے بہت بہتر ہے۔ تو گناہ گار ہو کے عاجز ہونا بہت ہی بہتر ہے' اس لیے اس میں کوئی خطرے کی بات نہیں ہے کیوں کہ جو بھی راستہ ہے آپ کہو تو کلت علی اللہ تعالیٰ' اللہ پہ بھروسہ رکھنا۔ کہتا ہے کہ پیر صحیح نہیں تھا بڑی مشکل تھی' پھر بھی سچ مل گیا۔ اگر سچ مل گیا تو پہلا کام یہ کرو کہ آپ جاؤ اور اس کو بھی دے آؤ جو راستے میں ملا تھا۔ مثلاً انسان کا جو باپ ہوتا ہے وہ ضروری تو نہیں کہ ولی ہو' اور جو کمائی ہوتی ہے وہ اس کو آپ دیتے ہیں کہ نہیں دیتے۔ تو آپ جس کو ایک مرتبہ

بزرگ کہہ لیں اس کو پھر باپ کا درجہ دے دو، وہ ولی نہ نکلے تب بھی بزرگ ہے۔ اگر کوئی آپ کا پہلی جماعت کا اُستاد ہے جس نے الف ب پڑھائی تھی، اور اب آپ بڑے عالم ہو گئے ہیں، اُستاد سے بھی زیادہ علم آ گیا ہے تو اس کی عزت اب آپ زیادہ کرنا کیوں کہ اس نے چھوٹی کلاس پڑھائی تھی، اب آپ جو بڑی کلاس میں آ گئے ہیں تو یہ خوبی اسی چھوٹی کلاس کی ہے جو اس نے پڑھائی تھی اور یہ فیض اسی کا ہے۔ لہٰذا ابتداء میں جو فیض دینے والا ہے اس کو انتہا میں یاد رکھنا۔ فرمایا بڑے لوگوں نے، اور بڑے لوگوں کی بڑی بات ہے کہ ایک دفعہ ایسا واقعہ ہوا کہ ایک شخص آیا تو ایک بزرگ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے، مریدوں نے پوچھا سرکار آپ اُٹھ کر کھڑے ہو گئے جب یہ آدمی آیا تھا مگر آپ کا تو بڑا بلند مقام ہے تو انہوں نے فرمایا یہ میرا اُستاد ہے، اِس نے مجھے ایک بات سکھائی تھی۔ پوچھا وہ کیا بات تھی؟ انہوں نے کہا کہ ہم سوچ رہے تھے، کسی جانور کے بارے میں سوال تھا کہ کُتا بالغ کب ہوتا ہے؟ تو انہوں نے بتایا تھا کہ جب وہ ٹانگ اُٹھا کر پیشاب کرے تو اس وقت وہ بالغ ہو جاتا ہے، یہ بات مجھے ان سے پتہ چلی تھی، تو میں ان کو استاد ہی سمجھتا ہوں۔ ایک دوسرے واقعہ میں اس شخص کے بارے میں یہ بتایا گیا ہے کہ اس نے مجھے ایک لفظ بتایا تھا کہ مسجد جو ہے اس کا معنی یہ ہے۔ تو کسی آدمی نے اگر آپ کے ساتھ استاد والا کام کیا ہے، کسی بات کا معنی بتایا ہے تو اس کا ادب کرو۔ اس طرح آپ علم میں داخل ہو جائیں گے۔ پہلا آدمی جس نے آپ کو اس راستے میں قبول کیا یا چلایا یا اس راستے پہ چلتا بنایا تو اس کو داد دو۔ میری نصیحت یہ ہے کہ جب آپ کو آخری پیر مل جائے تو پہلے پیر کو ضرور سلام کرنے جانا۔ کیا کہا؟ یہ میری آپ لوگوں کو نصیحت ہے کہ جب آخری پیر کامل،

صورتِ ظلِ الہٰ کبھی مل جائے تو پھر اس آدمی کے پاس جانا کہ جس نے ابتداء کرائی تھی، اس کے پاس ضرور جانا۔ دعا یہ ہے کہ آپ کو کامل بات مل جائے لیکن پھر آپ ابتدائی بات کے پاس ضرور جانا، ضرور جانا، جس نے پہلا شوق دیا تھا۔ اگر محبت حقیقی مل جائے تو مجاز کو بھی دل میں تھوڑا سا سلام کر دیا کرو۔ اس کو بھی سلام کر دینا چاہیے۔ اس کو دل میں رکھو اور اس کو بتانے کی ضرورت نہیں ہے، اس لیے کہ اس محبت کے راستے سے اس نے آشنا تو کرایا تھا۔ ماسواء ہی ماوراء کا راز بتاتا ہے!

سوال:

لوگ ایک پیر کو چھوڑ کر دوسرا پیر کیوں پکڑتے ہیں؟

جواب:

لوگ جو ہیں وہ شوق کو زندہ رکھتے ہیں۔ اس کے دو طریقے ہیں۔ ایک تو یہ کہ پیر صاحب جو ہیں وہ اپنے مرید کو قبول نہیں کرے تو پھر وہ اس کے سامنے اپنا وہ پہلو لاتے ہیں کہ مرید جو ہے وہ بے زار ہو جاتا ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ گھبرا جاتا ہے۔ اور پیر صاحب جان بوجھ کر وہ پہلو سامنے لاتا ہے یعنی غیر روشن پہلو، اور نقلی بات بناتا ہے تاکہ یہ آدمی جو یہ کہنا نہیں مان رہا، تو یہ چلا جائے۔ اس طرح اسے چلتا بناتا ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سزا کے طور پر اس کو لمبے سفر پر ڈالتا ہے۔ بعض اوقات یہ ہوتا ہے کہ مرید خود سوچتا ہے کہ یہ واقعہ جو ہے یہ مجھے راس نہیں آ رہا اور اس میں بڑی گمراہی کے امکان ہو سکتے ہیں، اور ایسا واقعہ لوگوں کے ساتھ ہوا۔ اصلی بات یہ ہوتی ہے، اچھی تبدیلی وہ ہوتی ہے کہ وہ نئے پیر صاحب کی تلاش جاری رکھے، وہ اگر کبھی مل جائے تو پھر پرانے پیر صاحب کو جا کر بتائے

کہ مجھے ایسا انسان ملا ہے' آپ کا کیا فرمان ہے۔ یا ان کے وصال کے بعد مل جائے تو پھر اجازت ہے۔ پھر صحبت کا فیض مل جائے گا۔ ایک کتاب میں ایک کہانی لکھی ہوئی ہے کہ ایک پیر صاحب کی محفل میں ایک مرید تھا جو پیر صاحب کی محفل میں کچھ عرصے سے آنا جانا بند ہو گیا۔ پیر صاحب نے لوگوں سے پوچھا کہ وہ آ نہیں رہا ہے' کیا قصہ ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ وہ گھر میں کسی کام سے مصروف ہے اور اس پر بڑی عجیب وغریب کیفیت ہے۔ تو پیر صاحب نے اسے بلوایا اور پوچھا کہ کیا بات ہے۔ کہنے لگا کہ آپ کی دعا سے مسئلہ حل ہو گیا' ہمیں انعام مل گیا جو ملنا تھا' شام کو ایک بزرگ آتا ہے اور مجھے لے جاتا ہے اور سیر کراتا ہے اور پھر بڑے واقعات ہوتے ہیں اور میرے پاس فرصت نہیں ہے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ آج جب سیر کرو تو یہ لفظ پڑھنا۔ رات کو حسبِ معمول ایک بزرگ داڑھی والے' خوب صورت انسان آئے' انہوں نے اسے اٹھایا اور ساتھ لے گئے۔ باغ کی سیر کرا رہا ہے اور پھل کھلا رہا ہے' تو اسے یاد آیا کہ پیر صاحب نے فرمایا تھا کہ یہ لفظ پڑھنا' اس نے جب پڑھا لاحول و لا قوہ الا باللہ۔ تو پھر وہ دیکھتا ہے کہ قبرستان میں کھڑا ہے' ہڈیاں ہیں اور یہ کھا رہا ہے۔ تو وہ بزرگ کی صورت میں شیطان تھا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ایک تقویت سے محروم ہونے والی بات ہے۔ جب یہ فیصلہ ہو جائے کہ ہم سارے مل کر اللہ کی راہ پر چلیں گے تو پھر اس فیصلے پر کاربند ہو جانا' اللہ پر بھروسہ کر کے۔ اصل میں یہ پیر کی راہ نہیں ہے' یہ اللہ کی راہ ہے۔ لوگ یہاں آ کے گمراہ ہو جاتے ہیں کیوں کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ پیر کی راہ ہے جب کہ یہ راہ اللہ کی ہے۔ تو پیر ہو یا مرید ہو دونوں ہی اللہ کے پابند ہیں۔ یہ راستہ اللہ کا ہے اور اس راستے کا واقعہ اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کے درمیان

ہی واقع ہے۔ باقی سارے سبب ہیں' اسباب ہیں' یہ خوش گوار سفر کے ہمراہی ہیں اور رفیقانِ طریق ہیں یعنی راستے کے ساتھی ہیں' ایک آدمی جاننے والا ہوتا ہے اور وہ گائیڈ کرتا جاتا ہے۔ اسلام کے اندر اب میرے حساب سے کوئی اور Devotion ' وابستگی اب رہ نہیں گئی۔ مطلب یہ کہ کوئی آ جائے' بزرگ ہی آ جائے' کوئی بھی آ جائے' اب سارے کے سارے اس راستے کے مسافر ہیں بلکہ میرے حساب میں کسی شخص کو یہ حق ہی نہیں پہنچتا کہ وہ اپنے آپ کو زیادہ مسلمان ثابت کرے۔ اب ملتِ اسلامیہ جو ہے سو ہے اور سب کے لیے ہے اور امت جو ہے وہ بس ایک جیسی ہے۔ اب جس کو زیادہ فیض ملا ہوا ہے وہ زیادہ تقسیم کر دے اور یہ اس کی حسنِ خُوبی ہے' Command کرنا اور دوسروں پر حکومت کرنا' یہ کسی کو حق نہیں ہے' کسی کو Exploit کرنے والی کوئی بات نہیں ہے' کسی کو ڈرانے والی کوئی بات نہیں ہے کہ مجھ پر راز آشکار ہو گئے۔ اگر آشکار ہو گئے تو تو اس بات کو آشکار کر۔ بس اتنی ساری بات ہے۔ یہ بات یاد رکھیں کہ یہ پرانی بات چلی آ رہی ہے کہ یہ پیر کی راہ ہے اور پیر تک ہی ہے۔ اصل میں یہ اللہ کی راہ ہے اور اللہ تک ہے' آپ اس کو پیر تک نہ رکھنا' اور یہ میں Amend کر رہا ہوں' اور یہ میں بڑی خطرے والی بات کر رہا ہوں۔ بات سمجھ آئی ناں۔ بہر حال آپ اس ''خطرے'' پر قائم رہو' کہ یہ راہ اللہ کی ہے اور اللہ تک ہے۔

ہر کہ پیر و ذاتِ حق را ایک ندید ؎
نے مرید و نے مرید و نے مرید

کہ پیر جو ہے' تیرا پیر اللہ ہے' بہر حال پیر بندہ ہے' آپ بھی انسان ہیں' راہ اللہ کی ہے' گائیڈ کرنے والے کی ہم عزت کرتے ہیں' اس کا ادب کرتے ہیں لیکن ہم

اس پر منزل کو شار نہیں کرتے۔ یہ نہ کہنا کہ اگر وہ پیر کہہ دے، شیخ کہہ دے کہ تو شراب پی لے تو پھر تو ناں نہ کرنا۔ تو اسلام کی تعلیم کے منافی شخص پیر نہیں ہے، پیر اسلام کی تعلیم کے اندر ہے، پیر کا معنی جو ہے وہ کبیر انسان جو آپ کو گائیڈ کرتا چلا جائے اللہ کی راہ میں۔ بس اتنی ساری بات ہے۔ بہر حال اپنا کوئی پیر صاحب ہونا ضرور چاہیے۔

سوال:

جب کسی کو ایک راستہ مل گیا تو پھر وہ کسی اور کی محفل مین تو نہ جائے......

جواب:

میں نے کہا ہے کہ محفل سب اللہ کی ہے۔ دوسرا راستہ اس شخص کو اللہ سے روکتا تو نہیں ہے اور اگر وہ روکنے لگ جائے تو آپ مَت جاؤ۔

سوال:

اسلام کے راستے کتنے ہیں؟

جواب:

اسلام کا راستہ ایک ہے۔ یہ ہم انداز کی بات کر رہے ہیں، مطلب یہ کہ ہم اندازِ فکر کی بات کر رہے ہیں اور مختلف ساتھیوں کی بات کر رہے ہیں۔ تو آپ بزرگوں سے دُعا لے لیا کرو، اس میں کیا حرج ہے بلکہ آپ کو ضرور دُعا لے لینی چاہیے۔ تو اب دُعا کرلو۔ اللہ تعالیٰ سب پر رحم فرمائے۔ سب سلامت رہو، خیر سے رہو۔

صلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه و نور عرشه سیدنا و سندنا مولٰنا حبیبنا و شفعینا محمد و آله و اصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الرٰحمین.

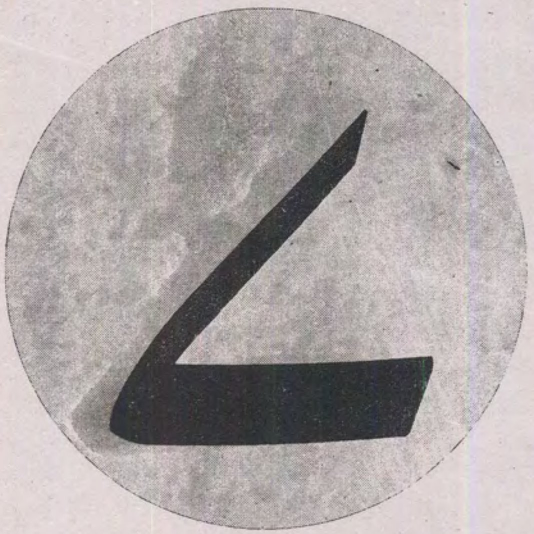

۱ رزقِ کریم سے کیا مراد ہے؟

۲ جو لوگ تفکرون والے یا Reason والے ہوتے ہیں وہ تو کچھ اور کہتے ہیں ......

۳ ماضی تو مذہب ہے اور مستقبل سائنس ہے تو پھر حال کیا ہے؟

۴ کچھ لوگ قرآن کا حوالہ دیتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ بشر تھے تو اس بارے میں ہم کیا جواب دیں۔

۵ آج کے دور میں مادی ترقی تو بہت ہو رہی ہے مگر روحانی ترقی کیوں نہیں ہو رہی؟

سوال:

رزق کریم سے کیا مُراد ہے؟

جواب:

طیب رزق آپ کی محنت کا پھل ہے' انسان کی محنت کا پھل' تو دیانتداری کی محنت کا پھل طیب اور پاکیزہ رزق ہوتا ہے۔ رزقِ کریم عطا ہوتی ہے اور طیب رزق آپ کماتے ہیں۔ ناپاک رزق بھی بعض لوگ کماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ رزق میں نے پاکیزہ ہی پیدا کیا ہے مگر تمھارے اپنے اعمال سے تم اُس کو حلال یا حرام بنا لیتے ہو۔ اور جب اُس رزق پر آپ کا حق نہ ہوتو وہی رزق جو ہے کسی کے لیے حلال ہے کسی کے لیے حرام ہے۔ اگر آپ کا حق نہ ہوتو پھر آپ کے لیے حرام ہے اور جس کا حق ہے اُس کے لیے حلال ہے۔ تو طیب رزق کا تعلق حلال حرام سے ہے۔ رزق کریم ایک ایسا مقام ہے کہ جہاں عطا ہوتی ہے۔ اِس کا تعلق آپ کی محنت سے نہیں ہے' بس یہ خاص بات ہے۔ تو اس کا تعلق نہ آپ کی محنت سے ہے' نہ آپ کے انداز سے ہے نہ اس کا کوئی طریقہ کاریگری ہے، بس یہ ایک شعبہ آپ کو اس طرح سمجھ آسکتا ہے کہ ایک انسان پیدا ہوا' غریبی میں رہا اور کمائی سے بھی کچھ نہیں ملا' پھر اچانک اُس کا کوئی امیر

سرپرست مر گیا، تو وہ جو Inherit کیا، ورثے میں آیا' یہ رزق عطا ہو گیا، مل گیا' یک لخت حالات کی وجہ سے۔ اِسی طرح زندگی میں اور کوئی ایسا شعبہ آپ کو نظر آسکتا ہے کہ جہاں رزق ملتا ہے اور عطا ہوتی ہے، اور وہ رزق صالح ہوتا ہے۔ تو یہ ضرور ایسا ہوتا ہوگا۔ مثلاً کسی کو اللہ نے بادشاہ بنا دیا۔ ایک تو بادشاہ بننا ہے انتخاب کے ساتھ' تو یہ ذمہ داری آپ کی اپنی ہے۔

اللہ کے بیان کو آپ دیکھیں تو وہ فرماتا ہے کہ ہم جس کو چاہتے ہیں ملک دیتے ہیں، جس کو چاہتے ہیں مالک الملک بناتے ہیں۔ **توتی الملک من تشاء** تو وہ فرماتا ہے کہ ہم جس کو چاہیں جو بنا دیں۔ اگر بنانے والا وہ ہے تو یہ رزق کریم ہے۔ شہد جو ہے یہ سب سے خوبصورت پروڈکشن ہے اور شہد کی مکھی کو یہ عطا ہو گیا ہے۔ آج تک آپ کو فارمولا پورا سمجھ نہیں آیا کہ یہ گلوکوز یا فرکٹوز ہے یا کیا ہے، تو ہے کوئی چیز ضرور، یہ عطا ہے! پھول کی خوشبو جو ہے یہ رزقِ کریم ہے۔ اِس طرح پرندے کی پرواز ہے۔ یہ رزق صفات کی شکل میں بھی ہے اور حقیقتاً مال کی شکل میں بھی ہے۔ مطلب یہ کہ مال جو ہے اور اولاد جو ہے یہ رزق کریم ہے۔ اگر اولاد بڑھاپے کا سہارا بن جائے تو اِس کو بھی نعمت کہا گیا ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں کہ جب کمائی نہ ہو اور رزق موجود ہو اور حرام بھی نہ ہو اِس کو رزقِ کریم کہیں گے۔ وہ کیا ہے؟ کچھ ہے ضرور۔ تو میں نے اب کیا بتایا ہے؟ کہ کمائی کرنے کی صلاحیت نہیں ہے مگر رزق موجود ہے اور حرام نہیں ہے۔ میرا مطلب ہے کہ یہ ایسا واقعہ ہے کہ حرام بھی نہ ہو، کمائی بھی نہ ہو اور رزق موجود ہو۔ بس یہ رزقِ کریم ہوتا ہے کہ کمایا ہوا بھی نہیں ہے اور حرام بھی نہیں ہے اور موجود ہے۔ یہ اللہ کے کام ہیں۔ اب آپ اُس کا یہ فرمان دیکھو **وترزق من تشاء بغیر**

حساب جس کو چاہتا ہے بے حساب دے دیتا ہے، نحن نرزقکم ہم تمھیں رزق دینے والے ہیں۔ فی الحیوۃ الدنیا و الاخرۃ ۔ہم تمہیں رزق دیتے ہیں حیات الدنیا میں اور آخرت میں۔ یہ بھی فرمایا کہ ہم تمھارے اولیاء ہیں، دوست ہیں، ہم تمھارے وارث بھی ہیں، ہم تمھیں رزق دیتے ہیں اور شہید جو ہے ناں اُس کو ہم رزق دیتے ہیں، وہ کھاتا ہے، پیتا ہے کیونکہ اُسے ہم رزق دیتے ہیں۔تو شہید کا رزق جو ہے نہ کمائی میں ہے اور نہ حرام ہے۔ یہ ہے رزقِ کریم، وہ کما سکتا نہیں اور حرام ہے نہیں مگر رزق موجود ہے،تو اُس رزق کو کہیں گے رزقِ کریم۔ رزق کا صحیح معنیٰ جو ہے یہ ''بارش'' ہے، Rain ہے۔تو بارش، Rain یہ سارا رزقِ کریم لاتی ہے۔آپ کے پاس صرف دانہء گندم ہے اور اللہ کے پاس گندم کی فصل ہے۔آپ نے صرف ایک دانہ ڈالا ہے اور ایک دانے میں سو دانے اللہ کے پاس ہیں۔ دانے تک تو آپ کی محنت تھی مگر آگے آپ کی محنت نہیں ہے، آگے جو کچھ ہے یہ رزقِ کریم ہے۔آپ نے ایک بیج بویا اور اُس درخت کے اندر سینکڑوں پھل لگ گئے ،تو ایک بیج تک آپ کا استحقاق ہوگا، حق ہوگا کہ آپ نے چار سیر بیج تو خریدا مگر اب کئی ہزار من تو آپ نے خود حاصل نہیں کیا۔ یہ رزقِ کریم ہے۔تو رزق کا یہ ایک واقعہ چلا آرہا ہے۔آپ نے دیکھا ہوگا ایک آدمی ہے، اس نے ایک کتاب لکھ لی، مثلاً میں نے کتاب لکھ دی، اور فرض کرو ایک دن میں لکھی، فرض کرو کتاب بک جائے تو کتاب پر خرچ کتنا ہوا ایک دن خرچ ہوا اور اگر کتاب چل پڑے تو چلتے چلتے کہاں تک پہنچے گی۔تو نہ وہ رزق حرام ہے اور نہ کوئی لمبی چوڑی محنت کی بات ہے بلکہ یہ عطا ہے۔نجانے کب کونسی بات کیسی ہوجائے ،کوئی چیز مشہور ہوجائے ،مثلاً اقبالؒ کی کتاب، میرا خیال

ہے اِتنی چھپ گئی، اتنی چھپ گئی ہے کہ کوئی حساب نہیں ہے، کئی دفعہ گمنام ہی چھپ گئی۔ تو یہ سارے کے سارے واقعات جو ہیں یہ عجیب اتفاق ہیں۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کتاب چاہے کسی کو سمجھ آئے کہ نہ آئے لیکن اس کا ایک مقام آ گیا اور اب یہ مقام جو ہے سو پشت تک اقبالؒ کے ہاں چلتا جائے گا۔ پھر آنے جانے والا سلام کرے گا۔ شاہی مسجد میں اقبالؒ کو جا کے سلام کرنا رزقِ کریم ہے۔ لوگ جانتے نہیں کہ اقبالؒ کیا کہتا ہے مگر جاتے ہی سلام، فاتحہ، سلام۔ تو یہ عجیب اتفاق ہے۔

داتا صاحبؒ کا آپ سے ذاتی کوئی تعلق نہیں، کسی آدمی کا بھی، میں یہ جانتا ہوں، وہ آپ کے زمانے میں بھی نہیں ہیں، اُن کی نسل سے بھی آپ نہیں ہیں اور اُن کی طریقت بھی کسی کو نہیں پتہ کیا ہے لیکن پھر آپ کا جانا، آنا، سلام، دُعا، وِصال فراق۔ یہ سب رزقِ کریم ہے۔ یہ تو ٹھیک ہے کہ آپ اپنے زمانے میں حاصل ہونے والا رزق تو طیب کر لو، حاصل کر لو مگر اپنے زمانے کے بعد حاصل ہونے والا جو رزق ہے وہ تو Pure، خالص کریم رزق ہے یعنی آپ کے بعد میں سلام، بعد میں دُعا، بعد میں دِرود آج تک پڑھا جا رہا ہے۔ یہ جو درود شریف پڑھا جا رہا ہے یہ سارا رزق ہے۔ یہ سارا حیات دنیا میں بھی ہے اور حیات آخرت میں بھی ہے۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کے کام ہیں کہ وہ رزق کیسے عطا کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ عطا ہے۔ اللہ کی طرف سے کہا گیا ہے کہ اچھے انسان کے لیے اچھا ساتھی رزقِ کریم ہے یعنی طیب مردوں کے لیے طیبات، پاک خواتین جو ہیں یہ رزقِ کریم ہے۔ مطلب یہ کہ اچھے انسان کے لیے اچھے ساتھ کا میسر آ جانا، اس سے بڑا کوئی رزق نہیں ہے۔ تو گویا کہ رزق کا معنیٰ کیا ہے؟ زادِ

راہ یا ہمراہ۔ تو یا تو زادِراہ ہو یا پھر کوئی ہمراہ ہو۔ تو راستے کو بھی رزق کہیں گے، راستے کے ساتھی کو بھی رزق کہیں گے، راہ کی ضروریات کو بھی رزق کہیں گے اور سفر پر چلنے کی خواہش کو بھی رزق کہیں گے۔ اور یہ ساری کی ساری عطا ہے۔ بات تو بالکل ٹھیک ہے کہ عطا نہ ہو تو پھر کیا ہے، پھر تو مشکل ہی ہے۔ مثلاً کوئی ایسی چیز ہے کہ جس کا تجربہ نہیں ہو سکتا، ایک ساتھی آپ نے چن لیا، انتخاب کر لیا کہ یہ میری زندگی میں ہم سفر بنے گا یا بنے گی۔ تجربہ اسی زندگی میں ہے اور زندگی ایک ہے۔ تجربہ نا کام ہوا تو وقت دوبارہ تو آ نہیں سکتا۔ لہذا تجربہ صحیح ہو گیا تو صحیح ہو گیا اور نہ صحیح ہوا تو آپ ہمیشہ کے لیے فیل ہو جائیں گے کیونکہ اِس میں تو Rectification کوئی نہیں ہے، Amendment، ترمیم یا اعادہ کوئی نہیں ہے۔ پھر تو یہ ایک حادثہ ہے یا پھر کنارے لگنا ہے، کشتی والا یا ڈوبے گا یا کنارے لگ جائے گا۔ اگر کنارے لگ جاتی ہے تو پھر دینے والے کو حق پہنچتا ہے کہ وہ کہے کہ ہم نے رزقِ کریم عطا کیا ہے۔ اِس لیے جن لوگوں کو شادی کے واقعات میں حادثات نہیں آتے تو ان کے لیے یہ رزقِ کریم ہے ورنہ تو وہ تمہارا انتخاب ہے، کہیں نا کام ہو جائے تو وہ تمہارا انتخاب تھا۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اِس لیے اب یہاں بڑا ضروری معاملہ ہے، آپ کو اگر بات سمجھ آئے تو بڑے Attentive ہو کے پوری توجہ سے یہ بات یاد رکھ لینا کہ زندگی میں جب تک Attitude نہ بنے کسی کام کا نظریہ، میلان اور رویہ نہ بنے اور جب تک وہ درست نہ ہو تو محنت درست نہیں ہوتی۔ تو جب تک آپ کے Attitudes، Trends، رویے، میلان، عندیے اور انسان کے مزاجات درست نہ ہوں تو محنتیں درست نہیں ہوتیں۔ لائف میں ایک رویہ تو یہ ہے کہ آپ دنیا میں آئے ہو تو کوشش کرو اور حاصل

کرو۔ جہاں حاصل نہ ہو Again کوشش کرو، دوبارہ کوشش کرو۔ پھر بھی حاصل نہ ہو تو ایک بار پھر کوشش کرو۔ حتیٰ کہ کہانیاں کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں کہ سترہ مرتبہ کوشش کرو، کنگ رابرٹ بروس آف اسکاٹ لینڈ کوشش کرتا رہا، کرتا رہا...... تو کوشش کرتے جاؤ حتیٰ کہ کامیاب ہو جاؤ تو Try، Try، Try Again اور اگر کامیاب نہیں ہوتے ہو تو پھر بے دم ہو جاؤ، بے بس ہو جاؤ اور گیم سے باہر ہو جاؤ کیونکہ فیل ہو گئے۔ کسی دانا آدمی کے پاس جاؤ اور اُسے بتاؤ کہ میں نے کوشش کی تھی، مگر ایسا نہیں ہوا تو وہ کہے گا آپ کوشش کو یوں، اس طرح کر لو۔ بہرحال کوشش اور Achievement کی، حاصل کی اپنی داستان ہے، ایک رویہ، ایک Attitude ہے اور وہ کیا ہے؟ کوشش اور حاصل یا پھر کوشش اور ناکامی۔ کچھ لوگ اِس رویے کے مطابق چلتے ہیں کہ ہم کوشش کریں گے اور کامیاب ہوں گے، ناکامی ہوئی تو اُس کی اصلاح کر لیں گے۔ اب یہ بات ایک ہی دفعہ میرے سے سن لو۔ پھر یہ نہ کہنا کہ بات سمجھائی نہیں۔ کوشش، حاصل اور محرومی کو اُس کے مصنف کے حوالے کرو۔ مصنف کون ہے؟ آپ کی کوشش۔ حاصل و محرومی کس نے لکھی اور Writer اور Dictator کون ہے اُس کا؟ آپ کی کوشش! کوشش ایک فیصلہ کرنے والا جج ہے اور آپ کے حق میں لکھ رہا ہے کہ پھانسی ہو یا بحال کر دیا جائے، کامیابی ہو یا ناکامی ہو۔ اللہ اپنی جگہ پہ قائم ہے، اللہ کے آپ بندے ہو اُس نے اختیار دیا کہ آپ کوشش کرو **لَیْسَ لِلْاِ نْسَانِ اِلَّامَا سَعٰی** انسان کو وہی ملے گا جو اس نے کوشش کی۔ ناکام ہو گئے تو پھر کوشش کرو، پھر ناکام ہو گئے تو پھر کوشش کرو، حتیٰ کہ کامیاب ہو جاؤ اُس کام میں اور پھر دوسرا کام اٹھا لو۔ یہ سلسلہ چلتا جائے گا حتیٰ کہ نہ کوشش رہے گی اور نہ حاصل رہے گا، پھر تم چلے جاؤ

گے۔ یہ ایک پکا رویہ ہے، ایک پکا Trend ہے۔ اِس میں نیکی آپ کی کوشش سے ہے اور بدی آپ کا عمل ہے، سزا اُس کا فیصلہ ہے اور جزا اُس کا فیصلہ ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ آپ نے عمل کیا تو نیکی کا انعام مل جائے گا اور بدی کی سزا مل جائے گی۔ انعام کا معنی کامیابی ہے اور سزا کا معنی ناکامی ہے۔ ناکامی خود سزا ہے۔ تو آپ خود ہی اپنے مقدر کے کاتبِ تقدیر ہیں۔ تو یہ ایک طریقہ ہے زندگی گزارنے کا۔ آپ کی تقدیر کس نے لکھی؟ آپ کے ہاتھوں کے اعمال نے لکھی۔ یہ پکا فیصلہ کرلو۔ کیا فیصلہ کیا کہ مقدر کیا ہے؟ آپ کے ہاتھوں کی کمائی۔ تو کامیابی کیا ہوئی؟ آپ کی کمائی۔ ناکامی کیا ہے؟ آپ کی کمائی تو یہ سسٹم یاد رکھ لو کہ محنت کے ذریعہ آپ کو یا کامیابی ملے گی یا پھر ناکامی ملے گی۔ اب اِس میں گلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر ناکامی ہوگئی تو تمھاری کوشش کمزور تھی اور کامیابی ہوگئی تو کوشش صحیح تھی۔ اب ایک شخص کہتا ہے کہ کوشش کرتے کرتے بات حاصل نہیں ہوئی یا کوشش کرتے کرتے کوئی نتیجہ نہیں نکلا تو کوشش کی تعریف کرلو کہ کوشش کا مطلب کیا ہے؟ کوشش کا مطلب ہی نتیجہ ہے۔ کوشش کا مطلب کیا ہے؟ صرف کوشش نہیں بلکہ نتیجہ۔ اگر ایک آدمی پڑھتا جارہا ہے اور امتحان نہیں دیتا تو نتیجہ کوئی نہیں نکلے گا۔ مطلب ہے کہ کوشش جس مقصد کے لیے کی جارہی ہے اُس مقصد کا حصول ہونا چاہیے۔ یہی ہے ناں کوشش۔ اب یہ آپ کی اپنی Achievement ہے۔ آپ کا اپنا حاصل ہے، آپ کی اپنی کوشش ہے، آپ کا اپنا نتیجہ ہے' آپ کی اپنی جو خودنوشت سوانح حیات ہے، یہی آپ کی دقت ہے، یہی آپ کی تباہی ہے اور یہی آپ کی آبادی ہے، اللہ نے اِس میں Matter نہیں کرنا، کیونکہ آپ یہ خود ہی لکھتے جارہے ہیں۔ تو چلتے جاؤ' یہ ایک طریقہ تو ہے اور دوسرا طریقہ یہ ہے کہ

آپ اپنے نتیجوں کے حوالوں کو اللہ کے حوالے کرو۔ جب اُس کے حوالے کرتے ہو کہ وہی ہمیں رزق دینے والا ہے، وہی سب کچھ دیتا ہے، کامیابی دیتا ہے ،عزت دیتا ہے اور غریبی بھی دیتا ہے' پھر آپ اللہ کے حوالے سے چلتے جاؤ تو کوئی گلے کی بات نہیں ہوگی۔ پھر جو آ رہا ہے آپ دیکھتے چلے جاؤ۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ یہ دونوں شعبے کبھی نہیں ملیں گے بلکہ جدا رہیں گے، اس لیے یہ نہ ہو کہ آپ کبھی یہ کہہ دو اور کبھی وہ کرلو۔ یہ دو شعبے ملانے نہیں ہیں ورنہ اِس سے دقت پیدا ہو جائے گی۔ اگر اللہ کے حوالے کیا ہے تو اُس کے حوالے کرو اور اگر حوالے نہیں کیا تو چپو اٹھاؤ اور کشتی کنارے لگاؤ۔ تو آپ کے رویے کا مقام یہی ہے کہ پیسے سے محبت کرنا اور اللہ کے فضل کی تلاش کرنا دو متضاد چیزیں ہیں۔ یہ نہیں ہوگا کہ پیسہ گننا اور اللہ کے فضل کا بھی ذکر کرنا۔ یعنی کہ اُس کا فضل اُس کی مرضی پہ چھوڑ دو، اُس کا فضل کیا ہے؟ اُس کی مرضی اس کا فضل ہے۔ تو اپنے آپ کو اُس کی مرضی پہ چھوڑ دو اور اُس کی مرضی کو Define نہ کرو کہ یہ دے، وہ دے، یہاں یہ چیز دے وہاں وہ چیز دے بلکہ جو وہ دے رہا ہے اُسے رزقِ کریم سمجھو۔ اب آپ کا تقاضا پیچھے رہ گیا۔ اب مقام یہ ہے کہ آپ دونوں نظریوں میں سے الگ الگ ایک اپنا لو ورنہ جو لوگ درمیان میں رہتے ہیں وہ پریشان رہتے ہیں، کبھی دُعا، کبھی کوشش، کبھی اس کی طرف چلے گئے، کبھی اپنی طرف چلے گئے، کبھی کلہاڑی چلانے لگ گئے، کبھی لکڑیاں مانگنے لگ گئے۔ تو یہ نہیں ہوگا۔

کوشش جو ہے بے شک کامیاب ہو جائے اور ہزار بار ہو جائے اور اگر کامیاب نہ ہو تو پھر گلہ ہرگز نہ کرنا۔ اپنے انجام کو کوشش کے حوالے کرلو۔ اگر آپ کو یقین ہے تو انجام کس کے حوالے کرو؟ یا اللہ کے حوالے کرو یا کوشش کے

حوالے کرو۔ بس میں یہ بات کرنا چاہتا تھا، مسئلہ حل ہوگیا۔ انجام کس کے حوالے؟ اللہ کے حوالے کرنے والا کوشش کی اہمیت پر زیادہ غور نہیں کرتا۔ اپنے نیک اعمال نہ گننا بلکہ اُس کے فضل کو گننا۔ بات سمجھ آئی ؟ اب وہ لوگ جو زیادہ گنتی کرتے رہتے ہیں اور گنتی بتاتے رہتے ہیں لوگوں کو کہ تم یہ نیکی کرو، تم وہ نیکی کرو تو تمہیں ایسا نتیجہ ملے گا تو یہ صحیح بات نہیں ہے۔ نتیجہ کیا ہے؟ اس کا فضل۔ اُس کا فضل اپنی مرضی رکھتا ہے۔ اس کا فضل کیا کرتا ہے؟ اپنی مرضی رکھتا ہے اور وہ مرضی آپ بیان نہیں کر سکتے۔ اُس کی اپنی مرضی Independent ہے، آزاد ہے، وہ جس کو چاہے بخش دے، جس کو چاہے نہ بخشے، جس کو چاہے سرفراز کر دے، جس لفظ کو چاہے قرآن بنا دے۔ وہ تو اللہ ہے ناں، جس لفظ کو چاہے قرآن بنا دے۔ اللہ جو چاہے کر لے۔ تو مطلب یہ ہے کہ یا تو تم اپنے آپ کو اُس کے حوالے کرو یا پھر اپنی زندگی اپنے حوالے کرو۔ اب آپ یہ فیصلہ کر لینا۔ مشکل کن لوگوں کو ہوتی ہے؟ جو کاروباری درجے رکھتے ہیں، سماج میں مقام کی تلاش کرتے ہیں اور پھر الٰہیات کا سفر کرتے ہیں۔ تو یہ اُن لوگوں کو دقت ہو جاتی ہے، اِس لیے یہ بڑی آسان سی بات ہے کہ آپ اللہ کے سفر میں زندگی کو اُس کے فضل کے تابع رکھو اور تابع کا مطلب یہی ہے کہ جو آپ کے دنیاوی حاصل ہیں وہ سارے کے سارے اللہ کے ماتحت کر دو۔ پھر بچت کی ایک صورت بن جائے گی۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں ناں؟ مثلاً آپ اللہ کی راہ پر چل رہے ہیں، اللہ ہی آپ کی تمنا ہے، اُس سلسلے میں آپ کا ہمارے ساتھ تعلق ہے، جتنا ہونا چاہیے اُتنا تو نہیں ہے۔ لیکن پھر بھی کافی ہے، فرض کریں آپ میں سے کسی نے جتنے مکان بنائے ہوئے ہیں، دنیاوی Achievement ' حاصل جو ہے، وہ سارے کے

سارے اللہ کے نام پر کرا دیں۔ کیا بات اب آسان ہو گئی؟ مطلب یہ ہے کہ اِس سفر میں آسانی کے لیے دنیاوی حاصل قربان کرنے کی شرط لگ گئی۔ کیونکہ آپ لوگ مجھ سے سفر کا سلیقہ پوچھ رہے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ وہ مکانات وغیرہ جو ہیں اللہ کے حوالے کرو۔ یہ نہ کہنا کہ میں تقسیم کر چکا ہوں یا کرنے کا ارادہ کر لیا ہے یا بچوں میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے' آپ یہ بچوں کے مالک کے حوالے کرو۔ اب اگر ایسا کرنے میں آسانی پیدا ہو رہی ہے تو سمجھو کہ آپ کو میری بات سمجھ آ گئی اور اگر آسانی نہیں پیدا ہو رہی تو سمجھو کہ میری بات آپ کو سمجھ نہیں آئی۔

بس یہ بات دل میں رکھنا اور بتانا نہیں۔ آپ کا دُنیاوی حاصل اگر اللہ کے سفر میں Contribute نہیں ہوتا، خرچ نہیں ہوتا تو سمجھو کہ آپ کو میری بات سمجھ نہیں آئی اور اگر دنیاوی حاصل اِس میں Contribute ہوتا ہے تو آپ کو بات سمجھ آ گئی ہے۔ آپ نے عملاً کرنا کچھ نہیں ہے بلکہ صرف بات کو سمجھنا ہے۔ جتنا اس خیال میں رکاوٹ ہے اتنی آپ کے حال میں رکاوٹ ہے۔ تو سمجھنے میں اتنی رکاوٹ ہے جتنی کہ Contribution میں رکاوٹ ہے۔ اس کا کوئی اور فارمولا نہیں ہے۔ آپ کو بات سمجھ آئی؟ اگر آسانی لگتی ہے تو آپ آزاد ہو گئے اور اگر خیال میں سوچ موجود ہے تو ابھی آپ آزاد نہیں ہوئے بلکہ ابھی آپ دنیا میں پھنسے ہوئے ہیں اور نکلنا مشکل ہو گا۔ اس بات کا جواب دینے کی ضرورت کوئی نہیں ہے بلکہ بات سمجھنے کی ضرورت ہے۔ تو راز یہ ہے کہ آپ اگر اللہ کے سفر کو باقی حالات پر فوقیت نہ دیں تو اِس کی فوقیت آپ پر آشکار نہیں ہوتی ہے۔ یہ Routine کا، معمول کا سفر نہیں ہے۔ تو یہاں پر رزقِ کریم کیا ہے؟ اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہی رزقِ کریم ہے۔ یہاں پر حاصل نہیں کرنا بلکہ یہاں پر دینا ہے۔ یہ

سب رزق ہے اور اس میں جرات، حوصلہ اور شوق ہونا چاہیے۔ تو اِس راہ میں خرچ کرنے کا شوق پیدا ہونا بذاتِ خود ایک رزق ہے بلکہ رزقِ کریم ہے۔ ان لوگوں کا حوصلہ، سرفرازی کی لگن اور شہادت کی تمنا رزقِ کریم ہے اور جس کو شہادت مل گئی اُس کو رزقِ کریم مل گیا۔ اس لیے اب شہید کے لیے مرنے کے بعد بھی رزق ہے۔ کیونکہ اُس کو موت نہیں ہے، وہ کھاتا ہے' پیتا ہے اور اللہ نے اس کو رزق عطا کر رکھا ہے۔ یہ ایک عجب بات ہے۔ اور آپ کے لیے رکاوٹ کیا ہے؟ آپ کا جھوٹا حاصل اور آپ کا جو حاصل ہے وہ تو آپ چھوڑتے جاؤ گے، چھوڑ کے جاؤ گے دے کے نہیں جاؤ گے۔ یہی آپ کی تباہی ہے کہ چھوڑ کے جانا ہے مگر دے کے نہیں جانا۔ کیونکہ آپ کا حاصل کچھ نہیں ہے بلکہ بیکار ہے، مٹی ہے، مٹی مٹی میں مل جائے گی اور آپ جو ہیں آپ بھی مٹی میں مل جاؤ گے۔ مکان کیا ہوتا ہے؟ مٹی تھوڑی سی اوپر چلی جائے تو مکان ہو جاتی ہے اور جب مٹی نیچے بیٹھ جائے تو پھر واپس آ جاتی ہے۔ تو کھیل ختم ہو جاتا ہے۔ پرانے زمانے کے سارے کھنڈرات یا یہ سارے واقعات اپنے زمانے میں بڑے محلات ہی تھے۔ آپ بھی چپکے سے چلے جاؤ گے۔ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ دیکھنا ہے کہ آپ اپنے حاصل کو کس حد تک زادِراہ بناتے ہیں یعنی دنیاوی حاصل کو۔ دیکھنا یہ ہے کہ آپ دنیاوی حاصل کو اپنی ذات تک رکھتے ہیں یا دنیاوی حاصل کو اُس کے راہ پر لگاتے ہیں حالانکہ راہ صرف وہی ہے جو اللہ کا ہے۔ اگر ایسا ہے تو پھر تمھیں بات سمجھ آ جائے گی اور اِس بات کو ذرا دل میں سمجھنا۔ تو کوشش کے راستے پر چلنے والا عبادت کرتا جائے، کچھ خرچ کرے، کچھ جمع کرے، بس ایسے ہی سفر کرتا جائے، زیادہ فارمولے نہ اختیار کرے بلکہ کوشش کرتا جائے۔ نتیجہ وہی اچھا ہے جو اللہ کو

منظور ہے' نتیجے کو اللہ کے حوالے کر دینے والے کا سفر اور ہے۔ جس نے اللہ کے حوالے کر دیا اُس کو پھر اور طرح سے نتیجہ ملے گا۔ تو یہ فارمولا دوسرا ہے۔ اور جو دونوں فارمولے استعمال کرتا ہے وہ مشکل میں پھنس جاتا ہے۔ دو فارمولے نہیں چلتے۔ مثلاً آپ کسی آدمی کے پاس بھی چلے جائیں اور کہیں کہ جیسے آپ حکم کریں ہم کرنے کو تیار ہیں اور پھر اپنا پائی پائی کا حساب بھی رکھیں ۔

لاؤں وہ تنکے کہیں سے آشیانے کے لیے
بجلیاں بیتاب ہوں جن کے جلانے کے لیے
جمع کر خرمن کو پہلے دانہ دانہ چن کے تُو
کوئی بجلی آہی نکلے گی جلانے کے لیے

تو بات اتنی ساری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ تنکے ہوں آشیانے کے اور اُن کو جلانے کے لیے ایک بجلی کی تمنا ہونی چاہیے۔ اور اگر بجلی سے بچا رہے ہو تو برباد ہو کے جاؤ گے اور برباد کر کے جاؤ گے۔ اگر بجلی نے آشیانہ قبول کر لیا تو مبارک ہو کہ آپ بچ گئے۔ بس یہ ہے اِس کا کھیل۔ کیا کھیل ہے؟ اگر اُس نے قبول کر لیا تو بچ گئے اور اگر آشیانہ بچ گیا تو بے کار ہو گئے۔ وہ جو تنکے تنکے ہیں انہیں ہوا لے جائے گی۔ بس بات اصل میں جل جانے والی بات ہے تا کہ اُس کی راہ میں قبول ہو۔ بہر حال رزقِ کریم ہوتا ہے۔ اور بات کا مطلب سارا یہ تھا کہ رزق اللہ عطا فرماتا ہے، اِس میں آپ کی کمائی کا دخل نہیں ہوتا بلکہ اُس کی مہربانی کا دخل ہوتا ہے، وہ عطا کر دیتا ہے۔ مثلاً ایک آدمی بہت بھوکا بیٹھا ہوا ہے، بہت بھوکا بیٹھا ہے، تو پڑوسیوں کے گھر میں عید ہے یا کوئی شادی ہے تو اُسے کھانا مل گیا، رزق مل گیا، خود بخود ہی، کمایا نہیں اُس نے اور جائز سا کھانا مل گیا، کھانا اُس کی

ضرورت تھا، دُعا کر رہا تھا کہ مجھے کھانا چاہیے، بہت بھوکا آدمی تھا بیچارہ، اتفاق سے پڑوسیوں کے گھر سے کوئی آ گیا اور اس نے کہا آپ یہ کھاؤ۔ اب یہ رزق ہے کہ اُس بھوکے آدمی کو جی بھر کے کھانا مل گیا، پیٹ بھر کے مل گیا، اچھا کھانا مل گیا، اب اُس نے پکایا نہیں ہے لیکن اُس کو مل گیا اور وہ کھانا جائز ہے اور صحیح ہے۔ یہی رزق جو ہے وہ آسمانوں سے نازل ہونے والا رزق ہے۔ رزق یہ ہے کہ بھوک آپ کی اور پکائے کوئی اور۔ اور اہتمام بھی آپ کا نہ ہو، اگر اہتمام ہو تو پھر یہ صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ کوشش میں گِنا جائیگا، اگر انتظار ہو تب بھی کوشش میں آ جائے گا' تو یہ بھی غلط ہے۔ بس اُس کے حوالے کر دیا جائے پھر وہ جو عطا کرے گا وہ صحیح ہے۔ بات سمجھ آئی؟ وہ عطا کر دے تو پھر ٹھیک ہے، تو ضرورت آپ کی اللہ کے حوالے اور پوری وہ کر دے تو رزقِ کریم ہوگا۔ ذرا مشکل بات ہے لیکن سمجھ آ جائے گی انشاءاللہ تعالیٰ......

سوال:

جو لوگ ''تفکرون'' والے یا Reason والے ہوتے ہیں وہ تو کچھ اور کہتے ہیں......

جواب:

لوگوں کی Category، قسم ہم دریافت نہیں کر رہے۔ لوگوں کی اتنی Categories ہیں، قسمیں ہیں جتنے لوگ ہیں۔ آپ اپنی Category دریافت کریں۔ آپ کے پاس ٹائم صرف اتنا ہے کہ آپ اپنی Category دریافت کریں' آپ اگر Reason کر رہے ہیں تو Reason کرو، آپ مشاہدہ کر رہے ہو تو مشاہدہ کرو، Obey کر رہے ہو تو Obey کرو، اطاعت کرو مگر صرف اپنی

Category میں، لوگوں کی Categories قسمیں تو اتنی ہیں جتنے کہ لوگ ہیں مثلاً کافر ہیں، مومن ہیں، فرعون ہے اور موسیٰؑ بھی۔ تو جتنے لوگ ہیں اُتنی Categories ہیں۔ آپ نے اپنی زندگی میں صرف ایک کام کرنا ہے کہ اپنی Category دریافت کرنی ہے۔ آپ کی پہلی Category میں بتاتا ہوں کہ آپ مسلمان ہیں، یہ Catgory تو واضح ہے، پھر آپ شیعہ ہیں کہ سُنی ہیں، دونوں Categories اچھی ہیں بشرطیکہ انسان اچھا ہو۔ اور انسان اگر اچھا نہیں ہے تو اس کا دین کیا اچھا ہوگا۔ میں شیعہ سُنی کی گنجائش رکھتا ہوں۔ یہ ہونا چاہیے ناں؟ تو یہ فیصلہ ہونا چاہیے! آپ پہلے تو مومن ہیں، پھر اِس دور میں آپ پیدا ہوئے، اِس دور کے تقاضے بھی آپ نے پورے کرنے ہیں، سائنس کا زمانہ ہے، سائنس کو بھی آپ نے نظرانداز نہیں کرنا اور Religion کو، مذہب کو بھی آپ نے نہیں چھوڑنا، یہ بھی آپ کی مجبوری ہے۔ اب اِن دونوں کے درمیاں جو فرق ہے یہ بھی آپ کو سمجھ لینا چاہیے یعنی سائنس کسے کہتے ہیں اور Religion، مذہب کسے کہتے ہیں۔ جب Cause اور Effect کو ہم دیکھیں گے تو یہ Religion ہے، مذہب ہے یعنی وجوہات اور نتائج۔ اور بے وجہ اور بے نتیجہ جو ہے یہ الٰہیات ہے۔ مثلاً آپ کے آنے کا سبب کیا ہے؟ Cause، Effect وجہ اور نتیجے کی بات تو ٹھیک ہے کہ آپ کے ماں باپ، شادی وغیرہ وغیرہ، لیکن آپ کے آنے کا کیا سوال ہے، اس صدی میں کیوں آئے اور ایک صدی پہلے کیوں نہیں آئے Why during this century, why not a century ago........، یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ تو اس صدی میں کیوں آئے اور پچھلی صدی میں کیوں نہیں آ گئے یا دوصدیوں بعد کیوں نہیں آ گئے؟ On this day آج کے روز کیوں پیدا ہوئے؟

یہ ایک ایسی چیز ہے جس کا سبب نہیں ملے گا۔ یہ بات تو ٹھیک ہے کہ زمین کے اندر پانی ہوتا ہے اور پھر بیج بنتا ہے لیکن کیوں بنتا ہے؟ اِس کی کوئی وجہ نہیں۔ ہوائیں چلتی ہیں سورج کی گرمی سے، روشنی تیز ہوا چلاتی ہے، یہ Cycle اور یہ زمین، آب و باد و خاک کا چکر چلتا ہے۔ لیکن سورج روشن کیوں ہے یہ کوئی نہیں بتائے گا۔ یہاں آ کے Reason، دلیل ختم ہو جاتی ہے۔ ہر انسان مر جاتا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ مرتا کیوں ہے؟ یہ تو ٹھیک ہے کہ ہر انسان مر جاتا ہے لیکن کیوں؟ ایک آدمی نہیں مرنا چاہتا پھر کیوں مرے؟ پھر بھی مر جاتا ہے۔ یہاں آ کے سب خاموش ہو جاتے ہیں۔ ایک جوان آدمی بوڑھا ہو گیا تو خاموش، بچہ جوان ہو گیا تو خاموش، جوان بوڑھا ہو گیا تو خاموش، بوڑھا انا للہ وانا الیہ راجعون ہو گیا تو خاموش۔ یہ ایسا کیوں ہے؟ سب خاموش! ہر آدمی کی دو آنکھیں ہیں تین کیوں نہیں ہیں؟ سب خاموش۔ بلکہ سوموار کو سوموار کیوں کہتے ہیں منگل کیوں نہیں کہتے، سب خاموش ...... یہاں Reason فیل ہو جاتا ہے۔ یہ رات ہے، یہ دن ہے، کیوں ہے؟ یہ سارا کھیل ایسا کیوں ہے؟ سب خاموش، خاموش رہنے والا انسان روتا کیوں ہے اور رونے والا پھر ہنستا کیوں ہے؟ خاموش ..... تو ہزار ہا ایسی باتیں ہیں جس میں Reasons، دلیلیں فیل ہو جائیں گی۔ اِس لیے یہ باتیں سمجھنے والی ہیں۔ تو آپ اپنی Category کو دریافت کرو کہ آپ کے ذمے کام کیا ہے۔ میں سائنس اور Religion کا فرق بتا رہا تھا، سائنس جو ہے یہ مستقبل کے منصوبے بناتی ہے اور مذہب جو ہے ماضی سے رشتے جوڑتا ہے۔ بس یہ یاد رکھ لینا۔ آپ ماضی سے رشتہ جوڑو گے تو مذہب والے ہوں گے۔ باپ کو یاد کرو، دادا جان کو یاد کرو، اُن سے پہلے کے بزرگوں کی قبریں یاد

کرو، آپ کے خاندان کی نانی اماں ہوتی تھی، دادی اماں ہوتی ہوں گی، علیٰ ہذالقیاس کوئی اور ہوتا ہوگا، تو ماضی میں رشتہ' پھر پرانے بزرگوں کے ساتھ رشتہ، بابا بلھے شاہؒ کے ساتھ رشتہ، ان کا مزار ہوگا، داتا صاحبؒ سے رشتہ، پھر اور آگے، اور آگے، اور پھر حضور پاک ﷺ کے آستانے تک پہنچ جائیں گے۔ تو ماضی سے رشتہ اور اِس طرح حضرت ابراہیمؑ، آلِ ابراہیمؑ سے تعلق، تو ماضی سے رشتہ جو ہے یہ مذہب کی کاروائی ہے۔ اور سائنس یہ کہتی ہے کل کیا ہونے والا ہے، سڑکیں بن رہی ہیں، موٹریں چلیں گی، جب تمہارے گھر کے سامنے سے سڑک گزر رہی ہے تو سمجھو کہ رونق لگنے والی ہے۔ تو تم بھی کوئی انتظام کرو۔ جب کسی علاقے میں ڈویلپمنٹ ہو رہی ہے تو وہاں پلاٹ بکیں گے۔ تو یہ سب مستقبل ہے۔ اور مستقبل کے ساتھ اپنے آپ کو Attach کرنا، اپنے آپ کو اُس کام میں ڈالنا، یہ کیا ہے؟ جتنا آپ کا حضور پاک ﷺ سے فاصلہ کم ہوگا اُتنا آپ کے لیے بہتر ہوگا یعنی کہ آپ اپنے آپ کو ماضی میں لے جاؤ اور اُس فاصلے کو کم کرو جو تمھارا حضور پاک ﷺ سے ہے۔ تو یہ ہے مذہب۔ مذہب کا معنیٰ ہے پرانے نظام کے ساتھ اپنے آپ کو Attach کرنا۔ سائنس کیا ہے؟ Tomorrow کے حساب سے چلنا، آنے والے کل کے ساتھ چلنا کہ کل کو کیا ہونے والا ہے، کل کو ہمارے بچے کمپیوٹر نہ سیکھیں گے تو کامیاب کیسے ہوں گے، کمپیوٹر سکھاؤ بچوں کو۔ کمپیوٹرائز ٹریننگ کیا ہے؟ یہ Tomorrow ہے سائنس ہے۔ اور کوئی کہے کہ بچوں کے لیے بہتر ہے کہ گلستان بوستان پڑھا دو تو یہ کیا ہے؟ یہ Religion ہے، یہ مذہب ہے۔ یہ کیا ہے؟ Past' ماضی' اِس کو پاس کرو۔ تو سائنس کیا ہے؟ Future کا حوالہ، مستقبل کا حوالہ اور Religion جو ہے یہ ماضی ہے۔ اب آپ یہ دیکھو کہ آسانی کس میں

ہے۔ ماضی کے لوگوں سے محبت موت کا ڈر ختم کر دے گی۔ کیسے؟ ماضی والے سارے زندگی سے باہر ہیں، اس لیے آپ کو زندگی سے باہر جانے میں دقت کوئی نہیں ہوگی۔ مقصد یہ ہے کہ یہاں آپ اپنے بچوں کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں اور جب آپ کو آپ کے ماں باپ بلائیں گے تو آپ ادھر چلے جائیں گے۔ اس لیے پھر موت کا ڈر ختم ہو جاتا ہے۔ اگر آپ کے پیر صاحب پردہ کر گئے تو مرنے کے بعد آپ پیر صاحب کے پاس چلے جائیں گے۔ اب موت کا ڈر کس بات کا۔ وہ تو ہم ہر وقت تیار ہیں۔ تو یہ ہے طریقہ۔ Religion، مذہب واحد چیز ہے جس سے موت کا ڈر ختم ہوتا ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں ناں؟ تو یہ ہے طریقہ اِس معاملے کے سمجھنے کا۔ آپ غور کرو اِن باتوں پہ۔ پھر یہ غور کرو کہ کون ہے جو بیج کو مٹی کی تاریکی میں پال رہا ہے؟ اُس کا نام کیا ہے؟ کون ہے جو سیاروں کو حرکت دے رہا ہے؟ کون ہے جو سورج کو روشن بنا رہا ہے؟ کون ہے جو پرندے کو اڑنے کی توفیق دیتا ہے؟ کون ہے جو مچھلی کو پیدا ہوتے ہی تیرنا سکھاتا ہے؟ کون ہے جو تمھیں بولنے والا بنا رہا ہے؟ کون ہے جو بچے سے بڑا کر رہا ہے؟ کون ہے جس کی یہ کائنات ہے؟ کون ہے وہ؟ اُس کو دیکھو۔ یہ ہے "تفکرون"۔ زندگی سے موت کیسے پیدا ہوئی یا موت سے زندگی کیسے پیدا ہوئی؟ جب یہ بات سمجھ آنی شروع ہو جائے گی پھر آپ کو انسان بننے کی توفیق مل جائے گی۔ یہ سب بزرگوں پر ہوا۔ "تفکرون" کے بعد ہی تو انھوں نے پوچھا کہ اپنے دل کے اطمینان کے لیے ہم چاہتے ہیں کہ یہ بتایا جائے کہ آپ مرنے کے بعد زندہ کیسے کریں گے۔ اللہ کی طرف سے پھر پرندوں کا واقعہ ہوا اور پوچھنے والے کو اطمینانِ قلب ہو گیا اور وہ بولے اسلمت لرب العالمین ہم پوری سلامتی سے

رب العالمین پر ایمان لائے۔ تو یہ ہے تفکرون۔ ''تفکرون'' جو ہے اگر تو وہ سائنس کا ہو پھر تو وہ گمراہ کردے گا اور اگر ماضی کی طرف سفر کرنے کا ''تفکرون'' کرو گے تو بچ جاؤ گے۔ ایسا نہ ہو کہ آپ صرف سائنس کا ''تفکرون'' کرتے جاؤ۔ یہ گمراہی ہے۔ تو آپ خالق کے وجود کو اور اُس کی موجودگی کو پہچان کر ''تفکرون'' کرو یعنی فکر کرو، سوچو...... یہ سوچو کہ کون ہے مالک کائنات کا؟ اِس لیے پہلے اپنے آپ پہ غور کرو پھر کائنات پہ غور کرو کہ یہ کائنات کیا ہے؟ یہ سوچنے کی دعوت کس نے دی ہے؟ اللہ نے کن کو دی ہے؟ ماننے والوں کو۔ مگر تم دعوت اللہ کی لیتے ہو اور ماننے والوں سے باہر ہو جاتے ہو۔ تم تو بالکل ہی بھولے ہو۔ اللہ نے دعوت دی ہے کہ ''تفکرون'' کیا کرو، غور کیا کرو، کن کو دعوت دی ہے؟ ماننے والوں کو اور آج کا انسان کہتا ہے میں نے ''تفکرون'' کیا تو کوئی سمجھ نہیں آئی اللہ کی۔ دعوت اُس کو یعنی ماننے والے کو ہے اور ماننے والا اگر نہ ماننے والا بن گیا تو اُس کے لیے ''تفکرون'' کی دعوت ہی نہیں ہے۔ اور کافر کے لیے تو یہ دعوت ہے ہی نہیں۔ اس لیے پہلے اپنے ایمان کو پختہ کرو، پھر ذکر کرو اور فکر کرو......

سوال:

ماضی تو مذہب ہے اور مستقبل سائنس ہے تو پھر حال کیا ہے؟

جواب:

آپ کا حال جسم اور روح کا ملاپ، Body اور Soul کا Combination ہے۔ Body آپ کی جو ہے، جسم آپ کا زمانے کے دباؤ تلے ہے، دباؤ حالات کا، زمانے کا اور جتنے موجود اندیشے ہیں، Multiple، پیچیدہ ضروریات ہیں، اگر

اِس حالت میں آپ کی روح مذہب کے Trend رجحان سے واصل ہو جائے تو پھر آپ کی بچت ہو جائے گی، Harmony پیدا ہو جائے گی، توازن پیدا ہو جائے گا۔ تو اِس وقت آپ کا حال پریشان حال ہے یعنی کہ ماننے والوں کا حال۔ اب اگر آپ نے اپنے حال کی اصلاح کر لی اور آپ یقین میں داخل ہو گئے تو غالباً یہ واحد قوم ہو گی جو یقین میں داخل ہو گی۔ آپ نے اللہ تعالیٰ کو مانا ہوا ہے، آپ نے وہ لٹریچر پڑھا ہوا ہے، تو آپ ماننے والی چیز کو حقیقتاً مان لو۔ بس اللہ تعالیٰ پر یقین پختہ کر لو۔ یہ حال میں مان لو کہ یہ سائنس اور یہ ترقی ہماری زندگی کو طویل نہیں کر سکتی۔ بس ترقی اتنی ساری ہے۔ کتنی ہے؟ کہ زندگی ساٹھ سال کے بعد پھر عذاب ہی لگتی ہے، کوئی نہ کوئی عارضہ رہتا ہے، کوئی نہ کوئی مرنا شروع ہو جاتا ہے، اور اپنے زمانے کے ساتھی جو تھے کوئی آشنا چہرہ ہی نہیں ملتا، وہ جو آپ کے ساتھ ہوتے تھے سکول میں جانے والے زمانے کے ساتھی، اس سکول میں جانے والا اب کون رہ گیا ہو گا؟ کوئی بھی نہیں رہ گیا ہو گا......

مطلب یہ ہے کہ پھر طویل زندگی میں یہ واقعہ ختم ہو جاتا ہے۔ اِس لیے حال میں ان باتوں کو پہچانو کہ آپ کو زندگی کیا دے رہی ہے، آپ اِس بات کو پہچانو کہ کوئی سائنس آپ کی ساٹھ سال سے زیادہ زندگی کو آسان نہیں بنا سکتی، کوئی ترقی آپ کی زندگی کو طویل نہیں کر سکتی اور اگر طویل ہو بھی گئی تو بینائی ختم ہو جائے گی۔ پھر آپ کہیں گے کہ آپ کون ہیں؟ وہ کہیں گے کہ آپ کے بیٹے۔ آپ کہیں گے بیٹا اونچا بول! کان کی سماعت کم ہے، نزدیک آ کیونکہ نظر نہیں آ رہا۔ اس وقت آپ نے کچھ دیکھا تو کیا دیکھا، تب کیا سُنا آپ نے جب اُس کی آواز لاؤڈ سپیکر کے بغیر سنائی نہیں دی اور خوردبین کے بغیر چہرہ نظر نہیں آیا۔ تو

بات تو کوئی نہ بنی۔ تو پھر زندگی میں یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ یہ آپ کا کُل ارتقاء ہے۔

اِس کو حال میں پہچان لینا چاہیے کہ آپ کا ارتقاء جو ہے Finally آخر کار اتنا سارا ہے۔ اب اس میں مذہب کی یا دین کی یا روحانیت کی کیا ضرورت ہے، اِس کو پہچان لو۔ اگر اِس کو آپ نے پہچان لیا تو پھر آپ من حیث القوم بچ جائیں گے ورنہ اِس وقت آپ اندیشے میں ہیں اور کرب میں ہیں۔ تو کئی قومیں مذہب کو آسانی کے ساتھ چھوڑ چکی ہیں۔ اور آپ جو ہیں اِس میں ابھی موجود ہیں، غالباً یہ خطہ جو ہے اِس میں فقراء نے بڑا کام کیا ہے، اِس لیے اس علاقے کے لوگوں میں کچھ خوفِ خدا ہے، خوفِ خدا بھی ہے اور حضور پاک ﷺ سے محبت بھی ہے اور یہی وجہ ہے آپ کی بچت کی۔ اِس لیے آپ کے بچنے کی کوئی امید ہو سکتی ہے۔

آپ اپنے آپ کا جائزہ لو اور اپنے دین کو اپنا افتخار بناؤ اور اس کو فخر کے ساتھ پیش کرو۔ لادین آدمی اپنی لادینیت کو فخر بناتا ہے اور آپ اپنے دین کو فخر بناؤ۔ لیکن جھگڑا نہ کرو۔ تو یہ ہمارا فخر ہے کہ ہم دین رکھتے ہیں، یہ عزت ہے، اعزاز ہے کہ دین رکھتے ہیں خدا رکھتے ہیں اور ہم مانتے ہیں اور مزاروں کو بھی مانتے ہیں۔ کیا مانتے ہیں؟ مزار نہ اللہ ہے اور ایسا کہنے کی نہ کوئی ضرورت ہے مگر جن لوگوں نے اللہ کی راہ میں عبادتیں کی ہیں اُن کے مزار بھی ہمیشہ دیرپا ہو گئے، ایک ایسا نام ہو گیا کہ ہمیشہ رہا۔ بادشاہوں کے مزار بھی آپ دیکھ لو لاہور میں اور فقیروں کے مزار بھی دیکھ لو۔ فرق ہے دونوں میں' جہانگیر کا مزار ہے اور داتا صاحبؒ کا مزار ہے' یہ چیز آپ نے دیکھنی ہے، جانچنا ہے' حال میں آپ نے یہ سٹڈی کرنا ہے، حال میں یہ Study کرنا ہے کہ سائنس کیا کہتی ہے، مذہب کیا کہتا ہے، ہم پر کیا ذمہ داریاں ہیں، ہم اپنی اولاد کو کیسے سمجھیں، ماں باپ کو کیسے سمجھیں اور دین کو

کیسے سمجھیں......

سوال:

کچھ لوگ قرآن سے حوالہ دیتے ہیں کہ حضور پاک ﷺ بشر تھے تو اس بارے میں ہم کیا جواب دیں۔

جواب:

جولوگ یہ بات کررہے ہیں وہ قرآن کا یہ حوالہ دیتے ہیں قل انما انا بشر مثلکم مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ اِن سے کہہ دیجیے کہ میں انسان ہوں "مثلکم" تمہاری طرح اور مجھ پر وحی نازل ہوتی ہے۔ یہ واقعہ کب ہوا؟ جب لوگوں نے آپ ﷺ کو انسان کے علاوہ کچھ سمجھنا شروع کر دیا، ورنہ تو سب کو پتہ ہے کہ آپ ﷺ انسان ہیں لیکن جب یہ وضاحت کے ساتھ اعلان ہونے لگا ہے کہ آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ میں انسان ہوں تو بات یہ تھی کہ لوگوں نے یہ سمجھنا شروع کر دیا کہ اے اللہ آپ ہی اپنا پیغام تو نہیں پہنچا رہے۔ وہ جو آج تک چلا آرہا ہے کہ احد اور احمد اور "میم" کا پردہ، کہ آپ ہی ہے۔ تو یہ بتایا جا رہا ہے کہ نہیں، ہم اللہ نہیں ہیں، اللہ کے بندے ہیں، تمہاری طرح، اللہ کی عبادت کرتے ہیں، اللہ یہ نہیں ہے کہ میں اِس شکل میں، اللہ، اللہ ہے، میں بندہ ہوں اور میں اُس کی عبادت کرتا ہوں۔ بشر مثلکم کا یہ واقعہ لے کر کچھ لوگ یہ کہیں گے کہ حضور پاک ﷺ کی شخصیت ایک پیغام دینے والے کی سی ہے، پیغام دیا اور پیغام اللہ کا ہے، اللہ کا پیغام دینے کے بعد آپ ﷺ رخصت ہو گئے اور اُس پیغام نے زندہ رہنا ہے اُس کے بعد پیغمبر ﷺ کے ساتھ رابطے کی ضرورت کوئی نہیں۔ تو کچھ لوگ یہ کہیں گے۔ یہی کہتے ہیں ناں لوگ۔ آپ کو اس کا جواب دینے کی

ضرورت کوئی نہیں۔ اِس بات کو بڑوں کے حوالے کر دو یعنی کہ اُن لوگوں کا کوئی بڑا کہے تو آپ لوگوں کا کوئی بڑا جواب دے۔ تو بچوں نے کا ہے کا جھگڑا کرنا ہے۔ آپ یہ دیکھیں کہ وہ ذات کیسی ذات ہے کہ اللہ اور اللہ کے فرشتے ان پر درود بھیج رہے ہیں۔ اگر تو پیغام دے کے چلے جانے والی بات ہوتی تو پھر آگے جو ہے اللہ تعالیٰ بات میں اضافہ نہ کرتے، جب تک قرآن ہے یہ بات وضاحت کے ساتھ آ رہی ہے کہ آج اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے چلے جا رہے ہیں۔ بات تو اللہ نے پھیلائی کہ ہم درود بھیجتے جا رہے ہیں، یا تو بات سٹاپ ہو جاتی کہ اللہ میاں یہ کہتے کہ جب تک آپ ﷺ زندہ ہیں ہم درود بھیجتے ہیں اور آپ ﷺ کی زندگی کے بعد ہم درود نہیں بھیجیں گے مگر اللہ اور اللہ کے فرشتے درود بھیجتے جا رہے ہیں، جب تک آپ ﷺ ہیں، اور جب تک دنیا ہے آپ ﷺ کا ذکر بلند کیا جا رہا ہے۔ اور ایک چیز یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ یہ کائنات ہم نہ بناتے اگر آپ ﷺ نہ ہوتے تو یہ اللہ تعالیٰ نے مبالغے کیے ہیں، حقیقتیں بیان کی ہیں۔ اِس میں ہمارا تو کوئی دخل نہیں ہے۔ باقی وہ ذات جو صرف پیغام دینے والی ہے تو پیغام دینے والی ذات کو صرف پیغام کی وصولی تک ہی ہونا چاہیے مگر پیغام یہ ہے کہ میرا نام تمہارا ایمان ہے۔ تو پیغام یہ ہے! تو پیغام کو سمجھو کہ پیغام کیا ہے؟ دو چیزیں آپ کے لیے پکی ہیں، اللہ تمہارا رب ہے اور آپ ﷺ رسول ہیں اور یہ کلمہ ہے تمہارا، یہ تم دہراتے جاؤ، اب جب تک میں کلمہ پڑھوں گا میں کیسے اُس نام کو فراموش کر سکتا ہوں۔ وہ اللہ کے رسول ﷺ تھے، ''وہ تھے''، ''تھے'' میں کیسے کہہ سکتا ہوں جب کہ کلمہ میرا حال میں ہے کہ اللہ جو ہے وہی ہمارا معبود ہے اور حضور پاک ﷺ ہمارے رسولؐ ہیں۔ کیونکہ ''ہیں'' لہٰذا جب تک میرے ساتھ

کلمہ ہے وہ میرے ساتھ ہیں، خیال اور احوال ساتھ ہیں۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں ناں! اگر تو معاملہ یہ ہوتا کہ میں ایک پیغام کے اوپر چل رہا ہوں جو حضور پاک ﷺ کا دیا ہوا یا اللہ کا دیا ہوا پیغام ہے مگر یہ پیغام تو نہیں ہے یہ کلمہ ہے اور درود ہے۔ کلمہ اور درود جو ہے یہ ایک ایسی چیز ہے کہ ایک عجب بات ہے، مثلکم ضرور ہے لیکن اتنے بھی مثلکم نہیں ہیں جتنے آپ سمجھ رہے ہو۔ یہ بڑے غور والی بات ہے کہ آپ ﷺ کے نام پر لوگ مر رہے ہیں حتیٰ کہ آپ خود سمجھو کہ اُس زمانے میں اگر کوئی شخص نماز پڑھ رہا ہو، اللہ کی نماز اور حضور پاک ﷺ بلائیں اور وہ نہ آئے کہ میں نے نماز پڑھنی ہے تو پھر نماز کوئی نہ ہوئی۔ اللہ نے فرمایا ہے **قل ان کنتم تحبون اللہ فا تبعونی یحببکم اللہ.** کہ آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو یہ آپ کی اطاعت کریں، پھر اللہ ان سے پیار کرے گا۔ تو جو آپ ﷺ کی اطاعت کرے گا اللہ اُس سے پیار کرے گا۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ پھر وہ واقعہ سمجھنے والا ہے کہ یہ مقام کیا ہے، مقامِ رسالت ﷺ کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اِس پہ بحث نہ کرو۔ ہاں البتہ ایک بات یہ ہے کہ ۔

یوں بسر ہو زندگی اپنی بنامِ مصطفیٰؐ
دل میں ہو حُبِ نبیؐ لب پر سلامِ مصطفیٰؐ
باعثِ عرفانِ حق ہے احترامِ مصطفیٰؐ
اے مسلمان با خبر شو از مقامِ مصطفیٰؐ

تو بڑی احتیاط کی بات ہونی چاہیے۔ ایسے نہیں کہنا جیسے اب کہہ رہے ہیں لوگ۔ یہ ایسی ذات ہے جو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ۔ دیکھو غور والی بات ہے کہ اللہ کا

ارشاد ہے کہ کوئی شخص جو ہے آپ ﷺ کی آواز سے اونچی آواز نہ کرے، یہ حکم ہے، ادب کرنا چاہیے' ایسے ہے ناں۔ لا ترفعوا اصواتکم فوق صوت النبی اور یہ کہ جب ذرا کوئی آپ ﷺ کے سامنے اونچی آواز سے بولے تو تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔ اب آپ اُس ذات کو پہچانو۔ اچھا اور بات دیکھو، یہ صرف پیغام لانے والی بات نہیں ہے، اگر پیغام لانے والی بات ہوتی تو اور طرح بات ہوتی۔ یہ دیکھو کہ اللہ کی راہ میں جو اللہ کے نام پر مر گیا وہ شہید ہے اور جو حضور پاک ﷺ کی عزت پر مر گیا؟ شہید ہے کہ نہیں ہے۔ اب بندے اور اللہ کے درمیان فرق کو دیکھ لو کہ کتنا سارا ہے۔

آپ ﷺ بندہ تو ہیں، اللہ نہیں ہیں لیکن اِس کو سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ بڑی احتیاط سے سمجھنا چاہیے' وہ کہنا غلط ہے کہ آپ ﷺ صرف انسان ہیں اور یہ کہنا غلط ہے کہ انسانوں کے علاوہ وہ کچھ ہیں۔ بس اتنی سی بات آپ سمجھو۔ اگر آپ سمجھ جاؤ تو راز یہ ہے کہ انسانوں سے ماوراء نہیں ہیں اور انسان نہیں ہیں۔ بس اتنی سی بات ہے اور اس بات کو سمجھ لو تو سب سمجھ آ جائے گی۔ اس کا مقام یہی ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ اِس لیے اُن کو جواب آپ نے کچھ نہیں دینا۔ آپ اپنا کام کرتے جاؤ، اُن کا جواب اُن کو اللہ دے گا...... اب آپ اور سوال کرو......

وہ بات کرو جس کا آپ کے ساتھ تعلق ہو، جو آپ کو سمجھ آنے والی بات رہ گئی ہو یا کرنے والا کام رہ گیا ہو۔ تو اُس بات پہ آپ نگاہ دوڑاؤ ...... بولیں۔

سوال:

آج کے دور میں مادی ترقی تو بہت ہو رہی ہے مگر روحانی ترقی کیوں نہیں ہو رہی؟

جواب:

آپ کا سوال ٹھیک ہے بڑا۔ ایک بات بڑی ضروری ہے کہ ہمیشہ روحانی عروج تب ہوا جب مادی عروج کے زمانے تھے، عام طور پر ایسا ہوا کہ جب طِب کا بہت طاقت ور زمانہ ہوا تو ایک ایسی بیماری آ گئی جسے کوڑھ کہتے ہیں اب طِب لاچار ہوگئی، تو وہاں دستِ شفا لے کے ایک پیغمبر آ گئے اور طِب کی دُنیا حیران پریشان ہوگئی کہ یہ کون آ گیا۔ تو ایک واقعہ ظاہر ہو گیا۔ جب عرب کے زمانے میں فصاحت و بلاغت کا زمانہ تھا تو وہاں ایک کلامِ الٰہی گیا۔ اللہ کا بار بار دعوٰی آیا کہ لاؤ اِس جیسی کوئی سورۃ ہی لاؤ فاتو بسورۃ من مثلکم، کوئی ایسی ایک سورۃ ہو تو لاؤ۔ وہ بڑے فصیح اور بڑے بلیغ لوگ، بڑے بڑے افلاطونِ وقت حیران پریشان ہوگئے کہ یہ تو کسی بشر کا کلام ہی نہیں لگتا۔ یعنی کہ اِس جیسا کلام نہ اُس زمانے میں بن سکا اور نہ وقت کے اندر کوئی ٹھہر سکا۔ عجب بات ہے ناں! اسی طرح اپنے دور کے حساب سے عرب کا زمانہ بہادری کا زمانہ تھا، جرنیلوں کا زمانہ تھا اور اسلام نے ایسے ایسے جرنیل پیدا کیے کہ پھر فتوحات کا زمانہ آ گیا۔ اب سائنس نے دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے، چاند تک چلے گئے' یہ ہو گیا، وہ ہو گیا۔ ہماری کتابوں کی دنیا میں لکھا ہوا ہے کہ یہاں پر ایک درویش تھے اور ایک ایک ہندو جوگی تھا۔ اُن کا ہندو جوگی کے ساتھ مقابلہ ہو گیا، ہندو نے اُڑنا شروع کر دیا اور پھر اس درویش کی کھڑاویں اڑنے لگ گئیں، یہ واقعہ ہو گیا اور پھر وہ جوگی کلمہ پڑھ گیا۔ تو جس قسم کا استدراج تھا اُس قسم کی کرامت تھی۔ استدراج کا معنی ہے کافر کا Non-Believer کا کوئی مافوق الفطرت کام کرنا۔ مثلاً بیٹھے بیٹھے اڑ جانا ایک استدراج ہے۔ آپ بات سمجھ رہے ہیں؟ ایک Believer کے

ساتھ ایسا واقعہ سرزد ہو جائے، ماننے والے مومن کا اللہ کے فضل سے ایسا واقعہ ہو جائے تو وہ کرامت کہلاتی ہے۔یعنی فطرت کے عمل کے علاوہ کوئی واقعہ ہو جائے اور ماننے والے مومن کے ہاتھ سے سرزد ہو جائے تو وہ کرامت کہلاتی ہے۔ جب پیغمبر سے ایسا واقعہ ہو جائے وہ معجزہ کہلاتا ہے۔اور نہ ماننے والے سے ایسا واقعہ ہو جائے تو استدراج کہلاتا ہے۔تو جتنا پاورفُل استدراج ہوتا تھا ناویسی ہی طاقت والی کرامت ہوتی تھی۔اب استدراج چاند پر پہنچ چکا ہے تو اب فقیروں کو دعوت ہے Come on کرو اپنا کام ۔ اب روحانی دنیا کو دعوت ہوگئی اور اب روحانی دنیا جو ہے اِس سائنسی نظام کے ساتھ چلے گی اور اب واقعہ اُسی Level کا ہوگا، اسی سطح کا ہوگا۔ کیونکہ پرانے زمانے میں جب کوئی فقیر نامزد ہوتا تھا تو اس فقیر کی Range تیس میل کی ہوتی تھی، بعض کی چالیس میل کی۔ مثلاً یہ ہے پاک پتن شریف کا ایریا، پاک پتن شریف کے ایریے میں، علاقے میں بابا صاحبؒ بہت بڑے جید قسم کے فقیر ہیں۔لیکن ملتان میں اور فقیر ہیں۔ بابا زکریاؒ ہیں شاہ رکنِ عالمؒ اور شاہ شمسؒ ہیں۔ حالانکہ ملتان اور پاک پتن کے درمیان تھوڑا فاصلہ ہے۔تو یہ Range ہوتی ہے۔اِسی طرح ساتھ ہی حجرہ شاہ مقیم کی Range ہے۔ اتنی سی Range میں دس دس میل، پندرہ پندرہ میل کے اندر فقیر اور پورا طاقت ور فقیر ہوا ہے اور اُن کے روحانی فیض دینے کے لیے اپنے علاقے ہیں۔اب ٹی وی آ گیا ہے، ابلاغ کے ذرائع ہیں، اخبار ہے، اِس لیے آج جب کسی پر اللہ تعالیٰ کا کوئی ایسا واقعہ کھلا تو اُس کے لیے تو ابلاغ بہت جلدی اور آسان ہو جائے گا اور یہ ساری ورلڈ کے اندر Involve ہوگا۔تو جتنی سائنس پھیلتی جارہی ہے آپ کے لیے اچھی بات ہے کہ اُتنا جلدی روحانی فروغ ہو رہا ہے۔اس کا صرف اظہار

نہیں ہورہا۔ تو فروغ ہورہا ہے مگر اظہار کچھ نہیں ہو رہا۔ یہ چیلنج ہو رہا ہے ایک قسم کا۔ کیونکہ یہ روحانی لوگ بادشاہ ہوتے ہیں، یہ کہتے ہیں کہ ایسی جلدی کیا ہے' کوئی کہے کہ پانی سر تک آرہا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ کوئی نہیں، خیر ہے۔ اس لیے پاور جو ہے عام طور پر پریشان نہیں ہوتی، وہ پاور ہے ناں اور پاور بعض اوقات مست ہوتی ہے۔ ورنہ اگر پاور اُس طرح بے تاب ہو جائے تو فوراً کھیل شروع ہو جائے۔ تو جیسے سائنس Develop ہوئی ہے اللہ کے فضل سے روحانیت ویسے ہی Develop ہوئی ہے۔ یہ کمال کی بات ہے کہ روحانیت ویسے Develop ہوئی ہے، ویسے ہی ترقی کر گئی ہے' آپ خود دیکھو کہ ہم سب اس صدی میں رہتے ہیں، بیسویں صدی کے لوگ، سارے پڑھے لکھے لوگ، سرکاری دفاتر میں رہنے والے، انگریزی تعلیمیں پڑھنے والے، اِس دور کے اندر، لاہور شہر میں، یہاں پر آج کے دن ایسی بات سُن رہے ہیں۔ تو یہ جو آپ آج کے دن ایسی بات سن رہے ہیں تو یہ بڑی ترقی ہے روحانیت کی۔ کہ روحانیت ایک کلاس کی شکل میں بیان ہو رہی ہے، بغیر کسی Clause کے اور بغیر کسی فارمولے کے۔ بات سمجھ آئی؟ یہ ایک عجب بات ہے ناں! مطلب یہ ہے کہ یہ محفل بغیر دعوت کے' بغیر کسی ایڈمشن فارم کے، بغیر کسی فیس کے، ہم بیٹھے ہوئے ہیں اور خود بخود ہی آپ چلے آرہے ہو۔ تو ایک ایسا ذوق پیدا ہو جانا، بات پیدا ہو جانا اور بات ایسی کہ کڑی کمان کا تیر۔ پہلے تو ایسے بات نہیں آئی ناں۔ اسی طرح یہ صرف ہم نہیں ہیں بلکہ اور بھی کہیں یہ واقعہ ہوگا۔ تو آپ کو یہ بتایا جا رہا ہے کہ جیسا وہ دور پھیل رہا ہے تو ویسے ہی وہ بات آرہی ہے۔ ثبوت یہ ہے کہ آپ اپنے آپ کو دیکھیں کہ اِس زمانے میں ایسا شوق پیدا ہو جانا بڑی بات ہے۔ یہ آسان تو نہیں ہے۔ تو یہ واقعہ

بڑا اچھا ہے۔ اب یہ شوق پیدا ہو رہا ہے۔ شوق کا نام روحانیت ہے اور خوف کا نام سائنس ہے۔ اگر آپ میں شوق پیدا ہو رہا ہے تو سمجھو روحانیت پھیل گئی۔ جب آپ میں بے تابی ہو، شوق ہو کہ کچھ کرنا چاہیے تو سمجھو کہ یہ آپ کی روحانیت ہے اور جب آپ میں خوف پیدا ہو کہ کچھ نہ کر، بچ جا، بس سمجھو کہ روحانیت فیل ہو گئی۔ تو میں آپ میں دیکھتا ہوں کہ شوق ہے۔ بس شوق پیدا کر، یقین پیدا کر۔ کیا پیدا کر؟ یقین پیدا کر، اعتماد پیدا کر، اپنے آپ سے بچ، تو نے خود اپنے آپ کو برباد کیا، اللہ کے حوالے کر، کیونکہ تیرے پاس رہنا نہیں ہے۔ کیا کہا ہے؟ اللہ کے حوالے کر۔ کیونکہ تیرے پاس رہنا نہیں ہے، نہ تیرے پاس ماں رہی، نہ تیرے پاس باپ رہا، نہ بزرگ رہے، نہ باقی کوئی اشیاء تیرے پاس رہنی ہیں، نہ تیرا اپنا وجود تیرے پاس رہنا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو اللہ کے حوالے کر دے اور پھر بھی اُس نے مہربانی کرنی ہے کوئی چیز ضائع نہیں ہو گی۔ اللہ کے حوالے کر دو کر دو......

Donation

اب دعا کی جائے۔ دُعا کیا کی جائے؟ روحانیت والے اِس شعبے میں ہم پر اللہ تعالیٰ مہربانی کرے۔ کچھ اللہ مہربانی کرے کچھ تم مہربانی کرو، کہ دنیاوی تمنا چھوڑ دو، چوری چوری یہ دعا نہ کرنا کہ یہ کام بھی ہو جائے اور وہ کام بھی ہو جائے، اللہ کے حوالے کرو کام سارے۔ یہ نہ کہنا کہ اس دفعہ تو یہ ایک کام ہو جائے، اِس دفعہ بھی اللہ کے حوالے کر دو۔

آمین برحمتک یا ارحم الرّٰحمین۔

ترتیب: ڈاکٹر مخدوم محمد حسین